گھر کے ہر فرد کے لئے

نامہ

پاکیزہ

کراچی

جنوری 2026

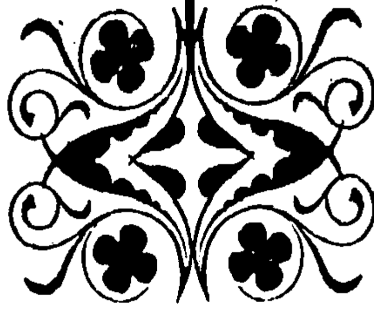
قیمت 200 روپے

بانی
معراج رسول

نگہت سیما اور افشاں آفریدی کے سلسلے وار ناول

اخوت ...... فضل الٰہی، اختر شجاعت کا ایمان افروز مقالہ

شیریں حیدر، نزہت جبیں ضیا اور وردہ بخاری کی دلچسپ تحریریں



اداریہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

افسانے

خصوصی مضامین

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ھاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone:(021)35386783-0335-2323931 E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجھے کچھ کہنا ہے!

معزز قارئین السلام علیکم!

جنوری 2026ء کا سالِ نو نمبر حاضر ہے۔ ماہنامہ پاکیزہ قارئین کی خوش ذوقی کا ہر آن، ہر لمحہ اہتمام کرتا ہے سو سالِ نو کے اس موقع پر آپ سب کے لیے دعاؤں کے ساتھ، ساتھ رنگا رنگ مضامین اور دلکش تحریروں کا تحفہ حاضر ہے۔ ہر نئے سال کی آمد پر ہم کچھ عہد کرتے ہیں...... اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کی معافی اپنے رب کے حضور مانگتے ہیں اور ساتھ ہی وطن اور اہل وطن کے لیے دعائے خیر اور نیک تمناؤں کے متمنی ہوتے ہیں۔

کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر آج اتنا ضرور کہیں گے کہ اپنے آج کو کل سے بہتر اور صحت مند بنائیں صرف مادی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر اپنے آپ کو مضبوط اور باکردار بنائیں جبھی ایک خوشگوار، صحت مند معاشرہ وجود میں آئے گا اور اس طرح پوری قوم اپنے وطن کے لیے باعث فخر ہوگی۔ ان شاء اللہ......

دلوں میں پھول اُگائیں نئی محبت کے
کدورتوں کو دلوں سے مٹائیں اب کے برس
کچھ کرو اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آکر نہ جائیں اب کے برس

مدیرہ

نزہت اصغر

القرآن الکریم



اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جن کے سامان اور دکھاوے سب سے بڑھ چڑھ کر تھے (۷۴) (اے رسول) کہہ دو کہ جو کوئی گمراہی میں (پڑا ہوا) ہو تو (خدائے) رحمٰن ضرور اس کو ڈھیل دیتا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے خواہ عذاب کو اور خواہ (قیامت کی) گھڑی کو پھر وہ جلدی معلوم کر لیں گے کہ مرتبے کے لحاظ سے کون بدتر ہے اور گروہ کے لحاظ سے کون زیادہ کمزور ہے (۷۵) اور وہ لوگ جو ہدایت پا چکے اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کو اور بڑھا دے گا اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے بہتر اور انجام کی رو سے اچھی ہیں۔ (۷۶) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا کہ (قیامت کے دن) مجھے ضرور مال اور اولاد دیے جائیں گے۔ (۷۷) کیا اس نے غیب پر اطلاع پائی ہے یا اس نے (خدائے) رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے۔ (۷۸) ہرگز نہیں جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے ابھی لکھ لیتے ہیں اور اس کے لیے عذاب اور زیادہ بڑھاتے جاتے ہیں (۷۹) اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ ہمارے حضور (قیامت کو) تنہا آئے گا (۸۰) اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کئی معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے مددگار ہوں۔ (۸۱) ہرگز نہیں عنقریب وہ ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے اور انہی کے مخالف بن جائیں گے (۸۲) کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں کے پاس بھیج دیا جو انہیں اکسا کر ابھارتے رہتے ہیں۔ (۸۳) پس تم ان پر (عذاب کے لیے) جلدی نہ کرو۔ (۸۴) ماسوا اس کے نہیں کہ ہم ان کے لیے (عذاب کے دن) گن رہے ہیں جس دن ہم (خدائے) رحمٰن کے حضور میں پرہیزگاروں کو محشور کریں گے۔ (۸۵) اور ہم مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح ہنکالے جائیں گے۔ (۸۶) شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے سوائے اس کے جس نے (خدائے) رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہو (۸۷) اور انہوں نے کہا کہ (خدائے) رحمٰن نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ (۸۸) یقیناً تم یہ بہت نامناسب بات گھڑ لائے ہو۔ (۸۹) قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر گر پڑیں کہ (۹۰) انہوں نے (خدائے) رحمٰن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر دیا (۹۱) حالانکہ (خدائے) رحمٰن کے لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ (۹۲) (کیونکہ) جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (خدائے) رحمٰن کے حضور میں ایک (عاجز) بندہ بن کر پیش ہونے والا ہے (۹۳) یقیناً اس نے ان سب کا احصا کر لیا ہے اور ان کو گن لیا ہے (۹۴) جیسا کہ گننے کا حق ہے اور وہ سب قیامت کے دن اس کے حضور میں تنہا حاضر ہونے والے ہیں۔ (۹۵) بے شک جو لوگ ایمان لا چکے اور انہوں نے نیک عمل کیے (خدائے) رحمٰن ان کے لیے عنقریب ایک محبت قرار دے گا۔ (۹۶) پس ماسوائے اس کے نہیں کہ ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کیا ہے تا کہ تم اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعہ سے ڈراؤ اور ہم نے ان سب سے پہلے کتنے ہی زمانے والوں کو ہلاک کر دیا کیا تو ان میں سے کسی ایک کی بھی آہٹ پاتا ہے یا ان کی کوئی پوشیدہ آواز بھی سنتا ہے (۹۸)

(پارہ ۱۶، سورۂ مریم ۱۹۔ آیات ۷۴ تا ۹۸)

مفاہیم احادیث

معراج نبوی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

☆ اور اللہ تعالیٰ نے (سورۂ بنی اسرائیل میں) فرمایا پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے محمد کو راتوں رات مسجد حرام یعنی حرم سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا۔

☆ اور ابن عباسؓ نے کہا مجھ سے ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا۔ ہرقل کے قصے میں ابوسفیان نے کہا وہ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو نماز پڑھنے اور سچ بولنے اور حرام سے بچے رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا ہم سے لیث بن سعد نے انہوں نے یونس سے۔ انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے انس بن مالک سے انہوں نے کہا حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ مجھے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) جبرائیل علیہ السلام بحکم ربی آسمانوں کی جانب لے چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے بحکم الٰہی معراج نصیب ہوئی اور مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ جو آسمانی مسجد ہے وہاں جبرائیل علیہ السلام براق پر لے کر چلے۔

پہلے آسمان پر پہنچے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا......وہ دائیں بائیں دیکھ کر ہنستے اور روتے ہیں۔ دریافت کیا ایسا کیوں ہے؟ جبرئیل نے فرمایا۔ یہ ان کے بیٹوں کی ارواح ہیں......داہنی طرف والے بہشتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں جب یہ اپنے دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوشی سے ہنس دیتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رنج سے رو دیتے ہیں پھر دوسرے آسمان کی جانب بڑھے۔

☆ ابوذر نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانوں میں آدمؑ اور ادریسؑ، موسیٰؑ عیسیٰؑ اور ابراہیمؑ پیغمبروں کو دیکھا مگر ہر ایک کا ٹھکانا نہیں بیان کیا اتنا کہ آپ نے پہلے آسمان پر آدمؑ کو پایا اور چھٹے آسمان پر ابراہیم کو۔

☆ ابن شہاب نے کہا مجھ کو ابوبکر بن حزم نے خبر دی کہ عبداللہ بن عباسؓ اور ابوحبہ عامر بن عبد عمر و دونوں یوں کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر جبرائیلؑ مجھ کو لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایک بلند ہموار مقام پر پہنچا۔ وہاں میں قلم چلانے کی آواز سنتا تھا ابن حزم اور انس بن مالک نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ (ہر رات دن میں) میں یہ حکم لے کر لوٹا جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا اللہ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا، میں نے کہا۔ پچاس نمازیں فرض کیں انہوں نے کہا پھر اپنے مالک کے پاس لوٹ جا کیونکہ تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی پھر میں لوٹا (اس طرح کئی بار ہوا) آخر اللہ نے فرمایا وہ پانچ نمازیں ہیں اور درحقیقت پچاس ہی ہیں۔ میرے پاس بات نہیں بدلتی پھر جبرائیل مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک مجھ کو پہنچایا اور خود آگے بڑھنے کے متحمل نہ تھے۔

☆ ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا ہم کو امام مالک نے خبر دی انہوں نے صالح بن کیسان سے انہوں نے عروہ بن زبیر سے انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے انہوں نے کہا......اللہ نے جب (شب معراج) میں نماز فرض کی تو (ہر نماز) کی دو، دو رکعات فرض کیں حضر اور سفر دونوں میں پھر سفر کی نماز تو اپنے حال پر دو، دو رکعات رہی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ (سنن ابوداؤد، صحیح بخاری)

سلسلے وار ناول

اک دیا ہے ہاتھوں پر

نگہت سیما

خواب دیکھنا کسے اچھا نہیں لگتا ہر آنکھ خواب دیکھتی ہے ہر انسان کی زندگی میں ایسا موسم ضرور آتا ہے جب ہوائیں پاؤں میں جھانجریں ڈال کر ٹھمک، ٹھمک چلتی ہیں تو خواب خودبخود آنکھوں کی دہلیز پر اتر آتے ہیں لیکن ہر آنکھ میں اترنے والا خواب تعبیر نہیں پاتا۔ کچھ خواب بے تعبیر بھی رہ جاتے ہیں۔ کچی عمروں کے وہ خواب جو بے سمت کر دیتے ہیں اور منزل کے اختتام پر میٹھے پانی کا چشمہ نہیں ریت کا سراب ہوتا ہے اور زخمی ہاتھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں... خشک ہونٹوں پر پیاس کی طلب... اور ویران آنکھوں میں مسافتوں کی تھکن... یہ صرف خوابوں کی کہانی نہیں ہے، یہ انسان کے منفی رویوں کی کہانی بھی ہے جو دلوں کے شفاف آئینوں کو دھندلا کر دیتے ہیں اور یہ محبتوں کی کہانی بھی ہے۔ سچی، خالص اور بے ریا محبتیں جو قربانی اور ایثار کا سبق دیتی ہیں اور دلوں کے سیاہ آبگینے اجال دیتی ہیں۔



گزشتہ اقساط کا خلاصہ

انشال قائداعظم یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اس کا گھر مری کے قریب ایک گاؤں میں ہے۔ چھوٹا بھائی (رومی) رمیز لاہور میں پڑھتا ہے۔ اس کے والد احمد شاہ مدرسے میں پڑھاتے ہیں اور والدہ اسکول ٹیچر ہیں۔ وہ اسے باتوں، باتوں میں سمجھاتی رہتی ہیں کہ کبھی مرد کے دکھائے جھوٹے خوابوں کے دھوکے میں نہ آنا لیکن وہ خوابوں کی اسیر ہوچکی ہے۔ پریزے اس کی دوست اپنی فرینڈز کو گھر بلاتی ہے اور انشال کی ملاقات ریان سے ہوتی ہے جو اس کی روم میٹ سینہ کا کزن ہے... ریان اپنی محبت کا کھل کر اظہار کرتا ہے اور انشال بھی اس کے ساتھ کا خواب آنکھوں میں سجا بیٹھتی ہے۔ پریزے، انشال سے پوچھتی ہے کہ کیا اس کی اماں اس کی محبت کو ایکسیپٹ کرلیں گی۔ تو وہ بتاتی ہے کہ اماں جلد اس کی شادی ازمیر سے کرنا چاہتی ہیں لیکن ازمیر کے اپنے شریکِ زندگی کے حوالے سے کچھ اور خواب ہیں۔ پریزے، انشال کے ساتھ سپر مارکیٹ جاتی ہے تو ازمیر ملتا ہے وہ اپنی والدہ کی طبیعت خراب ہونے کا بتاتا ہے تو انشال اور پریزے پھپھو کو دیکھنے اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ پریزے واپس آکر انشال سے کہتی ہے کہ ازمیر اس سے محبت کرتا ہے۔ انشال اپنے ڈپارٹمنٹ کی لڑکیوں اور میڈم زبیری کے ساتھ اسلام آباد گھومنے جاتی ہے وہاں ریان پہنچ جاتا ہے، جس کو دیکھ کر وہ سینہ سے بہت ناراض ہوتی ہے۔ ریان کے یہ بتانے پر کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اچانک ہی وہاں گیا تھا انشال اسے معاف کردیتی ہے، پریزے، انشال سے کہتی ہے ازمیر اس سے شادی سے کبھی انکار نہیں کرے گا۔ ازمیر، انشال کو ہاسٹل لینے آتا ہے کہ اس کی والدہ (طیبہ) کی طبیعت خراب ہے اور ڈاکٹر نے آپریشن کا کہا ہے اور وہ لیڈیز وارڈ میں رک نہیں سکتا۔ انشال اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ انشال چھٹیوں میں گھر آکر اپنے گاؤں جاتی ہے طیبہ، ازمیر کے لیے انشال کا رشتہ مانگتی ہیں۔ امینہ بہت خوش تھیں لیکن انشال پریشان ہوجاتی ہے وہ ازمیر سے کہتی ہے کہ وہ تو کسی امیر لڑکی سے شادی کے خواب دیکھتا تھا تو وہ کہتا ہے کہ بچپن کے ساتھ ایسے احمقانہ خواب بھی رخصت ہوجاتے ہیں۔ انشال کہتی ہے کہ وہ پی ایچ ڈی کرنا چاہتی ہے۔ ازمیر شادی کے لیے تین، چار سال کا وقت مانگ لیتا ہے۔ گڑیا کو اپنے والد کی وفات کے بعد والدہ کی دوسری شادی ہونے پر ماموں کے گھر ہی رہنا پڑجاتا ہے۔ ماموں کے بچے اس سے پیار کرتے ہیں جبکہ ممانی کا رویہ اچھا نہیں ہے۔ وہ میٹرک کے بعد اسے مزید پڑھنے سے منع کردیتی ہیں لیکن ماموں کے کہنے پر مجبوراً کالج میں ایڈمشن دلوانا پڑتا ہے۔ ماموں زاد بھائی اسفند یار اسے پسند کرتا ہے لیکن اس کی کم عمری کی وجہ سے ابھی اپنے جذبوں کا اظہار نہیں کرتا۔ گڑیا پنکھا صاف کرتے ہوئے گر جاتی ہے تو دوا کھا کر سو جاتی ہے احمد حسن چھٹیوں پر آئے۔ آتے ہی انہوں نے گڑیا کا پوچھا تو انہیں اس کے گرنے کا پتا چلتا ہے۔ گڑیا، احمد حسن سے مل کر کالج میں ایڈمشن کرانے پر شکرگزار ہوتی ہے۔ احمد حسن، ثریا سے کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے گڑیا کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ زندگی بھر معاف نہیں کریں گے۔ احمد حسن، ثریا سے اسفند اور گڑیا کے رشتے کے لیے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ ثریا گڑیا کو کسی طور اپنی بہو نہیں بنانا چاہتیں لیکن اپنے شوہر کے سامنے بول بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ گڑیا کی ماں جیا کے حسن سے شروع سے ہی خائف تھیں اور لاشعوری طور پر وہ گڑیا کے ساتھ جو رویہ رکھتی تھیں اس کی وجہ کہیں نہ کہیں جیا تھی۔ گڑیا، احمد حسن سے کہتی ہے کہ جب تک اس کی ماں کا کچھ پتا نہیں چلتا اسے یتیم خانے یا کسی فلاحی ادارے میں بھیج دیں۔ احمد حسن اسے سمجھاتے ہیں کہ انہوں نے اور اس کی ماں نے اسفند سے اس کا رشتہ کردیا تھا لیکن گڑیا کی مرضی ان کے لیے اہم ہے۔ احمد حسن، گڑیا اور اسفند سے کہتے ہیں کہ وہ ان کا نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ وہ اسفند سے کہتے ہیں کہ وہ رہیں یا نہ رہیں اسفند کو گڑیا کو اپنا نام دینا ہے۔ ثریا، گڑیا سے کہتی ہیں کہ وہ اسفند کا رشتہ اپنی بھتیجی سے طے کرچکی ہیں۔ خورشید حیدر اور مسز عطیہ خورشید مانچسٹر میں رہتے ہیں۔ ان کا اکلوتا بیٹا سلمان اسکول میں ایک بچی کو مارتا ہے اور اسے اسکول سے نکال دیا جاتا ہے۔ وہ بہت ایگریسو ہے۔ وہ اپنے رویے سے ظاہر کرتا ہے کہ اسے اپنے پاپا اور ماما پسند نہیں ہیں۔ عطیہ حیدر کے سلمان سے پہلے ایک بیٹا ابنارمل تھا پھر سلمان کے بعد ایک بیٹا ذیشان ہوا لیکن وہ بہت کم زندگی لے کر آیا تھا پھر نازنین ہوئی اور ایک دن وہ جب اس کی فیڈر بنا کر اس کے کمرے میں گئیں تو اسے مردہ پایا۔ عطیہ اپنے تین بچوں کو کھونے کے بعد سلمان کے لیے بہت کانشس تھیں۔ خورشید حیدر ان کو تسلی دیتے ہیں کہ وہ سلمان کو توجہ دیں...... وہ ٹھیک ہوجائے گا لیکن سلمان کہتا ہے کہ جب وہ ان کا سگا بیٹا نہیں تو وہ اتنے پریشان کیوں ہیں۔ عطیہ حیدر، سلمان کے لیے بہت پریشان تھیں، خورشید حیدر انہیں تسلی دیتے ہیں۔ وہ اپنے بزنس پارٹنر ایرک سے سلمان کی ملاقات کرواتے ہیں۔ ان کی باتوں سے سلمان میں پوزیٹو چینج آتا ہے اور وہ اپنے والدین کے ساتھ

سائیکاٹرسٹ کے پاس چلا جاتا ہے۔ تین سٹنگ کے بعد ڈاکٹر ماریا انہیں بتاتی ہیں کہ سلمان کو خوب صورتی سے نفرت ہے اور اسی لیے وہ ان کی کمپنی پسند نہیں کرتا۔ علیشہ کو ڈاکٹر کی بات پر یقین نہیں آتا لیکن جب وہ سلمان کی اسٹیج تک دیکھتی ہیں تو انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صحیح کہہ رہی تھی۔ سلمان اپنے دوست سے ملنے پارک جاتا ہے اور وہاں اس کی ملاقات مانوش سے ہوتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ سنڈے کو پارک آتی ہے۔ صبح میں وہاں مانوش کی سلمان سے ملاقات ہوسکتی ہے لیکن اگر وہ گھر میں اس سے ملنے کا تذکرہ کرے گا تو ہوسکتا ہے کہ والدین منع کردیں۔

اب آگے پڑھیے......

قسط نمبر 09

کپڑے دھوتے ہوئے گڑیا کی آنکھیں بار بار آنسوؤں سے بھر رہی تھیں جنہیں وہ بمشکل پیچھے دھکیلتی رہی... وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ ماموں نے کہا تھا ”تمہیں حوصلے اور صبر سے یہ وقت گزارنا ہے“ اور اسفند نے کہا تھا۔ ”ان خوب صورت آنکھوں پر ظلم نہ کرنا، تمہیں کیا خبر کہ تمہاری نم آنکھیں میرے دل پر کتنا ستم ڈھاتی ہیں۔“

اسفند جو اس کی کم عمری کی وجہ سے کبھی اپنے جذبوں کا اظہار نہیں کرسکا تھا اب جبکہ احمد حسن نے دونوں کو اپنے سامنے بٹھا کر اس سے وعدہ لیا تھا تو اسے تو جیسے اجازت نامہ مل گیا تھا کہ جب بھی اسے موقع ملتا وہ اظہار کے کچھ نہ کچھ لفظ اس کی جھولی میں ضرور ڈال دیتا تھا اور اس کا دل پھول کی طرح کھل اٹھتا۔ وہ گھنٹوں اس کے کہے لفظوں کو سوچتی رہتی اور اس کے اندر جلترنگ بجتے رہتے جیسے کوئی بربطِ دل کے تار چھیڑتا ہو اور اس سے خوش رنگ نغمے پھوٹتے ہوں۔

”پتا ہے گڑیا......!“ اس روز وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی جب وہ آہستگی سے کچن میں اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ ثریا، صوفیہ کے گھر گئی ہوئی تھیں اور رابی اپنے کمرے میں تھی۔ یہ احمد حسن کے جانے کے ایک ماہ بعد کی بات تھی، وہ ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا۔

وہ گھبرا گئی تھی، پریشان سی ہوکر اسے دیکھنے لگی تھی۔

”گھبراؤ مت، امی کو ابھی آپی کی طرف چھوڑ کر آیا ہوں۔“

اس کا ڈر دور ہوا تو حیا نے اسے پلکیں جھکانے پر مجبور کردیا اور شفق اس کے رخساروں پر نثار ہونے لگی۔ وہ کچھ دیر دلچسپی سے اسے دیکھتا رہا۔

”میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، تم ہم تینوں، مجھے، رابی اور صوفی کو روزِ اول سے ہی بہت عزیز تھیں۔ ہم تم سے بہت پیار کرتے تھے لیکن تمہارے لیے میرے دل میں موجود محبتوں کے رنگ اس وقت بدلے جب جیا پھوپو نے مجھ سے کہا تھا: ”اسفی، تمہیں میری گڑیا کا بہت خیال رکھنا ہے، میں نے اور تمہارے ابو نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تم کسی قابل ہو جاؤ گے اور گڑیا بڑی ہو جائے گی تو تم دونوں کی شادی کردیں گے۔ مجھے یقین ہے تم گڑیا کی حفاظت کرو گے، اس کا ہمیشہ خیال رکھو گے، کبھی اس کا دل نہیں دکھاؤ گے، کبھی اسے اکیلا نہیں چھوڑو گے......“ اس روز میرے دل میں موجود تمہاری محبت کی نوعیت بدل گئی تھی۔ بہت بار میرا دل چاہا کہ تمہیں بتاؤں کہ میں تمہارا ہوں، تمہیں وہ یقین دلاؤں جو میں نے پھپو کو دلایا تھا لیکن تم مجھے اس سب کے لیے بہت چھوٹی لگتی تھیں، اب بھی ایسی ہی لگتی ہو۔ میں نے اپنے اندر ہزاروں لفظ سینت سینت کر رکھے ہوئے تھے کہ میں ان لفظوں کو اس وقت تمہارے حوالے کروں گا جب تم ان کی گہرائی اور شدت کو سمجھ سکو گی۔ وہ سب میرے پاس تمہاری امانت تھے جو وقت آنے پر مجھے تمہیں سونپنے تھے لیکن اب جبکہ ابو نے تمہیں میرے اور تمہارے رشتے کے متعلق بتا دیا ہے تو میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں اور تم میری محبت پر اپنا

یقین کبھی نہ کھونا اور امی کی باتوں کی پروانہ کرنا۔''

اس روز اسفند نے اس سے بہت ساری باتیں کی تھیں اور اس نے اس کے کہے ہر لفظ کو دل میں سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ وہ خود کو بہت بدنصیب سمجھتی تھی جس کی ماں اسے اپنے بھائی، بھابی کے پاس چھوڑ کر خود شادی کر کے چلی گئی تھی لیکن اب وہ خود کو اسفند کی محبت پا کر خوش نصیب سمجھنے لگی تھی لیکن کیا وہ واقعی خوش نصیب تھی؟ اس نے بھیگی پلکوں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھا۔

ابھی، ابھی مامی نے جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ کبھی... اسفند کی شادی اس سے نہیں کریں گی تو دل جیسے ڈوب گیا تھا۔ سولہ، سترہ سال کی عمر میں اسفند نے جو خواب اس کی آنکھوں میں سجائے تھے ان خوابوں کے ٹوٹ جانے کے خوف سے اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ وہ کیسے خوش رہنے لگی تھی، ثریا کی باتیں بھی اب اسے بری نہیں لگتی تھیں، وہ جتنا بھی خفا ہوتیں وہ چپ چاپ برداشت کر لیتی لیکن آج انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس نے اس کا دل چیر دیا تھا۔ اس عمر کی محبتیں بھی بہت ظالم ہوتی ہیں اور اگر اسفند کی محبت چھن گئی تو وہ تو مر جائے گی۔

اس کی برداشت ختم ہوگئی تو وہ کپڑے مشین میں ڈال کر بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں پر رکھ کر رونے لگی، تب ہی رابی نے جو دبے پاؤں سیڑھیوں سے اتر کر لاؤنج میں اور پھر اسی آہستگی کے ساتھ لاؤنج کا پچھلا دروازہ کھول کر واشنگ ایریے میں آئی تھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ڈر گئی۔

''میں رابی......!'' وہ مسکرائی۔

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، آنسوؤں سے بھیگا چہرہ۔

''تم رو رہی ہو گڑیا؟ چلو میں آگئی ہوں مل کر کپڑے دھو لیتے ہیں۔'' وہ محبت اور ترحم سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں، میں دھولوں گی، آپ جائیں، مامی آگئیں تو خفا ہوں گی...... اور میں اس لیے نہیں رو رہی کہ مجھے کپڑے دھونے پڑ رہے ہیں۔'' اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ پونچھا۔

''مجھے پتا ہے تم کیوں رو رہی ہو۔ امی کی آواز اوپر تک آرہی تھی، وہ تمہیں ڈانٹ رہی تھیں اور میں جانتی ہوں ہمیشہ کی طرح بلاوجہ ہی ڈانٹ رہی ہوں گی۔''

ثریا جب اسے ڈانٹتی تھیں تو رابی کو دکھ ہوتا تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''آپ کو کیا پتا رابی، انہوں نے صرف مجھے ڈانٹا نہیں، میرا دل چیر کر رکھ دیا ہے۔'' دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اس نے التجا کی۔ ''رابی، پلیز آپ چلی جائیں، میں دھولوں گی۔''

''تم امی سے مت ڈرو، وہ کچن میں مصروف ہیں اور میرے یہاں آنے کی انہیں خبر نہیں ہے۔'' رابی نے اسے تسلی دی۔ ''دونوں مل کر دھولیں گے تو جلدی دھل جائیں گے۔ تم مجھے مشین سے کپڑے نکال کر دیتی جاؤ، میں کھنگال کر رکھتی جاتی ہوں، ہانڈی امی نے چڑھا دی ہے، روٹیاں میں بنالوں گی، تم آرام سے اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرنا۔''

''لیکن......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تو رابی نے ٹوک دیا۔

''کوئی لیکن ویکن نہیں، چلو کپڑے نکالو مشین سے۔'' وہ چوکی پر بیٹھ گئی۔ گڑیا نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

مشین اپنا چکر پورا کر کے رک گئی تھی، وہ کپڑے نکال کر اور نچوڑ کر ٹب میں رکھنے لگی۔

''دیکھو گڑیا، امی کا تمہیں اچھی طرح سے پتا ہے۔ تم ان کی باتوں کو زیادہ محسوس نہ کیا کرو، جتنا زیادہ محسوس کرو گی زندگی اتنی ہی تمہارے لیے مشکل ہو جائے گی۔'' کپڑے نچوڑتے اور کھنگالتے ہوئے وہ ہولے، ہولے اسے سمجھا رہی تھی۔

''پتا ہے میں اور آپی چند دن پہلے اسفی بھائی کی شادی کے متعلق بات کر رہے تھے تو اسفی بھائی کے ساتھ صرف تمہارا ہی خیال آتا ہے اور کوئی نظر میں جچتا ہی نہیں تو میں نے اور آپی نے سوچا کہ اب جب گھر میں اسفی بھائی کی شادی کا ذکر ہوگا تو ہم تمہارا نام لیں گے۔ امی کو اگر اعتراض بھی ہوگا بلکہ یقیناً اعتراض ہوگا لیکن ہم چاروں کے ووٹ کے سامنے ایک امی کا اکیلا ووٹ کچھ نہیں کر سکے گا، تو تمہیں ہمیشہ اس گھر میں امی کے ساتھ رہنا ہے اس لیے خود کو مضبوط بناؤ، ہوسکتا ہے کہ ان کا رویہ اس سے بھی برا ہو جائے لیکن ایک وقت آئے گا جب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے اتنی حسین اور خوب صورت بہو انہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔'' وہ ہولے سے ہنسی تو ایک شرمیلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی بکھر گئی۔

''میرا بھائی بہت اچھا ہے گڑیا......اور یہ بات تم بھی جانتی ہو۔''

اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور نم آنکھوں میں دیے سے جل اٹھے۔ وہ کوشش تو کرتی تھی کہ مامی کی باتوں کا زیادہ اثر نہ لیا کرے لیکن آج جیسے ان کے لفظوں کے تیر اس کے دل میں گڑ گئے تھے۔ ان کے کہے لفظ اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے...... ''اگر تم اسفند کی بیوی بننے کے خواب دیکھ رہی ہو تو ان خوابوں کو آنکھوں سے نوچ کر پھینک دو......''

اس کا جی چاہا وہ رابی کو بتائے کہ مامی نے اسے کیا کہا ہے لیکن پھر بنا کچھ کہے مشین سے کپڑے نکالنے لگی۔ دھلے ہوئے کپڑے بالٹی میں رکھنے کے بعد رابی نے اس سے کہا کہ وہ ذرا دروازے سے جھانک کر دیکھے کہ امی لاؤنج میں ہیں یا نہیں۔

''نہیں۔'' اس نے جھانک کر بتایا۔

''تو میں چلی، تم کچھ دیر بعد بالٹی لے کر آنا۔'' آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ لاؤنج میں چلی گئی اور ٹی وی آن کر کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ٹی وی کی آواز سن کر ثریا نے کچن کے دروازے سے جھانکا اور باہر آ گئیں۔

''سنو، میں نہانے جا رہی ہوں، تم پانچ منٹ بعد چولہا بند کر دینا۔''

''جی کر دوں گی۔'' رابی نے سر ہلایا۔

وہ کچھ دیر وہاں ہی کھڑی ٹی وی دیکھتی رہیں جہاں ان کا پسندیدہ پروگرام لگا ہوا تھا پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھیں تب ہی کپڑوں کی بالٹی اٹھائے گڑیا اندر آئی۔ متورم آنکھیں، نڈھال اور تھکی سی گڑیا کو دیکھ کر انہیں کمینی سی خوشی ہوئی۔

''ہونہہ...... بہت ہواؤں میں اڑ رہی تھی، میں ایسا گراؤں گی کہ پھر کبھی سر نہیں اٹھا سکے گی۔'' دل ہی دل میں کہتے ہوئے وہ اوپر جانے کے بجائے واپس آ کر رابی کے پاس صوفے پر بیٹھ گئیں۔ گڑیا بالٹی لے کر اوپر ٹیرس پر چلی گئی تو وہ رابی کو سمجھانے لگیں۔

''تم نے اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے، ایسا نہ ہو کہ کل تمہارے سر پر چڑھ کر ناچنے لگے۔''

''میں بھلا کیا کر رہی ہوں امی؟'' وہ جھنجلائی۔ ''کبھی دو بول ہمدردی کے بول دیتی ہوں اور آپ کو وہ بھی برا لگتا ہے۔ وہ کوئی غیر تو نہیں، میری پھپو کی بیٹی ہے۔ جیا پھپو نے ہمیشہ ہم سب سے بہت پیار کیا لیکن معاف کیجیے گا امی، آپ کا رویہ اس کے ساتھ بہت غلط ہے۔ ایک تو اس پر کام کا اتنا بوجھ ڈال دیا ہے، اس پر ڈانٹتی بھی رہتی ہیں بلاوجہ ہی۔''

رابی کو اس طرح کے کام کرنے کی عادت نہیں تھی، اب جو گڑیا کی ہمدردی میں اس کے ساتھ مل کر کپڑے دھلوائے تھے تو وہ خود بھی جھنجلا رہی تھی۔ ثریا اگر ماسی سے کپڑے دھلوا لیتیں تو اسے نہ تھکنا پڑتا۔ اسی جھنجلاہٹ میں

وہ اتنا بول گئی تھی ورنہ اس طرح تو یوں صاف بات اس نے ماں سے کبھی نہیں کی تھی۔
''کیا بوجھ ڈال دیا ہے میں نے، کیا چکی پسواتی ہوں اس سے؟'' ثریا کو رابی کا اس کی حمایت میں بولنا بہت برا لگا تھا۔ ''میسنی مظلوم بن کر میری ہی اولاد کو میرے خلاف کر رہی ہے۔''
''ایسا کچھ نہیں ہے امی، وہ بیچاری تو کچھ نہیں کہتی۔'' اس نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ ''یہ تو جو آپ اسے ڈانٹ رہی تھیں ابھی...... تو میں نے خود ہی کہا آپ سے۔''
''اب میری اولاد مجھے سمجھائے گی۔'' وہ بے حد غصے میں تھیں۔
''سوری، امی!'' رابی کو احساس ہو گیا تھا کہ اسے ماں سے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اب نہ جانے کتنے دن ان کا ملال ختم ہی نہیں ہوگا۔ وہ اٹھی اور ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے ان کا رخسار چوم لیا اور ایک بار پھر سوری کیا۔
''اچھا ہو گیا سوری، اب جا کر چولہا بند کر آؤ۔'' ثریا نے اپنے گلے سے اس کے بازو ہٹائے۔ اب ان کے لہجے میں غصہ نہیں تھا۔
''ویسے آج کیا پکایا ہے؟'' رابی مطمئن ہوئی تھی کہ ان کا موڈ اس کے سوری کرنے سے ٹھیک ہو گیا تھا۔
''پالک گوشت۔''
''گڈ۔'' رابی کو پالک گوشت پسند تھا۔
''سنو۔'' وہ کچن کی طرف مڑی تو انہوں نے آواز دی۔ ''میں نہا کر دو پھلکے ڈال لوں گی، تمہاری چہیتی سے نہیں کہوں گی پھر کہو گی کہ ابھی کپڑے دھوئے ہیں اور اب چولہے کے آگے کھڑا کر دیا ہے۔''
''ہاں تو...... یہ تو زیادتی ہے ناں کہ اتنے کپڑے دھونے کے بعد پھر روٹیاں بھی وہ ہی پکائے۔'' وہ کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن زبان سے پھسل گیا۔
ثریا نے جتاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔
''مطلب کہ آپ جا کر باتھ لیں، ابھی ظہر کی اذان ہو جائے گی، آرام سکون سے نماز پڑھ کر آئیے گا، اتنے میں روٹیاں میں بنا لوں گی۔ آپ آئیں گی تو کھانا لگا لوں گی۔'' وہ کچن میں چلی گئی تب ہی گڑیا سیڑھیوں پر نمودار ہوئی۔
''اور ہاں......'' ثریا کو یاد آیا۔ ''صوفی کا فون آیا تھا، شام میں تھوڑی دیر کے لیے اپنے میاں کے ساتھ آئے گی۔''
''آپ نے کہہ دیا ہوتا ڈنر ہمارے ساتھ کر لیں۔'' وہ چولہا بند کر کے کچن سے باہر آئی۔
''ان کی کہیں دعوت ہے۔'' وہ کھڑی ہو گئیں۔ ''اور دھیان رکھنا گڑیا نیچے نہ آئے جب تک وہ ادھر ہوں۔''
''کیوں امی؟'' رابی کو حیرت ہوئی تھی، جب بھی آپی اپنے شوہر کے ساتھ ملنے آتی وہ گڑیا کو ان کے سامنے آنے سے منع کر دیتی تھیں۔
''آپی ناراض ہو رہی تھیں کہ گڑیا ان سے ملنے نہیں آتی، انہیں خود اوپر جانا پڑتا ہے اس سے ملنے اور دولہا بھائی کو بھی تو برا لگتا ہوگا ناں۔''
''کچھ سوچ سمجھ کر ہی منع کیا ہے میں نے۔ صوفی مل آتی ہے ناں اوپر جا کر پھر یہاں آ کر سب کے ساتھ بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔'' انہوں نے گڑیا کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھ لیا تھا اس لیے جان بوجھ کر اونچی آواز میں بات کر رہی تھیں جبکہ رابی کی اس کی طرف پشت تھی۔
''ایسی ہی معصوم صورتیں دوسروں کے بسے بسائے گھر اجاڑ دیتی ہیں۔ اللہ میری صوفی کے گھر کو آباد رکھے۔''
''امی......!'' اس نے احتجاجاً قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیا امی...... تمہاری آنکھوں پر اس کی ہمدردی اور پیار کی پٹی بندھی ہے، یہ بھی اپنی ماں کی طرح کتنی چالباز اور ہوشیار ہے تمہیں کیا خبر۔"

"پلیز امی، کیسی بات کر رہی ہیں۔" رابی بھول گئی کہ ابھی وہ ان سے سوری کر چکی تھی اور دل میں عہد کر چکی تھی کہ گڑیا کی حمایت کر کے امی کو ناراض نہیں کرے گی۔

"نہ ہی ہماری گڑیا ایسی ہے اور نہ ہی دولھا بھائی ایسے نظر باز ہیں۔"

"تم کیا جانو مرد ذات کو...... سامنے ادائیں دکھاتی حسین صورت ہو تو اچھا بھلا شریف مرد پھسل جاتا ہے اور تمہارے دولھا بھائی بھی مرد ہی ہیں، کوئی فرشتہ نہیں۔"

اور آخری سیڑھی پر کھڑی گڑیا کے چہرے پر زردیاں اتر آئی تھیں۔ ثریا کا کہا ہر لفظ جیسے دل کو چیرتا چلا گیا تھا۔ گو وہ یہ باتیں پہلے بھی اس سے کہہ چکی تھیں لیکن ہر بار پہلے سے زیادہ اذیت ہوتی تھی۔ وہ لرزتے قدموں سے بالٹی اٹھائے دروازے کی طرف بڑھی تو اس کی زرد رنگت، ڈبڈبائی آنکھیں اور لرزتے قدموں نے ان کو پُرسکون کیا۔

رابی بے حد دکھ اور تاسف سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے بھی اب گڑیا کو دیکھ لیا تھا۔

ثریا اسے نظر انداز کر کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں...... "آہ یہ اولاد کبھی نہیں سدھر سکتی اور میں ان کے دل میں موجود گڑیا کی محبت کو کبھی ختم نہیں کر سکتی......" اس وقت رابی کی آنکھوں سے جو دکھ جھلک رہا تھا اس نے انہیں باور کروایا تھا کہ وہ گڑیا کو جتنا برا بھلا کہیں گی اس کی محبت اور ہمدردی ان کے دلوں میں اتنا ہی بڑھے گی۔ انہیں یک دم یاد آیا تھا ان کی اماں اکثر کہا کرتی تھیں...... "جو زہر سے نہ مرے اسے گڑ سے مارو......" اب اماں نے یہ کہیں سے سنا تھا یا یہ ان کا خود کا تخلیق کردہ تھا لیکن تب وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتی تھیں لیکن اب اچانک ہی انہیں ادراک ہوا تھا کہ اماں کا کیا مطلب تھا...... تو انہیں بھی اپنا رویہ بدلنا ہوگا، کم از کم اپنے بچوں کے سامنے انہیں گڑیا کو کچھ نہیں کہنا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ فیصلہ کر چکی تھیں۔

رابی بے حد افسردہ اور دکھی سی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ امی، گڑیا کے متعلق ایسا سوچتی ہیں۔ "بھلا یہ بھی کوئی کرنے کی بات تھی، آپی کو پتا چلے تو وہ کیا سوچیں گی، ابھی تو وہ یہ ہی سمجھتی ہیں کہ وہ دولھا بھائی سے سمجھتی ہے اور گڑیا...... اس نے سب سن لیا تھا، کیا سوچ رہی ہوگی وہ، اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ کیسے چل رہی تھی جیسے جسم میں جان ہی نہ ہو۔"

وہ کچھ دیر یوں ہی سر تھامے بیٹھی رہی۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر اس کی طرف جاتی گڑیا باقی ماندہ کپڑوں کی بالٹی اٹھائے لاؤنج میں آئی اور رابی کی طرف دیکھے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو رابی نے بے اختیار کھڑے ہوتے ہوئے اسے آواز دی۔

"گڑیا...... اِدھر آؤ۔"

وہ بالٹی سیڑھیوں کے پاس رکھ کر ہولے، ہولے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"میری طرف دیکھو...... پلیز امی نے جو کچھ کہا ہے اس کا اثر مت لینا، تمہیں پتا تو ہے ناں کہ وہ ایسے ہی بولتی رہتی ہیں۔"

اس نے نظریں اٹھائیں، کرب و اذیت کی اگر کوئی مجسم شکل ہو سکتی تھی تو وہ اس وقت اس کی تصویر تھی۔ رابی کا دل کانپ گیا۔ اسے لگا کہ اس کا کہا کوئی لفظ بھی اس اذیت اور کرب کو ختم نہیں کر سکتا جو اس وقت اس کی آنکھوں میں منجمد تھا۔ شاید اس کے پاس ایسا کوئی لفظ تھا ہی نہیں۔

"رابی......!" اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

''گڑیا......!'' رابی نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو جیسے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ رابی اسے اپنے ساتھ لپٹائے ہولے، ہولے تھپکتی رہی۔

''بس......بس گڑیا......اس طرح مت روؤ نہیں تو میں بھی رو دوں گی۔''

روتے، روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ رابی نے اسے الگ کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

''میں ایسی نہیں ہوں رابی......جیسا مامی سمجھتی ہیں۔'' وہ سسکی۔

''میں جانتی ہوں...... مجھے پتا ہے، میں اب کیا کہوں، امی پتا نہیں کیوں......لیکن تم یقین رکھو، وہ جو بھی کہتی رہیں، ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں اور ہمیں پتا ہے ہماری گڑیا جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ بس اب بالکل نہیں رونا شاباش۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسوؤں کو ایک بار پھر اپنی انگلی کی پور سے پونچھا۔

''کپڑے پھیلا کر ہاتھ لو، نماز پڑھ کر سو جاؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں رات کو خود تمہیں ٹیسٹ کی تیاری کروا دوں گی......اور ہاں، تمہارے لیے کھانا میں اوپر ہی لے آؤں گی۔''

''وہ... مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے جھک کر بالٹی اٹھائی اور نم آنکھوں کو پونچھتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تب ہی فون کی بیل ہوئی۔ رابی نے ریسیور اٹھایا اور گڑیا کی طرف دیکھا۔

''اسفند بھائی کا ہے۔''

بس لمحہ بھر کے لیے گڑیا ساکت ہوئی اور پھر قدم آگے بڑھایا۔ رابی ہولے، ہولے کچھ کہہ رہی تھی۔

''ہاں امی تو نہا رہی ہیں، گڑیا سے بات کریں گے؟'' وہ گڑیا کی طرف متوجہ ہوئی۔

''گڑیا، اِدھر آؤ، اسفند بھائی سے بات کرلو۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے بات نہیں کرنی۔'' اور پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔

''مجھے اب اسفند سے بات نہیں کرنی، کبھی نہیں۔ جس راستے پر چل کر منزل پر پہنچنے کا یقین نہ ہو اس راستے پر چلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' اس نے کہیں پڑھا تھا اور اسے بھی اس راستے پر نہیں چلنا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ محبت نے جو اس کے نوخیز دل کی مکین ہو چکی تھی اسے حیرت اور دکھ سے دیکھا لیکن وہ دل ہی دل میں عہد کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

''میں، اسفند کی محبت کو دل سے نکال کر پھینک دوں گی...... ماموں ان چھٹیوں میں ضرور اماں کا پتا چلا لیں گے اور میں اپنی اماں کے ساتھ چلی جاؤں گی اور کبھی واپس نہیں آؤں گی...... ہاں کبھی نہیں......'' آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے اور محبت دل کے آنگن میں بال کھولے بین کر رہی تھی۔

☆☆☆

عطیہ حیدر بے چین اور مضطرب سی ڈائننگ ایریا سے سٹنگ تک مسلسل چکر لگا رہی تھیں۔ ریٹا ولسن جو سٹنگ میں ڈسٹنگ کر رہی تھی اس نے دو تین بار ان کی طرف دیکھا اور پھر ڈسٹر ایک طرف رکھ کر ان کی طرف آ گئی۔

''میم، آر یو او کے؟''

''یا......yes۔'' انہوں نے سر ہلایا، سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ سلمان کچھ دیر پہلے ہی اوپر گیا تھا، وہ یقیناً کچھ دیر ابھی اپنے کمرے میں ٹھہرے گا۔ آج کل اس کی روٹین تھی کہ ناشتے کے بعد کچھ دیر نیچے ہی رہتا پھر قاری عبدالعزیز صاحب جن کا تعلق مانچسٹر کی ایک مسجد سے تھا اسے قرآن پڑھانے آجاتے تھے۔ گو چند ماہ پہلے وہ قرآن ختم کر چکا تھا لیکن نہ صرف یہ کہ وہ اسے دُہرائی کروا رہے تھے بلکہ دوسری اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کروا رہے تھے۔ خورشید حیدر چاہتے تھے کہ وہ اسے ترجمہ اور تفسیر بھی پڑھا دیں لیکن قاری صاحب اپنے حساب سے چلتے تھے۔ انہوں نے کہا تھا

کہ فی الحال انہیں جو وہ کر رہے ہیں کرنے دیں۔ ترجمہ و تفسیر بھی ان شاء اللہ ہو جائے گا۔ قاری صاحب کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر ٹی وی دیکھتا تھا پھر اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ لنچ وہ عطیہ حیدر کے ساتھ ہی کرتا تھا، کبھی کبھار خورشید حیدر بھی لنچ کے لیے آجاتے تھے لیکن زیادہ تر وہ آفس میں ہی لنچ کر لیتے تھے۔ لنچ کے بعد عاطف ملک ایک پاکستانی اسٹوڈنٹ اسے پڑھانے آجاتا تھا۔

''میم، کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتی ہوں؟'' ریٹا ابھی تک کھڑی تھی۔

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا اور ڈائننگ چیئر کھینچ کر وہیں بیٹھ گئیں۔ ریٹا نے واپس مڑتے ہوئے انگلیوں سے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''خداوند یسوع مسیح ان پر رحم فرمائے۔''

وہ ڈسٹر اٹھا کر پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی لیکن بھی، بھی کن انکھیوں سے انہیں بھی دیکھ لیتی تھی جو اضطراب کے عالم میں اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھیں۔ ''یقیناً وہ پریشان ہیں اور اس کی وجہ وہ ننھا فتنہ ہوگا۔'' دل ہی دل میں کہتے ہوئے وہ سٹنگ سے کام ختم کر کے ڈرائنگ روم میں چلی گئی تو عطیہ حیدر ایک بار پھر اسی طرح چکر لگانے لگیں۔ چند منٹ بعد وہ سٹنگ میں آکر بیٹھ گئیں۔

دو دن پہلے ڈاکٹر ماریا نے کہا تھا کہ ''سلمان کو اب سیشن کی ضرورت نہیں ہے اور میرے خیال میں اب وہ اسکول جا سکتا ہے کیونکہ اس کے اندر جو تشدد کا رجحان تھا وہ اب نہیں رہا اور میں اس کے لیے بہت خوش ہوں کہ میرے علاج سے یہ اب نارمل بچوں کی طرح ہی سوچتا اور بی ہیو کرتا ہے۔''

تب ایک دن پہلے وہ ڈاکٹر ماریا سے written لے کر سلمان کے اسکول گئے تھے۔ ان سے سوال جواب کرنے کے بعد سلمان سے اکیلے میں مس سوزی گارڈن اور انتظامیہ کے دو بندوں نے بات چیت کی تھی اور مس گارڈن نے ان سے کہا تھا کہ وہ اپنے فیصلے سے انہیں جلد مطلع کر دیں گے اور کچھ دیر پہلے جب وہ اور سلمان لنچ کر رہے تھے خورشید حیدر کا فون آیا تھا کہ مس گارڈن نے انہیں اسکول بلوایا ہے اور تب سے اب تک جیسے وقت گزر ہی نہیں رہا تھا۔ خورشید آفس سے ہی اسکول چلے گئے تھے اور وہ یہ سوچ، سوچ کر پریشان ہو رہی تھیں کہ ''اگر مس سوزی نے سلمان کو دوبارہ اسکول میں لینے سے انکار کر دیا تو...... وہ تو ٹوٹ جائے گا۔''

آج کل وہ کافی خوش اور مطمئن رہنے لگا تھا اور اس کا کریڈٹ کلی کو جاتا تھا۔ وہ ہر سنڈے کو پارک میں اس کے ساتھ کھیلنے جاتا تھا، کبھی کبھار سنڈے کے علاوہ بھی چلا جاتا تھا۔ انہوں نے دو تین بار سلمان سے کہا تھا کہ وہ کلی کو گھر پر بلائے لیکن اس نے کہا تھا کہ اسے کسی کے گھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یقیناً اس کے اندر جو تبدیلی آئی تھی اس میں ڈاکٹر ماریا کی کوششوں کا بھی دخل تھا لیکن کلی کا بھی کردار تھا۔ پہلے وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتا تھا لیکن اب وہ ان کے ساتھ بھی بیٹھتا تھا، باتیں کرتا تھا اور اس نے عاطف ملک کو بھی تنگ نہیں کیا تھا۔ بہت سنجیدگی سے پڑھتا۔ عاطف ملک نے اس کی ذہانت کی تعریف کی تھی۔ چند بار وہ اسے اپنے ساتھ اپنے دوستوں کے ہاں ہونے والی پارٹیوں اور ڈنر وغیرہ میں بھی ساتھ لے کر گئے تھے جہاں اس کا رویہ بہت نارمل رہا تھا۔ وہ دوسرے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتا رہا تھا، اگر کسی نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تھا تو اس نے کوئی ردِعمل نہیں دیا تھا۔

وہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھکتی نہ تھیں۔ وہ ایک بار پھر اٹھیں تب ہی گیٹ پر گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور ساتھ ہی گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئیں۔ تین بچوں کی موت نے ان کا دل کمزور کر دیا تھا۔ ان کی نظریں دروازے پر تھیں اور وہ سانس روکے بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور خورشید حیدر اندر داخل ہوئے، ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے تو جیسے ان کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

''مس گارڈن نے کہا ہے کہ کل سے سلمان اسکول آسکتا ہے۔ انہوں نے کچھ surety مانگی تھی اور میں

نے ان کی یقین دہانی کرادی ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔"
"یا اللہ تیرا شکر ہے، میرا بیٹا ایک سال بعد اسکول جائے گا۔" انہوں نے آنکھیں بند کیں جو یک دم بھیگ گئی تھیں۔ ان کا جی چاہا وہ سیڑھیوں کے پاس جا کر سلمان کو بلند آواز میں پکار کر بتائیں کہ وہ کل سے اسکول جا سکتا ہے لیکن پھر سوچا نہیں وہ اوپر جا کر خود اسے بتائیں گی۔ وہ اٹھنے ہی لگی تھیں جب سلمان انہیں سیڑھیوں سے اترتا ہوا نظر آیا۔
"سلمان......!" جیسے ہی وہ نیچے پہنچا وہ بے قراری سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھیں۔ "مس گارڈن نے اجازت دے دی ہے، تم اب کل سے اسکول جا سکتے ہو۔" شدتِ جذبات سے ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔
سلمان کی آنکھوں میں یک دم کوندا سا لپکا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے خورشید حیدر کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے لب خاموش تھے لیکن آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ اس کی سحر انگیز آنکھوں کی یہ مسکراہٹ انہیں اور بھی سحر انگیز کرتی تھی۔
عطیہ ابھی تک اپنی جذباتی کیفیت سے نہیں نکل سکی تھیں۔ یک دم انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور بند آنکھوں کے پیچھے مچلتے آنسو رخساروں پر بہہ آئے تھے۔ وہ رو رہی تھیں۔
"relax عطیہ۔" خورشید حیدر نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے اسے الگ کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چومی اور اس کی بے حد خوب صورت سحر انگیز آنکھیں دیکھتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے ان کے دل میں خیال آیا۔
"پتا نہیں سلطان حیدر، .... رحیمہ سلطان کی آنکھوں کے سحر کے اسیر کیوں نہیں ہوئے تھے...... سانولی رنگت اور موٹی ناک تو ثانوی رہ جاتی ہے جب نظریں ان آنکھوں میں الجھ جاتی ہیں لیکن شاید انہوں نے کبھی رحیمہ سلطان کی آنکھوں کو دھیان سے دیکھا ہی نہ ہو ورنہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ان کے سحر میں گرفتار نہ ہوتے۔"
سلمان نے آہستگی سے ان کے ہاتھوں کے پیالے سے اپنا چہرہ ہٹایا اور ہولے، ہولے چلتا ہوا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔
"وہ مجھے کس گریڈ میں ایڈمشن دیں گے؟" اس نے خورشید حیدر سے پوچھا۔
"تمہاری عمر کے حساب سے جو گریڈ بنتا ہے اسی میں۔ لیکن شاید وہ تمہارا کوئی ٹیسٹ بھی لیں اور میرا خیال ہے کہ تم وہ کلیئر کر لو گے۔ عاطف تمہاری بہت تعریف کرتا ہے۔" وہ ایک سال بعد اسکول جا رہا تھا تو خورشید حیدر اس کی پریشانی سمجھتے تھے۔
"ہاں میں کر سکتا ہوں۔" اس کی آنکھیں پھر مسکرائی تھیں اور اس نے عطیہ حیدر کی طرف دیکھا جو ابھی تک کھڑی تھیں۔
"کیا آپ پریشان ہیں کہ کہیں پھر میں کسی بچے کو غصے میں پیٹوں گا۔ لیکن پرامس، میں اب ایسا کچھ نہیں کروں گا۔ میں اپنے غصے کو کنٹرول کرنا سیکھ گیا ہوں۔"
اس نے اپنے غصے پر کنٹرول کرنا ہی نہیں سیکھا تھا بلکہ مانوش نے اسے خود کو چھپانا بھی سکھا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔
"تمہارے اندر جو چل رہا ہے وہ تمہارا ذاتی راز ہے اور یہ کہ تم دوسروں کے متعلق کیا سوچتے ہو، تمہیں اپنے راز چھپانے آنے چاہئیں لیکن تم اپنا راز عیاں کر دیتے ہو، کسی کو مار پیٹ کر، موڈ خراب کر کے، دوسروں کو اپنا بھید کبھی مت دو۔ تم کیا سوچتے ہو، دوسروں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے اسے اپنے تک محدود رکھو ورنہ لوگ تمہیں ابنارمل اور پاگل کہیں گے...... جیسا کہ مجھے کہتے تھے۔"
"نہیں، میں پریشان نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اب ایسا کچھ نہیں ہوگا اور تم اسی اسکول سے ہی اپنی اسکول کی تعلیم مکمل کرو گے پھر کالج جاؤ گے تب تم زیادہ سمجھدار ہو چکے ہو گے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائیں اور

خورشید حیدر کے پاس بیٹھ گئیں۔

''میں تو تمہیں دیکھ رہی تھی، تمہاری ان خوب صورت جادوگر آنکھوں کو جو بالکل تمہاری دادی جیسی ہیں اور سوچ رہی تھی کہ جب میرا بیٹا جوان ہوگا تو میں اس کے لیے دلہن تلاش کرنے نکلوں گی تو پتا نہیں کون ہوگی جو میری نظروں میں جچے گی۔''

اس کی پیشانی پر ناگواری شکن نمودار ہوئی لیکن اس نے فوراً ہی اپنی ناگواری چھپالی۔

''آج اس خوشی میں کیوں نہ باہر چلیں سلمان، ڈنر باہر کریں گے اور......''

''نہیں، آج شام کو مجھے پارک جانا ہے اور......'' وہ لحہ بھر کے لیے رکا۔ ''ہوسکتا ہے مجھے دیر ہو جائے۔ آج کچھ اور دوست بھی آرہے ہیں تو ہم فٹ بال کھیلیں گے۔''

''لیکن کل تو سنڈے کو آتا ہے ناں زیادہ تر؟'' عطیہ حیدر آج اس کو ساتھ لے کر باہر جانا چاہتی تھیں۔ کتنے عرصے بعد کوئی خوشی کی خبر ملی تھی اور وہ اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنا چاہ رہی تھیں۔

''ہاں لیکن آج اس نے آنے کو کہا تھا، اپنے دوستوں کے ساتھ آئے گا۔''

وہ بھید رکھنا جان گیا تھا۔ آج تک عطیہ اور خورشید حیدر کو معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ پارک میں کسی سے نہیں مانوش سے ملتا ہے۔ وہ پہلے جھوٹ نہیں بولتا تھا لیکن اب بولنے لگا تھا۔ مانوش کہتی تھی...... ''یہ جھوٹ نہیں ہے، یہ پروٹیکشن (protection) ہے۔ تم اگر اپنی مام کو بتادو گے کہ تم پارک میں مجھ سے ملنے آتے ہو تو وہ کبھی تمہیں مجھ سے ملنے نہیں دے گی کیونکہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ جب تمہارے ڈیڈ نے مجھے ہائر کیا تھا تب بھی اس نے کہا تھا کہ وہ خود تمہاری دیکھ بھال کرسکتی ہے۔''

وہ مانوش سے زیادہ سوال نہیں کرتا تھا بس اس کی باتیں خاموشی سے سنتا رہتا تھا اور وہ مسلسل بولتی رہتی تھی۔

''میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا بلکہ مجھے ایسا ہی لگتا تھا کہ وہ تمہارے والدین نہیں ہیں۔ سب یہی کہتے تھے کہ تم ان کے بیٹے نہیں لگتے......اور مجھے تو لگتا تھا جیسے تم میرے بیٹے ہو...... جیسے تمہیں میں نے جنم دیا ہے۔ جب تم میم کے پاس ہوتے تو بالکل اچھے نہیں لگتے تھے لیکن جب میرے ساتھ ہوتے تو میرے جیسے لگتے تھے......میرے اپنے...... میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن وہ تمہاری مام اپنے خوب صورت اپنے جیسے بچوں کے غم میں مبتلا رہتی تھی، اس نے کبھی تمہاری فکر نہیں کی، اس نے کبھی تمہاری پروا نہیں کی۔''

وہ مانوش کی کسی بات سے انکار نہیں کرتا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مام اس سے بہت محبت کرتی ہیں اور ڈیڈ بھی، لیکن پتا نہیں مانوش میں ایسا کیا تھا کہ وہ کبھی اس کی کسی بات کی تردید نہیں کر پاتا تھا۔ مام اور ڈیڈ کے ساتھ کہیں آتے جاتے وہ ان ایزی محسوس کرتا تھا جبکہ مانوش کے ساتھ کمفرٹیبل رہتا تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی کسی بات کی تردید نہیں کرتا تھا۔

''کوئی بات نہیں عطیہ، آج اسے دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنے دو، ہم کل چلے جائیں گے۔'' خورشید حیدر نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی جو یک دم اداس ہوگئی تھیں۔

''یس مام، ہم کل چلے جائیں گے۔'' سلمان نے چونک کر انہیں دیکھا جو چند لمحے پہلے بہت جوش سے یہ خوشی سیلیبریٹ کرنے کو کہہ رہی تھیں اب اداس اور خاموش سی بیٹھی تھیں اور خورشید حیدر کا ہاتھ اب بھی ان کے بازو پر تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ لحہ بھر کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ آج پارک نہ جائے اور مام اور ڈیڈ کے ساتھ باہر چلا جائے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ مانوش اس کا انتظار کرتی رہے گی، وہ نہ گیا تو ناراض ہو جائے گی۔ اس نے تاکید کی تھی کہ وہ کل ضرور آئے کیونکہ اس اتوار کو ایک ہفتے کے لیے وہ میم کرسٹی کے ساتھ اس کی مام کے گھر

جا رہی ہے اور اسے اس کو کچھ ضروری باتیں سمجھانی ہیں۔

''سوری مام، مجھے اگر پہلے پتا ہوتا تو میں آج کا پروگرام نہ بناتا۔''

''اٹس او کے مائی سن۔'' خورشید حیدر اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے تو اس نے دونوں کی طرف دیکھا۔

''میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں...... کل کے لیے اپنا بیگ تیار کرلوں؟''

عطیہ حیدر نے سر ہلایا اور اس وقت تک سیڑھیوں کی طرف دیکھتی رہیں جب تک وہ نظر آتا رہا۔ اس کے روم کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تو انہوں نے خورشید کی طرف دیکھا۔

''میری ہر خوشی ادھوری اور نامکمل کیوں ہوتی ہے، میرا جی چاہ رہا تھا کہ ہم تینوں باہر جائیں، لانگ ڈرائیو کریں، اس کا پسندیدہ پیری، پیری چکن اور فش اینڈ چپس انجوائے کریں لیکن......'' ان کی آنکھیں بھر آئیں۔ ''میری ہر خوشی کی عمر مختصر ہوتی ہے۔ ذیشان، نازنین...... کتنی مختصر عمر تھی اس خوشی کی، کیا میرا اللہ مجھ سے ناراض ہے۔''

''یہ محض تمہارے احساس کی شدت ہے عطی۔'' انہیں لگا جیسے وہ ایک بار پھر خود ترسی کا شکار ہو رہی ہوں۔ ''کیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ اتنے عرصے سے ایک مکمل، بھرپور، خوشی بھری زندگی نہیں گزار رہے، ہماری زندگی میں کتنے ہی لمحے ایسے آئے جب ہم نے خوشی کے ہر رنگ کو پورے حسن کے ساتھ محسوس کیا۔''

''ہاں۔'' عطیہ نے سر ہلایا۔ ''کاش ہم ان خوشی بھرے لمحوں کو قید کر لیتے، روک لیتے، ہمیشہ کے لیے وہ ہماری زندگی میں ٹھہر جاتے۔ وہ خوشی جب نازنین نے میری گود میں آنکھیں کھولی تھیں، وہ خوشی، اس کے ہونے کی خوشی کبھی فنا نہ ہوتی۔''

''کسی بھی چیز کو بقا نہیں ہے، نہ غم کو نہ خوشی کو۔ نہ غم ہمیشہ رہتا ہے نہ خوشیاں، جو لمحے گزر گئے وہ واپس نہیں آئیں گے لیکن آگے بہت سارے خوشیوں بھرے لمحے آئیں گے، ان شاء اللہ۔ تم اپنے اللہ پر یقین اور بھروسا رکھو، آنے والا وقت یقیناً ہمارے لیے اچھا ہوگا۔'' وہ ہولے، ہولے بول رہے تھے اور عطیہ بہت دھیان سے انہیں سن رہی تھیں۔

''پتا ہے عطی، میں نے ایرک سے بات کی تھی۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ میں پراجیکٹ کی فکر نہ کروں اور جب جی چاہے پاکستان چلا جاؤں۔ وہ میرا کام عارضی طور پر کسی اور کے سپرد کردے گا۔ میں پلان بنا رہا تھا، ایک دو روز میں ویزا اپلائی کرنا تھا مجھے، میرے پاس پاکستانی پاسپورٹ نہیں ہے تو اس لیے۔ میں نے سوچا تھا ہم ایک ماہ وہاں رہیں گے اور پہلا کام جو مجھے کرنا ہے وہ ان کو تلاش کرنے کا ہے۔ میں ہمیشہ تم سے شرمندہ رہوں گا کہ بھائی صاحب نے جب نیا نمبر دیا تو میں نے اسے کھو دیا۔ ان دنوں تم اتنی بیمار تھیں کہ ڈاکٹر کہتے تھے تمہیں ایڈمٹ کروانا پڑے گا۔ مجھے تو کسی بات کا ہوش نہیں تھا حالانکہ میں نے وعدہ کیا تھا ان سے کہ جیسے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک ہوتی ہے تمہاری بات ان سے کرواتا ہوں لیکن......''

''آپ نے جان بوجھ کر تو نہیں کیا ناں پھر کیوں شرمندہ ہوتے ہیں، تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا۔'' عطیہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جسے انہوں نے مضبوطی سے اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا۔

''لیکن اب سلمان کا اسکول شروع ہوگیا ہے تو ہم اب پھر دسمبر کی چھٹیوں میں ہی جاسکیں گے۔ جب مس سوزی گارڈن کہہ رہی تھیں کہ سلمان کل سے آسکتا ہے تو میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا تھا کہ ان سے کہوں کہ ہم نے ابھی پاکستان جانا ہے، واپس آنے کے بعد وہ اسکول آئے گا لیکن پھر مجھے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں وہ یہ سن کر اپ سیٹ نہ ہو جائے کہ ہم ابھی اسے اسکول نہیں بھیج رہے۔ ایک سال سے وہ اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔''

''آپ نے بالکل صحیح سوچا ہے، جہاں اتنا وقت گزر گیا وہاں چند ماہ اور بھی گزر جائیں گے۔'' عطیہ ان کی

طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

''ہاں یہ چند ماہ بھی گزر ہی جائیں گے لیکن ان شاء اللہ ایک ڈیڑھ ماہ تک ہمارا ان سے رابطہ ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''ہماری کمپنی میں کام کرنے والے ایک پاکستانی لڑکے سے آج یوں ہی سائٹ (site) پر بات ہو رہی تھی تو پتا چلا کہ اس کا تعلق گوجر خان سے ہے۔ میں نے بھائی صاحب کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ نام کی حد تک انہیں جانتا ہوں، ہمارے ساتھ والے محلے میں ہی رہتے تھے۔ پندرہ، بیس دن تک وہ چھٹی پر جا رہا ہے، کہہ رہا ہے پہلی فرصت میں ہی بھائی صاحب کا پتا کروالے گا۔ اس نے بتایا ہے کہ وہ لوگ راولپنڈی شفٹ ہو گئے تھے لیکن انہوں نے گھر فروخت نہیں کیا تھا۔ میرے بھائی صاحب خریدنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اسے فروخت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے... کبھی نہ کبھی تو آتے ہوں گے تو پتا چل جائے گا۔ ان کے سب جاننے والوں سے خود جا کر معلوم کروں گا۔''

وہ تفصیل سے بتا رہے تھے اور عطیہ حیدر کی آنکھوں میں امید کی لو جگمگا اٹھی تھی۔ انہیں بھی جیسے یقین ہو گیا تھا کہ اب بھائی صاحب کا پتا چل جائے گا۔

''یہ لڑکا کئی سالوں سے ہماری کمپنی میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی پرسنل باتیں نہیں ہوئیں۔ آج... اتفاق سے سائٹ پر اکٹھے چائے پینے بیٹھے تھے تو بات سے بات نکل آئی لیکن ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے، آج ہی پتا چلنا تھا۔ جیسے ہی ہمارا رابطہ ہوتا ہے میں اسے اسپانسر کروں گا۔ میں نے کہا تھا کہ ایک بار پھر کوشش کروں گا اسے یہاں لانے کی۔ پہلے تو وزٹ ویزے پر اسے بلائیں گے، اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے، پہلے ہمیں اسے یہاں بلانا ہے۔''

''پتا نہیں اب کیسی ہوگی وہ...... مجھے پہچانے گی بھی یا نہیں؟'' آنکھوں کے سامنے اس کا سراپا لہرایا۔ جب چھوٹی تھی تو ان کی طرف آتی ہی نہیں تھی بس کسی نہ کسی کی گود میں ہوتی۔ وہ زبردستی اٹھاتیں تو تھوڑی دیر بعد بسورنے لگتی تھی لیکن جب آخری بار وہ گئی تھیں تو وہ سارا وقت ان کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ کبھی ان کا ہاتھ پکڑ لیتی کبھی انہیں تکنے لگتی تھی۔ شاید وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ اپنے اور ان کے رشتے کو سمجھنے لگی تھی۔ اس روز انہیں اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال نظر آئے تھے لیکن زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور جب وہ آ رہی تھیں اور انہوں نے اسے گلے لگایا تھا تو وہ کتنی ہی دیر اُن سے لپٹی رہی تھی۔ شاید اسے ادراک ہو گیا تھا کہ اُن کے درمیان پھر جدائی آنے والی ہے۔

''میں ایرک سے کہوں گا کہ اگر ممکن ہو تو وہ ہماری مدد کرے تاکہ ہم اسے یہاں لا سکیں۔''

''نہیں۔'' عطیہ نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔ ''ہم اسے یہاں نہیں لے کر آئیں گے۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئے۔ ''شاید تم اس بات پر ناراض ہو مجھ سے کہ میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکا لیکن تم جانتی ہو ہم نے کتنی کوشش کی تھی پہلے کہ کسی طرح اسے یہاں لا سکیں پھر حالات نے یوں جکڑا کہ کوششیں ترک کر دیں لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا...... یا پھر تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔'' انہوں نے تڑپ کر اُن کی طرف دیکھا۔ ''آپ جانتے ہیں آپ سے بڑھ کر بھلا کون میرے لیے قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ بس مجھے ڈر لگتا ہے، وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ ڈاکٹر ماریا نے کیا کہا تھا یاد ہے ناں؟ وہ ہماری کمپنی پسند نہیں کرتا، اسے خوب صورتی سے نفرت ہے۔ وہ اس ایک سال میں کتنا بدل گیا ہے، پہلے جیسا نہیں رہا۔ ایک وقت تھا جب مجھے لگنے لگا تھا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے لیکن اب وہ میرے پاس بیٹھتا ہے، مجھ سے باتیں کرتا ہے، میری باتیں سنتا ہے تو اس کی آنکھوں میں ایسا کوئی تاثر نہیں ہوتا۔ اس کے آنے کے بعد وہ پھر پہلے جیسا ہو گیا تو...... میں جانتی ہوں اسے اس کا آنا اچھا نہیں لگے گا۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو چمکے۔

’’وہ وہاں خوش ہے...... وہاں سب اس سے بہت پیار کرتے ہیں، چند سالوں بعد اس کی شادی ہو جائے گی۔ اسے وہاں ہی رہنا ہے، اسی گھر میں۔ بس ان کا پتا چل جائے تو ہم پہلے کی طرح ہر سال وہاں جائیں گے، میں اس سے ہر روز فون پر بات کروں گی۔‘‘

’’promis (وعدہ) ہم ہر سال نہیں ہر چھ ماہ بعد جائیں گے۔ جب، جب سلمان کی چھٹیاں ہوں گی تب، تب...... اور تم جب تک رہنا چاہو اس کے پاس رہنا، میں اور سلمان آ جائیں گے واپس۔‘‘ انہوں نے ان کا ہاتھ دبایا جو ابھی تک ان کے ہاتھوں میں تھا۔

وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرائیں تو آنکھوں میں جیسے جگنو سے چمکے تو وہ مبہوت سے ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔

’’تم آج بھی روزِ اول کی طرح حواس چھین لیتی ہو۔‘‘

’’یہاں میری بات نہیں ہو رہی، ہم سلمان اور اس کی بات کر رہے ہیں۔‘‘ ان کی پلکیں جھک گئیں اور رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

’’ہاں تو تم سب ہی میری زندگی کا حصہ ہو اور جب سلمان کی اور اس کی بات ہو گی تو تمہاری بات بھی ہو گی۔‘‘ وہ اسی وارفتگی سے انہیں دیکھ رہے تھے اور لبوں پر شریری مسکراہٹ تھی۔

’’کبھی، کبھی سوچتا ہوں تم میری زندگی میں نہ آتیں عطی تو میری زندگی کتنی بے رنگ اور پھیکی ہوتی، ادھوری...... نامکمل سی۔ میں اکلوتا تھا عطی تو سوچتا تھا کہ کم از کم میرے چار بچے تو ہوں تاکہ گھر میں رونق رہے۔ اللہ نے دیے اور لے لیے، اس کی مرضی۔ سلمان بھی تو اکلوتا ہے، وہ بھی میری طرح سوچتا ہو گا۔ بچپن میں رات کو جب بستر پر لیٹتا تھا تو اللہ سے دعا مانگتا تھا کہ جب صبح اٹھوں تو میرے دو تین بہن بھائی مجھے مل جائیں اور مجھے اپنی دعا کی قبولیت کا اتنا یقین ہوتا تھا کہ جب صبح اٹھتا تو سارے کمروں میں ان نامعلوم بہن بھائیوں کو ڈھونڈتا پھرتا تھا جو اللہ نے میرے لیے بھیجے ہوں گے۔‘‘ وہ ہولے سے ہنسے۔

’’وہ آ جاتی تو سلمان کو بھی دوسراہٹ مل جاتی۔ شاید اس کی دوستی ہو جاتی اس سے لیکن شاید تم بھی ٹھیک ہی کہتی ہو کہ ہو سکتا ہے وہ اسے قبول نہ کرے، اسے دیکھ کر اگر یسو ہو جائے۔ کاش ہم اسے بہت چھوٹی عمر میں لے آتے اپنے ساتھ...یہ پچھتاوا عمر کی آخری سانس تک رہے گا۔ عطی، مجھے معاف کر دینا۔‘‘

’’کتنی بار معافی مانگیں گے آپ اس بات کے لیے جس میں آپ کا کوئی قصور ہی نہیں۔‘‘

’’لیکن میں سمجھتا ہوں عطی کہ میری کوتاہی ہے کچھ نہ کچھ لیکن یقین کرو تمہارے وجود سے جڑی ہر چیز، ہر رشتہ میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ وہ یہاں آ جاتی تو میں اس سے بھی اتنی ہی محبت کرتا جتنی نازنین سے کرتا تھا۔‘‘

تب ہی سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی تو عطیہ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ کی گرفت سے نکالا اور سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگی۔ سلمان فٹ بال ہاتھ میں لیے سیڑھیوں سے اتر رہا تھا، سلکی بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے جنہیں ایک ہاتھ سے پیچھے کرتا ہوا اور ایک ہاتھ میں فٹ بال سنبھالے وہ ہولے، ہولے سیڑھیوں سے اتر کر لاؤنج میں آیا۔ خورشید حیدر نے سامنے کلاک کی طرف دیکھا۔

’’آج کچھ جلدی نہیں جا رہے ہو؟‘‘

’’نہیں، میں کچھ دیر تک جاؤں گا۔ کیا میں کچھ دیر یہاں بیٹھ کر ٹی وی دیکھ سکتا ہوں؟‘‘

’’کیوں نہیں۔‘‘ عطیہ حیدر خوش ہوئیں۔

وہ ریموٹ اٹھا کر پروگرام سرچ کرنے لگا پھر وہ اپنا پسندیدہ پروگرام courage the cowardly dog دیکھنے لگا۔

عطیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے چوما اور مسکرائیں۔

''ماشاء اللہ بہت پیارے لگ رہے ہو، اللہ میرے شہزادے کو نظر بد سے بچائے۔''

وہ ریڈ ہاف بازو والی شرٹ اور بلیک پینٹ میں انہیں ہر روز سے زیادہ پیارا لگ رہا تھا۔ مانوش نے ایک بار نہ جانے اس کی کس بات پر کہا تھا...... ''ہر ماں کے لیے اس کا بچہ دنیا کے سارے بچوں سے زیادہ خوب صورت ہوتا ہے بھلے وہ کتنا ہی بدصورت کیوں نہ ہو۔ میری ماں بھی مجھے اپنی شہزادی کہتی تھی لیکن میرے شوہر کا خیال تھا کہ میں ایک ugly (بھدی)، بدصورت عورت ہوں بلکہ ایک چڑیل۔''

وہ مانوش کی کوئی بات کبھی نہیں بھولتا تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے اور اس نے نظریں ٹی وی پر مرکوز کر دیں۔

''ہم آج لانگ ڈرائیو پر جائیں گے، اگر تم ہمارے جانے سے پہلے آ گئے تو ہمارے ساتھ چلنا۔'' خورشید حیدر اپنے کمرے کی طرف جاتے، جاتے اس کے پاس رکے تھے۔ اس نے سر ہلایا لیکن اس کا ارادہ ان کے ساتھ جانے کا ہرگز نہیں تھا۔

''ڈنر کا پروگرام کل پر ہی رکھیں گے۔'' انہوں نے اپنی طرف دیکھتی عطیہ کو مسکرا کر دیکھا۔

''تم ذرا جوزف کو کہہ دو دوسری گاڑی دیکھ لے، پٹرول وغیرہ ہے یا نہیں۔ میں ذرا ضروری فون کر لوں۔''

عطیہ اٹھیں تو سلمان نے یوں اطمینان بھری سانس لی جیسے اسے ان کے اپنے قریب بیٹھنے سے کوفت اور الجھن ہو رہی ہو۔

جوزف پورچ میں کرسی پر بیٹھا خان سے باتیں کر رہا تھا، انہیں دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا۔

''یس میم؟'' انہوں نے خورشید حیدر کا پیغام دیا تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''تمہیں سلمان کے ساتھ پارک جانا ہے جبکہ مجھے اور صاحب کو کہیں اور جانا ہے۔'' وہ اس کی نظروں کا سوال سمجھ گئی تھیں۔ انہوں نے گاڑی کی چابی اسے دی۔ ''اور ہاں...... سلمان کا خیال رکھنا۔ ایک دو بار پارک کے اندر جا کر دیکھا کرو کہ بچے کیا کر رہے ہیں، کہیں سلمان کسی سے جھگڑا تو نہیں کر رہا۔ تمہیں پتا ہے ناں سلمان کو بعض اوقات چھوٹی، چھوٹی باتوں پر غصہ آ جاتا ہے۔'' وہ اس سے ملتی جلتی ہدایات اکثر ہی اسے دیتی تھیں لیکن مختصراً، آج بات کچھ طویل ہو رہی تھی۔

''ویسے یہ مکی کیسا لڑکا ہے، تم نے دیکھا ہے اسے؟ اور مکی کے دوست وغیرہ جو کبھی کبھار اس کے ساتھ پارک آتے ہیں وہ بھی۔ وہاں پارک میں اتنی دیر وہ کیا صرف کھیلتے رہتے ہیں یا پھر باتیں کرتے ہیں۔ کیا وہ ہمارے سلمان کے ہم عمر ہیں؟'' آج پہلی بار انہیں خیال آیا تھا کہ نہ جانے وہ بچے کیسے ہوں، کہیں سلمان کسی بری عادت میں نہ پڑ جائے۔ ایک روز انہوں نے ایک دس، گیارہ سال کے بچے کو سگریٹ پیتے دیکھا تھا۔

جوزف کی آنکھوں میں حیرت تھی، وہ انہیں یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ ان کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو...... پھر اس نے نفی میں اِدھر اُدھر سر ہلایا۔

''پہلی بار کے علاوہ سلمان کو میں نے کسی بچے سے کبھی کھیلتے نہیں دیکھا۔ وہ تو بس بینچ پر بیٹھا پارک میں موجود بچوں اور دوسرے لوگوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق میں ایک دو چکر ضرور پارک کے لگاتا ہوں اور دور سے ہی دیکھ کر آ جاتا ہوں کہ سلمان یہ نہ سمجھے کہ میں اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔ اس عمر میں بچے روک ٹوک بعض اوقات پسند نہیں کرتے۔ اس بینچ پر اکثر ایک لیڈی بھی بیٹھی ہوتی ہے لیکن وہاں میں نے کسی اس کے ہم عمر لڑکے کو آس پاس نہیں دیکھا۔''

''سلمان نے تو کبھی جھوٹ نہیں بولا... تو کیا وہ جھوٹ بول رہا ہے یا پھر اس نے اپنی کوئی تخیلاتی دنیا بنالی ہے جس میں مکی نام کا کوئی لڑکا اس کا دوست ہے۔'' انہوں نے ایک بار ایسے بچوں کے متعلق کسی میگزین میں پڑھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں اب جوزف کی آنکھوں سے زیادہ حیرت تھی۔ جوزف دوسری گاڑی کی طرف چلا گیا تھا لیکن وہ وہاں ہی کھڑی تھیں۔ ''کیا سلمان ٹھیک نہیں ہوا، کیا وہ اب بھی کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہے؟'' حیران آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے تھے اور دل میں درد سا اٹھا تھا تب ہی خورشید حیدر باہر آئے اور ان کے قریب چند لمحوں کے لیے رکے۔

''ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے، میں ذرا آفس جا رہا ہوں، زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں آ رہا ہوں، تم تیار رہنا، ہم ذرا لانگ ڈرائیو پر جائیں گے۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے ہم کھل کر خوش نہیں ہو سکے۔ آج ہم ایک دوسرے کے ساتھ انجوائے کریں گے، اپنی شادی کے ابتدائی دنوں کی طرح۔ ریٹا کو میں نے کہہ دیا ہے وہ ہمارے واپس آنے تک رکے گی۔ ہو سکتا ہے سلمان ہم سے پہلے واپس آ جائے۔'' مسکرا کر سرسری انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ یہ گاڑی انہوں نے نازنین کی پیدائش پر عطیہ کو گفٹ دی تھی۔ اگر وہ جلدی میں نہ ہوتے اور دھیان سے انہیں دیکھ لیتے تو ان کی آنکھوں کا خوف اور چہرے پر بکھری اذیت جان جاتے لیکن وہ آگے بڑھ گئے تھے اور وہ یوں ساکت کھڑی تھیں جیسے کوئی مجسمہ ہوں۔

☆☆☆

احمد شاہ اِدھر اُدھر کھوجتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم سا تھا۔ ان کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی، وہ تیزی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔ بوکھلاہٹ میں ایک خاتون سے ٹکرا کر گرتے، گرتے بچی۔ ان سے معذرت کرتے ہوئے اس نے قدرے بلند آواز میں بلایا۔

''بابا!''

احمد شاہ نے بھی اسے دیکھ لیا۔

''آپ یہاں؟''

''میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا، تمہارے ہاسٹل گیا تھا ملنے تو پری نے بتایا تھا تم یہاں آئی ہوئی ہو سینہ کے ساتھ، اسے کچھ شاپنگ کرنی تھی۔''

''جی بابا، اسے اپنی ماما اور بھائیوں کے لیے کچھ سامان بھجوانا تھا۔ ان کے کوئی جاننے والے آئے ہوئے تھے امریکا سے ان کے ہاتھ۔ پری کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں اس کے ساتھ آگئی۔'' اس نے اطمینان بھری سانس لی کہ بابا نے ریان کو ان کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

''تو ہوگئی شاپنگ...... سینہ کہاں ہے؟'' احمد شاہ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''وہ اُدھر ا...سے بھوک لگ رہی تھی تو ہم کچھ کھانے کے لیے اوپر آئے تھے، شاپنگ تو ہوگئی تھی۔'' اس نے ڈرتے، ڈرتے مڑ کر دیکھا۔ سینہ اکیلی بیٹھی تھی، ریان وہاں نہیں تھا۔ ایک اور اطمینان بھری سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی اور اسے خیال آیا کہ ''احمد شاہ آخر اچانک اس سے ملنے کیوں آئے؟ یا اللہ سب خیر ہو۔'' دل ہی دل میں دعا مانگتے ہوئے اس نے جو بات پہلے پوچھنی چاہیے تھی اب پوچھی۔

''سب خیر ہے ناں بابا...... اماں، پھپھو، دادو سب ٹھیک ہیں ناں؟''

''ہاں کوئی ایسی زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں ہے، بس میں تمہاری اماں کو لے کر آیا تھا تو سوچا تم سے بھی ملتا چلوں۔'' وہ اس کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اس ٹیبل کے پاس آئے جہاں سینہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر دو، تین شاپنگ بیگز پڑے ہوئے تھے۔

''السلام علیکم۔'' سینہ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

''وعلیکم السلام بیٹا۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

وہ پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی پھر اس کی نظر ریان پر پڑ گئی جو بائیں طرف دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا چپس کا پیکٹ کھول رہا تھا۔ لڑکوں کو بھلا کہاں ان نزاکتوں کا خیال ہوتا ہے، یقیناً سینہ نے ہی اسے وہاں سے جانے کا کہا ہوگا۔ اس نے ممنونیت سے اس کی طرف دیکھا جو احمد شاہ سے پوچھ رہی تھی کہ وہ ان کے لیے چائے منگوائے؟

''نہیں بیٹا، چائے وغیرہ نہیں پیوں گا، انشال کو ہاسٹل لینے گیا تھا تو پتا چلا کہ وہ تمہارے ساتھ ادھر آئی ہوئی ہے۔ پری نے تین، چار بار فون کیا تھا تم دونوں کو لیکن تم دونوں نے ہی اٹینڈ نہیں کیا تو میں نے کہا میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔''

''اوہ سوری انکل، میرا فون تو ہاسٹل میں ہی رہ گیا تھا، چارجنگ پر لگایا تھا اور انشی تمہارا فون......؟'' اس نے انشال کی طرف دیکھا۔

''وہ بیگ میں ہی ہے شاید، شور میں بیل کی آواز نہیں آئی۔'' وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی اور اس گھبراہٹ میں اسے خیال تک نہیں آیا کہ وہ بابا سے پوچھے کہ بڑی پریشانی نہیں تو کیا کوئی پریشانی ہے، وہ اسے کیوں لینے آئے ہیں اور یہ بات سینہ نے پوچھ لی تھی۔

''گھر میں تو سب ٹھیک ہیں ناں انکل، آپ انشی کو لینے کیوں آئے ہیں؟''

''وہ اس کی اماں کے سر میں اکثر درد رہتا ہے تو اسے لے کر آیا ہوں چیک اپ کے لیے۔ میرو نے ڈاکٹر شفقت سے ٹائم لیا ہوا تھا، ویسے تو دس دن بعد کا ٹائم ملا تھا لیکن کل رات بہت شدید درد تھا، اتنا کہ درد کی شدت سے

بے ہوش ہوگئی تھی تو بس پھر میں اسے لے آیا۔''

''اب...... اب اماں کہاں ہیں؟'' وہ بے چین ہوگئی۔

''طیبہ کے پاس راولپنڈی میں ہے۔ ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ بتائے ہیں تو رک گئے ہیں۔ ٹیسٹ کروا کے ہی جائیں گے اب، شاید ایک دو دن لگ جائیں۔ تو میں تمہیں لینے آیا تھا کہ مل لو، امینہ کا بھی دل چاہ رہا تھا ملنے کو تو......''

''سچ، سچ بتائیں بابا، اماں ٹھیک تو ہیں ناں...... زیادہ پریشانی والی بات تو نہیں ہے ناں؟'' اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

''ابھی تو ٹھیک ہے، مجھے منع کر رہی تھی کہ نہ جاؤں تمہیں لینے۔ رات فون پر تم سے بات ہوگی تو تمہیں بتا دے گی اور کل میرویوتی سے واپسی پر تمہیں لیتا آئے گا لیکن مجھے اسلام آباد ایک صاحب سے ملنا تھا، ہمایوں خان کے جاننے والے ہیں، ان سے کہوں گا کہ اگر ڈاکٹر شفقت سے بات کر کے کل پرسوں کا ٹائم لے دیں تو...... انہوں نے کہا تھا وہ انہیں فون کر دیں گے لیکن ان کے گھر گیا تو پتا چلا وہ کراچی گئے ہوئے ہیں، اِدھر آیا ہوا تھا تو سوچا تمہیں بھی لیتا جاؤں۔''

''ڈاکٹر شفقت چیمہ وہ جو نیورو سرجن ہیں، آپ ان کی بات کر رہے ہیں؟'' سبینہ نے پوچھا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''ان کے بیٹے میرے کزن کے ساتھ میڈیکل کالج میں پڑھتے ہیں، دوست ہیں اس کے۔ میں اس سے بات کروں گی کہ ان سے پہلے ٹائم لے دے۔''

''اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ابھی تو بس ایمرجنسی میں جو ڈاکٹر تھے انہوں نے ہی یہ ٹیسٹ لکھ کر دیے ہیں۔ خیر جو اللہ کو منظور ہو...... آپ کو ہاسٹل چھوڑ کر......''

''نہیں انکل، آپ انشی کو لے کر چلے جائیں، میں چلی جاؤں گی۔'' سبینہ نے ان کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

''نہیں بیٹا، پہلے ہم ہاسٹل چلتے ہیں، اکیلے جانا مناسب نہیں ہے۔''

اس کا دل چاہا وہ ان سے کہے کہ آج کل تو اکیلے لڑکیاں ہر جگہ چلی جاتی ہیں اور مجھے تو یہاں ہاسٹل تک جانا ہے لیکن وہ مسکرائی۔

''آپ پریشان نہ ہوں انکل، یہاں اسی مال میں میرے ایک انکل کی شاپ ہے، ان سے کہوں گی وہ مجھے اپنی گاڑی میں بھجوا دیں گے۔''

انشال نے بے اختیار بائیں طرف دیکھا جہاں ریان ابھی تک کھڑا تھا اور بڑے بے پروا سے انداز میں پیکٹ سے ایک، ایک چپس نکال کر کھا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر ہم چلتے ہیں لیکن بیٹا ہاسٹل پہنچ کر فون کر دینا تسلی ہو جائے گی۔'' انہوں نے جاتے، جاتے تاکید کی۔

''جی انکل، میں کر دوں گی...... اور انشی تم آنٹی کو میری طرف سے سلام دینا، کل سنڈے ہے ناں تو شاید میں اور پری، آنٹی سے ملنے آئیں۔'' وہ کھڑی ہوگئی تھی اور اب انشال کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس نے سر ہلا دیا اور احمد شاہ کے ساتھ ایسکلیٹر (برقی سیڑھیاں) کی طرف جاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''بابا، آپ مجھ سے سچ کہہ رہے ہیں ناں کہ اماں ٹھیک ہیں...... کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے...... ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟''

''بتایا تو ہے کہ ٹیسٹ ہوں گے تو پھر ہی کچھ پتا چلے گا۔ تمہیں پتا تو ہے اکثر سر میں درد رہتا تھا اسے، کئی بار کہا بھی میں نے کہ ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں تو اس کا یہ کہنا تھا کہ سر درد کے لیے بھلا کون ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے؟ گولیاں کھا، کھا کے اپنا معدہ خراب کر لیا۔ پچھلے دو، تین ماہ سے درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ نیم بے ہوش ہو جاتی تھی، اب بھی میرو سے بات کر کے زبردستی لے کر آیا ہوں۔'' ان کے لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

''تمہیں طیبہ اور تمہاری اماں کے پاس چھوڑ کر میں ازمیر کے پاس آ جاؤں گا۔ صبح پھر ہم دونوں آ جائیں گے اور جو ٹیسٹ وغیرہ کروانے ہیں کروا لیں گے۔''

''تین ماہ سے انہیں زیادہ تکلیف ہو رہی تھی تو نہ آپ نے بتایا نہ اماں نے۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کیا بتاتا میں، تمہاری اماں یہی کہتی تھی بچوں کو پریشان نہیں کرنا کچھ بھی بتا کر اور پھر سر درد ہی تو ہے ناں۔ اس بار تو اس درد نے اس کے ہوش و حواس ہی ختم کر دیے۔ پھر میں نے اس کی ایک نہیں سنی اور لے آیا۔ ہفتہ بھر پہلے ازمیر سے ذکر کیا تھا تو اس نے ٹائم لے لیا تھا لیکن پھر پہلے ہی آنا پڑ گیا۔ تم بس دعا کرو کہ کوئی خطرناک مرض نہ ہو۔''

احمد شاہ بہت کم گو تھے لیکن آج شاید پریشانی میں مسلسل بول رہے تھے اور وہ اس وقت سب کچھ بھولے اماں کے لیے دعا کر رہی تھی۔ دل تھا کہ اماں کی بیماری کا سوچ کر بلک رہا تھا۔ پھر طیبہ پھپو کے ہاسٹل تک خاموشی رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسلام آباد سے راولپنڈی پھپو کے ہاسٹل تک کا راستہ بہت طویل ہو گیا ہو۔ اس کے لب مسلسل ہل رہے تھے اور حلق جیسے خشک ہو گیا تھا۔ امینہ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں برس پڑیں۔ ان سے لپٹی وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''بس کرو انشی، کیوں اپنی اماں کو پریشان کر رہی ہو۔'' طیبہ نے اسے امینہ سے الگ کیا تو ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے ان کی طرف دیکھا۔ آنکھیں اور چہرہ سوجا ہوا تھا اور آنکھوں کے نیچے نیل پڑے تھے۔

''اماں، یہ نیل......؟'' اس نے آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔

''جب شدید درد ہوتا ہے تو یوں ہی نیل پڑ جاتے ہیں اور کچھ دنوں تک خود ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ تم پریشان مت ہو، ڈاکٹر نے دوا دی ہے ناں۔'' امینہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ ''تمہارے بابا یوں ہی گھبرا کر مجھے یہاں لے آئے، ہمیشہ ہی تو دو، تین دن بعد ٹھیک ہو جاتی ہوں۔''

''بالکل ٹھیک کیا ہے بابا نے، مجھے تو کبھی کسی نے بتایا ہی نہیں کہ اتنا شدید درد ہوتا ہے آپ کو۔'' یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس کی موجودگی میں اتنا شدید درد کبھی نہیں ہوا تھا۔

''اگر درد کے آغاز میں ہی کسی ڈاکٹر کو چیک کروا لیا ہوتا تو اب تک ٹھیک ہو چکی ہوتیں۔''

آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اس نے نم آنکھوں کے ساتھ احمد شاہ کی طرف دیکھا جو کمرے میں موجود اکلوتی کرسی پر خاموش بیٹھے تھے۔ اسے وہ بہت اداس اور پریشان لگے تھے۔ اسے لگا کہ اسے اماں، بابا کو تسلی دینی چاہیے نہ کہ خود رونا دھونا شروع کر دیا۔

''بابا، آپ پریشان نہ ہوں، ان شاء اللہ اماں کو ایسی کوئی خطرناک بیماری نہیں ہوگی اور وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ ابھی تو انہوں نے رومی اور پھر اس کے بچوں کی شادیاں بھی کرنی ہیں، اس کی دلہن تلاش کرنے کے لیے جوتیاں گھسانی ہیں اور خوب خاطریں کروانی ہیں۔''

''اور تمہیں تو جیسے میں نے ساری عمر بٹھائے رکھنا ہے یا ساتھ لے کر جانا ہے۔'' امینہ بڑبڑائی تھیں اور یہ بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ پاس بیٹھی انشال نے صاف سنی تھی اور ذرا سا رخ اُن کی طرف موڑا تھا۔

''ہاں تو ساتھ لے جائیں گی تو اچھا ہے ناں۔ وہاں جا کر میری فکر نہیں ہوگی، خواہ مخواہ وہاں بھی میری فکر میں گھلتی رہیں گی۔ آپ ہی تو کہتی ہیں کہ مائیں نہ رہیں تو بیٹیاں رُل جاتی ہیں۔''

''بس جو منہ میں آتا ہے سوچے سمجھے بغیر بک دیتی ہو۔'' امینہ نے اس کے بازو پر ہاتھ مارا تو اسے بھی احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط بول گئی ہے۔

''سوری اماں، اللہ آپ کو بہت لمبی زندگی دے گا اور آپ اپنے پوتے، پوتیوں کی ہی نہیں نواسے، نواسیوں کی شادیاں بھی اپنے ہاتھوں سے کریں گی۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی اور رخسار یک دم انار ہوئے تھے۔ امینہ نے بہت محبت سے اسے دیکھا۔ وہ بھی تو اپنی شادی کے نام پر یوں ہی بیر بہوٹی بن جاتی تھیں۔ تب ہی احمد شاہ کے فون کی بیل ہوئی تو انہوں نے جیب سے فون نکالا اور امینہ کی طرف دیکھا۔

''ازمیر کا ہے...... ہاں آ رہا ہوں ازمیر، تمہیں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' مختصر بات کر کے وہ کھڑے ہو گئے۔ ''میں اب چلتا ہوں، صبح جلدی آ جاؤں گا، کچھ منگوانا تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔'' جواب طیبہ نے دیا تھا۔ ''میرو کھانا اور دودھ وغیرہ لے کر دے گیا تھا۔ آپ کھانا کھا کر ہی چلے جاتے۔''

''نہیں۔ پھر بہت دیر ہو جائے گی۔'' اللہ حافظ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکلے تو طیبہ بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکلیں۔ یہ پرائیویٹ ہاسٹل ایک اڑھائی کنال کی ٹرپل اسٹوری کوٹھی میں بنایا گیا تھا۔ طیبہ جس کوارٹر میں رہ رہی تھیں یہ غالباً کوٹھی کا سرونٹ کوارٹر ہوگا جس میں ہاسٹل بنانے کے بعد ضروری تبدیلیاں کی گئی ہوں گی۔ انشال آج دوسری بار یہاں آئی تھی۔ چھوٹا سا صحن، دو کمرے، ایک باورچی خانہ، ایک واش روم، صحن میں سے ایک دروازہ ہاسٹل کے کچن میں کھلتا تھا اور دوسرا باہر روڈ کی طرف۔ ایک کمرا طیبہ کے پاس تھا اور دوسرا ان کی ہیلپر کے پاس جو ادھیڑ عمر کی ایک بیوہ عورت تھیں۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک سنگل بیڈ جس پر اس وقت وہ بیٹھی ہوئی تھی، ایک چارپائی، ایک چھوٹی میز اور ایک کرسی۔ دیوار کے ساتھ ایک میٹرس کھڑا تھا جو طیبہ پھپو ہاسٹل کے اسٹور سے لائی ہوں گی۔ کوئی مہمان آ جاتا تو وہ وارڈن سے پوچھ کر لے آتی تھیں۔ طیبہ واپس آئیں تو اسے یک دم خیال آیا۔

''پھپو، آپ کب واپس آئیں؟ میرو تو کہہ رہا تھا کہ اب آپ کو یہ جاب نہیں کرنے دے گا۔''

''تین، چار روز پہلے آئی تھی۔ وہ تو یہ ہی کہہ رہا تھا اور اماں بھی یہ ہی چاہتی تھیں کہ میں اب واپس نہ جاؤں لیکن اس طرح اچانک تو جاب نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ میں نے انچارج سے بات کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ وہ اخبار میں اشتہار دے دیتی ہیں جیسے ہی کوئی قابلِ اعتبار خاتون مل جاتی ہے وہ مجھے فارغ کر دیں گی۔''

''اللہ کرے جلدی کوئی خاتون انہیں مل جائے۔ اب آپ تھک جاتی ہوں گی، کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ ویسے پھپو، اگر وہ جاب آپ نہ چھوڑتیں ناں تو فائدے میں رہتیں۔ گورنمنٹ کا کالج تھا ناں، وارڈن کا رویّہ آپ کے ساتھ خراب تھا تو آپ کہیں الگ سے گھر لے کر رہ جاتیں۔ جی پی فنڈ، پنشن وغیرہ بھی ملتی ناں۔''

''عزتِ نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا انشی، انہیں تو جیسے مجھ سے نفرت تھی۔ پرنسپل سے جھوٹی شکایتیں لگانا، بات بات پر میری بے عزتی کرنا روز کا معمول تھا ان کا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے کردار کے متعلق کوئی جھوٹی بات پھیلاتیں میں نے بہتر سمجھا کہ جاب چھوڑ دوں۔''

''لیکن کیوں پھپو، وہ آپ سے کیوں نفرت کرتی تھیں؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''پتا نہیں، ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے جو بلاوجہ کی نفرتیں پال لیتے ہیں۔'' ان کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ

نمودار ہوئی تھی لیکن دل میں جیسے کسی نے سوئی سی چبھوئی تھی، کسی زخم سے خون بہا تھا۔ وہ ایک کم صورت عورت تھی اور بہت جلد انہیں سمجھ آ گیا تھا کہ اس نفرت کی وجہ ان کا حسن اور خوب صورتی ہے۔ کسی کو بتاتیں تو شاید کوئی یقین نہ کرتا لیکن انہیں تو یقین تھا، وہ تو جانتی تھیں ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے کچھ، کچھ ابنارمل سے۔

''خیر چھوڑو ان باتوں کو، میرے نصیب میں اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی رزق لکھا تھا اور وہ مجھے یہاں سے ہی ملنا تھا، اس پر میرا یقین پختہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے بہت اچھا وقت گزرا، میرے رب نے میرے لیے بہت آسانیاں پیدا کیں۔''

''پھپو، بابا، اماں یہ سب کیسے قناعت پسند، صابر اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے والے لوگ ہیں۔ ایک میں ہوں جس کے دل میں دس ہزار خواہشیں ہیں۔ یوں ہو جاتا تو کتنا اچھا ہوتا، اگر ایسا ہوتا تو کیا بات تھی۔'' دن میں دسیوں بار وہ سوچتی تھی، کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ جو ہوا ٹھیک تھا، میرے اللہ کو یہی منظور تھا۔ وہ ان جیسی نہیں تھی۔

''میں اب جا رہی ہوں، آٹھ بجے کھانا لگانا ہوتا ہے، نو بجے تک فارغ ہو کر آؤں گی۔ تم اور امینہ کھانا کھا لینا، کچن میں چھوٹا فریج ہے، میرو جو لایا تھا رکھ دیا تھا، گرم کر لینا، نان بھی لایا تھا۔''

وہ خود تو میس سے ہی کھا لیتی تھیں، کچن استعمال کرنے کی نوبت کم ہی آتی تھی۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ میس کا کھانا کھانے کو جی نہ چاہتا تو اپنے لیے کچھ ہلکا پھلکا بنا لیتی تھیں یا پھر کبھی کبھار چائے وہ الیکٹرک کیٹل میں ہی بنا لیتی تھیں۔

''کچن میں مائیکرو ویو اوون بھی ہے، سال بھر پہلے میرو لے کر دے گیا تھا۔ باؤل اور پلیٹیں اِدھر کمرے میں ہی الماری میں پڑے ہیں۔''

''لیکن ہم کھانا آپ کے ساتھ ہی کھائیں گے جب بھی آپ آئیں۔''

''اچھا تو پھر امینہ کو دودھ گرم کر کے دے دینا۔ دوا لینی ہوگی۔'' وہ جانے کے لیے مڑیں۔

''آج آپ کے میس میں کیا پک رہا ہے؟''

''آج ہفتہ ہے ناں تو رات میں آلو گوشت بنے گا، مطلب آلو چکن شوربے والا۔''

''آپ کو ابھی دودھ گرم کر کے لا دوں؟'' طیبہ کے جانے کے بعد اس نے پوچھا تو امینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ٹانگیں اوپر کر کے ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئی، آنکھیں پھر سے نم ہو گئیں۔

''بس اب رونا نہیں۔'' امینہ نے اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''اماں، آپ مجھے چھوڑ کر مت جایئے گا۔ میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔'' دل میں عجیب، عجیب سے وہم آ رہے تھے اور وہ بولتی چلی جا رہی تھی۔

''آپ نہیں ہوں گی تو کون مجھے غلط اور صحیح کا ادراک دے گا، کون مجھے بتائے گا کہ یہ اچھا ہے، یہ برا ہے؟ آپ کہتی ہیں ناں میں آپ کی باتوں پر دھیان نہیں دیتی، ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتی ہوں تو ایسا نہیں ہے۔ اماں، آپ کی ہر بات میرے دل و دماغ میں کندہ ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی میں کسی غلط راستے پر قدم رکھنے لگوں گی تو جس طرح ایک گھڑسوار گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے غلط راستے پر چلنے سے روکتا ہے آپ کی یہ نصیحتیں بھی ایسے ہی میری لگام کھینچ کر مجھے روک لیں گی۔ آپ مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا۔'' وہ زور سے ان سے لپٹ گئی اور آنکھیں برسنے لگیں۔

''جھلی نہ ہو تو، کوئی اپنی مرضی سے تھوڑا ہی جاتا ہے۔ جب سانسیں پوری ہو جاتی ہیں تو جانا ہی ہوتا ہے۔ وقت برابر ہو گیا تو نہ ایک لمحہ پہلے نہ ایک لمحہ بعد...... میں کب تمہیں اس ظالم دنیا میں اکیلا چھوڑ کر جانا چاہتی ہوں۔ جب، جب یہ ظالم درد ہوتا ہے تو ڈر جاتی ہوں کہ کہیں...... اسی لیے تو تمہاری شادی جلدی کرنا چاہتی

ہوں۔ تمہیں اپنے گھر میں رہتے بستے دیکھ لوں گی تو سکون سے مرسکوں گی۔''

''اب آپ نے فضول باتیں شروع کردیں۔'' اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر چہرہ ان کے سینے میں چھپالیا اور شدت سے لپٹ گئی۔

''میرے ماں، باپ نہیں تھے انشی تو میں نے ساری زندگی بہت ڈر، ڈر کر گزاری۔ میرے اندر بہت سے ڈر اور خوف چھپے ہوئے ہیں اسی لیے میں تمہاری شادی اپنی زندگی میں ہی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھ یتیم بے آسرا کو تمہارے بابا نے سہارا دیا، میرے ٹکڑے، ٹکڑے وجود کو جوڑا۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''انشی، مجھے کچھ ہوجائے تو اپنے بابا کا بہت خیال رکھنا۔ انہیں تم پر بہت اعتبار ہے، کبھی ان کا مان مت توڑنا۔'' اس کی گرفت ان پر ڈھیلی ہوئی۔

''اور میں کیا کر رہی تھی۔ آج اگر وہ دیکھ لیتے کہ میں ریان کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھی تھی، بے شک میں اکیلی نہیں تھی سینہ بھی ساتھ تھی، ان کا مان ٹوٹ جاتا تو...... وہ اعتبار جو انہیں مجھ پر تھا اسے کیسے ٹوٹتے ہوئے دیکھتی۔ یہ ہم لڑکیاں کتنی نادان ہوتی ہیں کہ جب محبت کی اسیر ہوتی ہیں تو ماں، باپ کی ساری نصیحتیں بھول جاتی ہیں۔ ان کی ساری محبتیں بھلا کر بس ایک شخص کی محبت یاد رکھتی ہیں۔ آج شام اگر میں اپنا اعتبار کھودیتی تو پھر کیسے جی پاتی......؟ دو آنسو رخساروں پر پھسل آئے۔ امینہ جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں انہوں نے اپنی انگلی کی پور سے اس کے آنسو پونچھے۔

''جب، جب میں نے آپ کا دل دکھایا اس کے لیے مجھے معاف کردیں پلیز اور پرامس آئندہ کبھی کوئی ایسی بات نہیں کروں گی کہ جو آپ کو ناراض کرے یا جس سے آپ کا دل دکھے۔''

''اچھا اب بس کر ڈراما کوئن اور سن، روحی کو فون نہ ٹھونک دینا، پریشان ہوجائے گا۔'' امینہ نے لہجے کو خوشگوار بنایا۔

''میں ڈراما نہیں کر رہی سچ کہہ رہی ہوں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوئی نہ ہی تمہاری کسی بات سے کبھی میرا دل دکھا۔ میں تو تمہیں اس لیے سمجھاتی رہتی ہوں کہ یہ دنیا بہت ظالم ہے، لڑکیوں کو بہت پھونک، پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔ ذرا سی لغزش انہیں پاتال میں گرادیتی ہے۔'' انہوں نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے کنپٹی کو دبایا۔

''درد ہو رہا ہے سر میں؟ لیٹ جائیں میں سر دباتی ہوں۔''

''ہاں، ہلکا سا ہے، تھوڑی دیر آنکھیں بند کرکے لیٹوں گی تو ٹھیک ہوجائے گا۔'' وہ لیٹ گئیں تو وہ ہولے، ہولے ان کا سر دبانے لگی۔

''آپ کے ماں، باپ نہیں تھے تو کیا کوئی اور عزیز رشتے دار بھی نہیں تھا، ماموں، خالہ، چچا، پھوپی؟''

''ماں، باپ مرجائیں تو سارے رشتے بھی ان کے ساتھ ہی مرجاتے ہیں۔ سوچ رہی ہوں تمہاری پھپو سے بات کروں ایک بار پھر ازمیر سے شادی کی بات کرے، اگر وہ جلدی شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو پھر کہیں کوئی اور اچھا رشتہ دیکھوں۔ میری ایک کولیگ ہیں مسز سلمیٰ، انہوں نے دو ہفتے پہلے ہی مجھ سے اپنے بھانجے کے متعلق بات کی تھی۔ اس کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں، واپس جا کر اس کے متعلق تفصیل پوچھتی ہوں...... لیکن پہلے طیبہ سے حتمی بات کرلوں...... میں اتنے سال ازمیر کا انتظار نہیں کرسکتی انشی......''

اس کے ہاتھ ان کی پیشانی پر ساکت ہوئے تھے، دل میں دھڑکنوں نے اودھم مچایا تھا۔

''تو پھر ریان...... ریان کیوں نہیں...... ہاں ریان۔''

(باقی آئندہ)

نئی سوچ

وردہ بخاری



میوزک تیز آواز میں چل رہا تھا۔ اسکرین پر دوشیزہ نیم عریاں کپڑے پہنے تھرک رہی تھی اور حماد موبائل پر کوئی میسج کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اس نے دو تین دفعہ اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر جواب ہوں، ہاں سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ کچھ مایوسی ہوئی وہ بچوں کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ بیڈ پر بچوں نے پھر سے کھلونے وغیرہ بکھیر دیے تھے۔ وہ بیڈ شیٹ اور بچوں کے کھلونے سنبھالنے لگی تھی کہ اچانک شیشے پر نگاہ پڑ گئی۔ اپنے بے رونق عکس کو دیکھتے وہ بے اختیار آئینے کے قریب آ گئی۔ کھلتے ہوئے رنگ کی لپ اسٹک لگاتے ہوئے کچھ افاقہ محسوس ہوا تھا۔ وہ کیا تھی اور کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ پے در پے بچوں کی پیدائش اور بڑھتی ہوئی ذمے داریوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے وہ خود کو یکسر فراموش کر بیٹھی تھی۔ کچھ بڑھتی عمر کا تقاضا بھی تھا کہ بال، جلد سب ہی بے رونق ہو چلے تھے۔

"ٹھیک ہی تو ہے...... حماد کیوں دیکھیں میری طرف......" وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔

"میں نے کیا یہ حال شوقیہ بنایا ہوا ہے؟ انہیں میری ذمے داریاں، میرے کام نظر نہیں آتے اور محبت کیا صرف جسمانی وجود کا نام ہے۔" اس کے اندر

کی عورت چلائی تھی۔'' یہی حماد تھے ناں جو ہر لمحے اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے کیا، کیا جتن کیا کرتے تھے۔ وہ بھی کیا دن تھے۔'' آپوں آپ لبوں پر مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

حماد کے مسلسل فون کرنے پر وہ کبھی گھڑی، دو گھڑی کے لیے فون اٹھالیا کرتی تھی اور اس پر بھی حماد اس کے شکر گزار رہا کرتے۔ وہ بھی کیا کرتی انجینئرنگ کی سخت پڑھائی اور اوپر سے حماد (منگیتر) کی فرمائش کہ روز بات کرو..... سو فون زیادہ تر ringing پر ہی رہتا۔ مگر حماد کتنا اچھا تھا اس کو کہ کبھی اس کی بے توجہی پر ناراض نہیں ہوا تھا۔ وہ جب اس کی طرف دیکھتی اسے اپنا منتظر پاتی۔ اور پھر پڑھائی مکمل ہونے کے بعد ان کی شادی ہوگئی۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ حماد اس سے اس قدر محبت کرتا ہے۔ وہ دن کو رات کہتی تو وہ بھی مان جاتا۔ رات کو اچانک آنکھ کھلتی تو حماد کو ٹکٹکی باندھے اپنی طرف دیکھتا پاتی۔

''کیا ہوا؟'' اس کے پوچھنے پر وہ محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتا۔

''بس تمہیں دیکھ رہا تھا۔ جاگنے پر صبح سے دیکھنے جو نہیں دیتی ہو۔'' اور وہ شرما جاتی۔

''کیا کرتے ہیں۔'' اور اس کے والہانہ پن کی تو کوئی انتہا ہی نہیں تھی۔ کومل گلابی، خوب صورت عریشہ میں حماد کی جان تھی۔

اور جب ان کا بیٹا عون پیدا ہوا تو ان کی خوشیاں دوبالا ہوئیں۔ خاندان بھر میں ان کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ انہیں آئیڈیل کپل کہا جاتا۔ مگر وہ جو کہتے ہیں ناں کہ ہر عروج کو زوال ہے تو یکے بعد دیگرے بچوں کے ہوتے ہی ان کا رشتہ بھی کسی بھی عام میاں، بیویوں جیسا ہونے لگا..... چار بچوں کے بعد ذمے داریوں کا بوجھ اٹھا کے وہ چڑچڑی ہو چلی تھی اور حماد خود کو پیسے کمانے کی مشین محسوس کرنے لگا تھا۔ مزید دھچکا روز، روز بڑھتی مہنگائی نے پہنچا دیا تھا۔ حماد روز آمدنی بڑھانے کے طریقے سوچا کرتا اور عریشہ گھر کے راشن میں کٹوتی کرتی، خرچے بچاتی جھنجلا جاتی کہ اسے بچوں کے کھانے میں کسی قسم کی کمی گوارا نہیں تھی۔ اس کا دل کرتا بچوں کی ہر فرمائش پوری کرے۔ مگر پھر دل مسوس کے رہ جاتی کہ باقی تعلیمی اخراجات اور روزمرہ کے خرچے بھی تو ضروری تھے۔ حماد سے کچھ کہتی تو اس کا موڈ بگڑ جاتا کہ ہزار نعمتوں کے باوجود اس کے شکوے ہی ختم نہیں ہوتے اور یوں وہ خاموش ہوتی اس سے دور ہوتی چلی گئی۔

حماد کی محبت کیا کم ہوئی۔ اس نے خود کا خیال رکھنا ہی چھوڑ دیا۔ پورا دن گزر جاتا ڈھنگ سے منہ دھوئے اور کنگھی کیے..... میک اپ کو کب سے استعمال ہی نہیں کیا تھا۔ بچوں کی پرورش کے خیال سے جاب بھی نہیں کر سکتی تھی۔ زندگی کی پریشانیوں سے گھبرا کر اس نے زیادہ کھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ جب بھی اداس ہوتی یا پریشان ہوتی تو نادانستہ طور پر اچھا محسوس کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کھانے لگتی۔ اب کھانا وہ دن میں چار سے پانچ دفعہ کھانے لگی تھی اور پھر بچے بھی پلیٹوں میں چھوڑ دیتے تو ضائع ہونے کے ڈر سے وہ کھا لیتی سو کب اس کی خوراک ایک روٹی سے بڑھ کر کئی روٹیوں پر مشتمل ہوگئی اسے پتا بھی نہیں چلا۔ سو وزن بڑھنا بھی لازم تھا۔ پھر کچھ اس کا بچوں کے پیچھے بھاگنا کام آیا تھا اور کچھ خاندانی طور پر ان میں مٹاپا نہیں تھا سو صورت حال ابھی اتنی خراب نہیں ہوئی تھی۔ مگر بہرحال وہ پہلے سا فگر تو نہیں رہا تھا۔ دیکھنے میں وہ ایک فربہی مائل خاتون معلوم ہوتی۔

حماد ایک بینکر تھا۔ وہاں وہ روز ایک سے ایک ویل ڈریسڈ اور اسٹائلش ورکنگ لیڈیز کو دیکھتا اور غیر ارادی طور پر ان کا تقابل عریشہ سے کیا کرتا۔ یہ خواتین بھی لگ بھگ عریشہ کی ہم عمر تھیں ان کے بھی بچے تھے، ذمے داریاں تھیں بلکہ ان کی تو دوہری ذمے داریاں تھیں مگر وہ عریشہ کی طرح بے ڈول نہیں ہوئی تھیں اپنا خیال رکھتی تھیں۔

☆☆☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو حماد آفس جا چکا تھا۔

''اوہو.....'' حماد نے اسے رات کو بتایا تو تھا کہ

صبح اسے آفس جلدی جانا ہے۔ پتا نہیں اس کی آنکھ کیوں نہیں کھلی۔ ہڑبڑا کر وہ اٹھی۔ وہ بچوں کو اسکول کے لیے تیار کرنے کو جلدی سے کمرے سے نکلی کہ ان کے اسکول جانے کا وقت بھی نکلا جا رہا تھا۔ بچوں کو اسکول بھیج کر وہ اپنا ناشتا، گرما گرم چائے لیے ٹی وی دیکھنے آبیٹھی۔

پورے دن میں یہ وہ واحد وقت تھا جو اس کا اپنا تھا۔ وہ اطمینان سے ٹی وی دیکھتی اور ساتھ فون بھی چیک کرتی۔ ورنہ تو بچے اسے ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھنے دیتے اور حماد آجاتے تو وہ الگ اسے آواز پر آواز دینے لگتے۔

خیر ذہن سے سوچوں کو جھٹکتے وہ کل رات کے ٹاک شوز دیکھنے لگی جو repeat telecast میں آ رہے تھے۔ ایک پروگرام کا ٹاپک آج کی عورت تھا اور اس میں دنیا بھر سے مختلف کامیاب خواتین کی بائیوگرافی دکھائی جا رہی تھی۔ جنہوں نے اپنی راہ میں آئی مشکلات کو کتنی ہمت اور حوصلے سے پار کیا تھا۔ جو اپنی زندگی اپنے وجود کو خدا کی ایک عطا سمجھتی تھیں اور انہوں نے زندگی میں جو بھی اپنے ہدف بنائے تھے انہیں پورا ضرور کیا تھا...... ''عورت کو اپنا خیال رکھنے کے لیے مرد کی appreciation کی ضرورت نہیں۔'' یہ وہ خاتون کہہ رہی تھیں۔ وہ حیران ہو کر سننے لگی اور پھر بے ساختہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس کی زندگی تو ان سب کی زندگیوں سے بہت بہتر تھی۔ پھر وہ کیوں زندگی سے اتنی مایوس تھی۔ شوہر بے پروا سہی اس سے مخلص تو تھا اور دونوں نے عمر کا ایک حصہ بہت خوب صورت گزارہ تھا۔ یہ تو کچھ عرصے سے ان کا رشتہ جمود کا شکار ہو گیا تھا اور وہ اپنے آپ کو خود ہی بے وقعت سمجھنے لگی تھی۔

گھر کا کام نبٹاتے اسے محسوس ہوتا کہ وہ unpaid maid مگر یہ خواتین تو کسی اور ہی دیس کی تھیں جو گھر کے کام کاج کرتے، اپنی محرومیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی ہشاش بشاش تھیں۔ چہروں کی چمک اور لبوں کی مسکراہٹ قائم ودائم تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

''کیوں محتاج ہیں ہم عورتیں...... ہر بات میں مردوں کی تائید ضروری ہے۔ کیا ہمارا اپنا کوئی وجود نہیں...... اپنی ذات کو ہم آخر کب اہمیت دیں گی۔'' اس کے دل میں بے اختیار سوالات اٹھنے لگے۔ اس نے آخری دفعہ اپنی خواہش کے بارے میں کب سوچا تھا۔ اپنی پسند کے رنگ کے کپڑے پہن کر کب تیار ہوئی تھی۔ اپنی پسند کا ناشتا، اپنی کسی پرانی دوست سے کب ملی تھی۔ وہ کیوں اپنے شوہر کے بغیر کبھی خوش نہیں ہو پائی تھی۔

اگر اس کے شوہر کی ترجیحات بدل رہی تھیں تو وہ کیوں وہیں اسی جگہ کھڑی تھی۔ زندگی جمود کا نام نہیں...... یہ بدلتی ہے، ہر دم اور یہی زندگی کا حسن ہے۔ کل وہ صرف میاں، بیوی تھے آج ان کے بچے ان کے پیار کو وقت کو تقسیم کرنے آ گئے تھے۔ ایک دوسرے سے لگاؤ اپنی جگہ مگر خوشی کو کسی ایک انسان سے منسوب کر لینا کہاں کی عقلمندی ہے بلکہ یہ تو کسی انسان پر بار ڈال دینے کے مترادف ہے کہ وہ ہی آپ کو خوش رکھنے کے سارے اقدام کرے گا تو آپ خوش رہیں گے۔ ورنہ آپ کی زندگی میں کوئی خوشی نہیں، کوئی مقصد نہیں...... وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ طوبیٰ (اس کی پندرہ سالہ بڑی بیٹی) خوشی سے تمتماتا ہوا چہرہ لیے اندر داخل ہوئی۔ دروازہ میڈ نے کھول دیا تھا۔ ٹرافی ہاتھ میں پکڑے وہ آتے ہی اس سے لپٹ گئی تھی۔

''مما دیکھیں میں debate compition جیت گئی۔'' اور اسے اس لمحے خوشی محسوس ہوئی کہ speech تو اسی نے لکھ کر دی تھی۔

''مما، ٹیچر نے مجھ سے خاص طور پر پوچھا کہ آپ کو اسپیچ کس نے لکھ دی ہے تو میں آپ نے بتایا تو بہت appreciate کیا انہوں نے آپ کو......''
طوبیٰ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھولی تھی۔

''چلو پھر میری طرف سے پارٹی پکی......'' عریشہ نے اس کا ہاتھ چوما تھا۔

''آج کیسے مما...... آج پاپا کا آف تو نہیں...... نہ ویک اینڈ ہے۔'' وہ مایوس ہوئی تھی۔

''ارے میں ہوں ناں...... میں کرواؤں گی پارٹی آپ کو......'' عریشہ سے اس کی مایوسی دیکھی نہیں

گئی۔ ''چلو آج ہم Mall بھی جائیں گے اور آپ کی مرضی کا کھانا بھی کھائیں گے۔''

''مما سچ میں، میں غفران کو بتا کر آتی ہوں......''

اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں اور وہ بھائی کو بتانے دوڑ گئی تھی۔ آج اس نے حماد کو آفس فون کر کے جلدی آنے کا نہیں کہا تھا اور نہ ہی اس کے مصروفیت کا بتانے پر وہ بدمزہ ہوئی تھی۔ app پر گاڑی بک کروا کر وہ بچوں کو مال لے گئی۔ بچے من پسند کھانا کھا کر خوش تھے۔ واپس آتے، آتے حماد کے آنے کا وقت بھی ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم......!'' حماد نے گھر میں داخل ہوتے عریشہ کی تیاری کو قدرے حیرت سے دیکھا تھا۔

''کہیں گئی تھیں؟'' جواباً عریشہ نے طوبیٰ کی ٹرافی سے متعلق بتایا اور بچوں کے ساتھ جانے کا بھی۔

''اچھا کیا......'' حماد اطمینان سے بولا۔ ''میں تو اس ویک اینڈ پر فری نہیں تھا، تمہیں پتا ہے کلوزنگ ہے۔ اچھا ہوا تم لے گئیں۔'' اور عریشہ کچھ ریلیکس ہو گئی۔ ورنہ بچوں کو لے کر جانے کا فیصلہ تو کر لیا تھا مگر اندر کہیں کچھ گھبراہٹ بھی تھی کہ حماد برا نہ مان جائے۔ حماد باہر کا کھانا پسند نہیں کرتا تھا تو اس کے لیے وہ پہلے ہی کھانا بنا کر گئی تھی۔ اس نے حماد کے آتے ہی کھانا گرم کر کے لگا دیا تھا۔ اور اب وہ گرین ٹی بنا کر کمرے میں لے آئی تھی۔ ہلکے کاسنی رنگ کے کپڑوں میں بنی سنوری وہ روز سے کچھ مختلف لگ رہی تھی۔

''سنو......'' حماد بے اختیار اسے پکار بیٹھا۔ وہ جو الماری سے کچھ نکال رہی تھی۔ پلٹ کر اس کی طرف آئی۔

''یار ایسے ہی رہا کرو ناں......'' حماد نے کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس کا اشارہ اس کے حلیے کی طرف تھا۔

''کیسے بھی رہوں آپ نے کون سا میری طرف دیکھنا ہے۔'' اسی نے خفگی سے کہا۔

''ارے ہم تو دیکھتے ہی صرف آپ کو ہیں......'' حماد شوخ ہوا تھا۔

''حماد......آپ نے میرے اس طرح اکیلے باہر جانے کا برا تو نہیں منایا کہ میں بتا بھی نہیں پائی تھی۔'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''نہیں بالکل نہیں......'' حماد نے اس کی کمر کے گرد باز و حمائل کیا تھا۔

''مجھے تو بلکہ بہت اچھا لگا کہ تم نے خود سے ہمت کی اور بچوں کو باہر لے کر گئیں...... یار تمہیں پتا ہے میری جاب بہت ٹف ہے۔ اور میں چاہتے ہوئے بھی تمہیں اور بچوں کو ٹائم نہیں دے پاتا۔ میں تو ہمیشہ سے یہ چاہتا ہوں کہ تم خود واک پر جایا کرو، بچوں کو قریبی پارک لے جایا کرو...... اپنی فٹنس کا خیال رکھو......خوش رہا کرو، جہاں میں وقتی طور پر موجود نہ ہوں وہاں تم فیصلے لو یہی تو partnership ہے۔'' وہ محبت سے بول رہا تھا۔ اور عریشہ نے اطمینان سے حماد کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔ اس نے ایسے ہی اپنی طرف سے کیا کچھ سوچ کر اپنی زندگی مشکل کی ہوئی تھی۔ حماد کو وہ جانتی تھی۔ وہ شروع سے ہی conservative نہیں تھا۔ گھر میں بیٹھ، بیٹھ کر اور ہر کام کے لیے حماد کا انتظار کر کر کے اسے لگتا تھا کہ وہ زندگی میں کچھ کر ہی نہیں سکتی۔ اور پھر کتنے ہی کام رہ جاتے۔

اگلی صبح اس کے لیے ایک نئی صبح تھی۔ آج وہ خود کو ایک نئے زاویے سے دیکھ رہی تھی۔ بچوں کو اسکول بھیج کر اس نے اپنی پسند کا ناشتا بہت دل سے تیار کیا تھا اور بھرپور انجوائے بھی کیا تھا۔ پھر اپنا پسندیدہ سوٹ نکالا، یہ وہ سوٹ تھا جو اس نے بہت شوق سے سلوایا تھا مگر رنگ حماد کو ناپسند ہونے کی وجہ سے ایک دفعہ کے بعد پہن نہیں سکی تھی۔

چہرے پر ماسک لگانے کی وجہ سے جلد چمک اٹھی تھی۔ سوٹ کی فٹنگ بہت زبردست تھی۔ اسے بہت دنوں بعد اپنا آپ بہت اچھا لگا۔ چائے کا کپ ہاتھ میں لیے وہ ٹی وی دیکھتے خود کو بہت مطمئن محسوس کر رہی تھی۔ اسے اپنی زندگی کا کچھ حصہ خود بھی جینا تھا اپنی مرضی سے۔ وہ اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے ادا کرنے پر یقین رکھتی تھی۔ مگر کچھ ذمے داری اس کی طرف اپنی ذات کی بھی تھی۔ ''کیا سمجھے، کیا آپ اس فلسفے سے اتفاق کرتے ہیں؟''





اندھیری رات کے جگنو

ماریہ غزال

مناہل اور عشنہ لان میں بیٹھی کتابیں پھیلا کر پڑھنے کے بجائے باتیں کررہی تھیں۔ حیدر اپنے کمرے کی گیلری سے باہر کی نظارے بازی کررہا تھا کہ اس نے گلی میں کالی جیگوار کو داخل ہوتے دیکھا۔

''چنگیز خان کی فوج نے حملہ کردیا ہے۔'' حیدر کی آواز نے دونوں کو بوکھلا دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں میدان چھوڑ کر بھاگتیں جیگوار گیراج میں داخل ہوچکی تھی۔

"اوہ میرے خدا بجو کو اس قدر جلدی خبر مل گئی۔" مناہل کے منہ سے بے اختیار نکلا اسی لمحے عشنہ نے مناہل کی سمت دیکھا لحظہ قیامت قریب سے قریب تر تھا۔ تب ہی اس نے سنا۔

"آپی یہ آپ کی زندگی ہے، پلیز کسی سے ڈرے بغیر فیصلہ کیا ہے تو اب اپنی شکل کو بھی خوف سے پاک کریں۔" عشنہ نے اپنے دل کو مضبوط کرتے ہوئے مناہل کو تسلی دی اور ان الفاظ کا جادوئی اثر ہوا۔ لمحے میں چہرے پر در آنے والے زلزلے کے آثار زائل ہو گئے اور اس کی جگہ ارادوں کی پختگی اور فیصلے کی درستگی کے یقین نے لے لی۔

"تم کیا سمجھتی ہو، تم جو بھی چاہو گی فیصلہ کر لو گی اور میں چپ رہوں گی۔ مجھے معلوم نہیں ہوگا۔ شہر میں نہیں تھی ملک سے باہر تھی۔ دنیا سے تو نہیں چلی گئی تھی۔ مسئلہ کیا ہے تم کو چودھری شفقت سے۔"

"مسئلہ......؟ ارے مسائل پوچھیے، ایک ہوں تو بتائیں، یہاں تو لمبی لسٹ ہے مسائل کی۔ شفقت چھا کہیں کا......" عشنہ نے منہ بنایا۔

"اوہو تو بی مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا۔ آپ کو کس نے اجازت دی۔ ہمارے خاندانی مسائل میں بولنے کی۔" توپ کا رخ اب عشنہ کی سمت تھا۔

"بجو پلیز......آپ مجھ سے بات کریں۔"

"کیوں کروں تم سے بات...... پہلے اسے نہ منہ توڑ جواب دوں، یہ کون ہوتی ہے بولنے والی......" بجو نہایت طیش میں تھیں۔

"آپ کی بھابی......" برا ہوا عین وقت پر حیدر کی انٹری کا اس نے تو سارا معاملہ ہی الٹ دیا۔ مناہل کو لگا کہ ہائیڈروجن بم پھٹ گیا ہو۔

"اُف میرے خدا، یہ دونوں بھی ناں میں چار دن شہر سے باہر کیا گئی کہ گھر کے تمام فیصلے تم لوگ کر کے بیٹھ گئے۔" اب گولہ باری کا رخ نئے چھیڑے گئے قصے کی سمت تھا اور وہ چلتا پھرتا اسلحہ ڈپو اب گھر کے اندر کی سمت رواں دواں تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ فرنچ ونڈو ہے۔ گولا باری کے چکر میں ڈائرکٹ انٹری دی فرنچ ونڈو سے۔

"حیدر تمہیں کیا ضرورت تھی اس سب بکواس کی۔ جب بولو گے بے محل ہی بولو گے۔" مناہل نے ڈپٹا۔

"انہوں نے تو آتے ہی شعلوں کو ہوا دے دی۔" عشنہ بھی چڑ کر بولی۔

"بھئی میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔" حیدر اور اس کی بے نیازی، وہ اپنا ہیلمٹ اور بیٹ اٹھاتا ہوا باہر کی سمت چل دیا جبکہ وہ دونوں پریشان سی اندر کی سمت بڑھیں۔ اندر پانی پت کا میدان جو سجا ہوا تھا۔

"میری شادی تو میرے بی اے پاس ہونے سے پہلے ہی کر دی اور یہ اب ڈاکٹری سے بھی آگے پڑھے گی۔" نوال گرجی۔

"اے بی بی، کس نے کہا تھا کہ بی اے میں چار سال لگاؤ دو سال میں بی اے کر کے دو میں ایم اے کر لیتیں۔" نانو نے دوبدو جواب دیا۔

"دیکھا...دیکھا میرے ساتھ تو ہمیشہ سے یہی ہوتا ہے ہر بات میں، میں غلط اور آپ سب اور آپ کی لاڈلی صحیح......آخر شفقت میں کیا کمی ہے۔"

"بھئی اس میں خوبی کیا ہے؟" نانو نے آگ کو ہوا دی حیدر کی نانو جو ٹھہریں۔

"دیکھو یہ رشتہ تمہارے ڈیڈی نے ریجیکٹ کیا ہے۔ ایک تو وہ دو بیاہا بلکہ سہ بیاہا، وہ ایم این اے کیا پرائم منسٹر ہی کیوں نہ ہو ہم اسے اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دیں گے۔ یہ ان کے الفاظ ہیں اور تم بتاؤ تمہیں اس لوز کیریکٹر میں کیا پسند آیا۔" ممی نے اس تمام عرصے میں پہلی دفعہ حصہ لیا منہ پر سے کاغذی سا ماسک اتار کر اب فائلر اٹھا کر اپنے ناخن کی سمت متوجہ ہو گئیں۔

"زبیر کی تو دو منگنیاں ٹوٹی تھیں پھر بھی آپ نے میری اس سے شادی کر دی۔" اب رخ ممی کی طرف تھا۔

"زبیر کا اسٹینڈرڈ، اس کی فیملی، اس کی ایجوکیشن شکل صورت، عمر سب کچھ تو ہم نے دیکھا۔ جان پہچان والے لوگ...... منگنی تھی، ٹوٹ گئیں کوئی شادی تھوڑی تھی۔"

''ہاں اور وہ جو بڑا سا راڈ ٹبر مجھے بری میں ملا اس کا کیا.....؟ شفقت اکیلا ہے آگا نہ پیچھا۔''

''ہمیں ایسا اکیلا چرسی موالی داماد نہیں چاہیے۔ اکیلا مارے تو کوئی بچانے والا بھی نہ ہو۔'' اُف نانو نے تو محاورہ ہی بدل ڈالا۔

''اور یہ حیدر اور عشنہ کی بات طے کردی۔ نیا گھڑاک کس نے طے کی؟ کب؟ میری غیر موجودگی میں۔''

''اے نوال تو آج پیدا ہوئی ہے۔'' نانو نے ناتا جوڑا۔

''بچپن کے قصے اب کیوں کھل رہے ہیں۔'' نوال نے جوابی حملہ کیا۔

''وہ قصے بند ہی کب ہوئے تھے۔'' نانو کا منہ در منہ جواب اور اس جنگ کا رخ بدلتے دیکھ کر پہلے ممی اور پھر مناہل دونوں ہی اپنے، اپنے کمروں کی سمت روانہ ہوگئیں۔

ممی کو ڈیڈی کے ساتھ رات کسی ڈنر پر جانا تھا اور مناہل کی نائٹ شفٹ تھی۔ سو وہ بھی تیار ہونے چلی گئی تھی۔ عشنہ کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھی۔ اور جب مناہل تیار ہو کر نیچے آئی تو بھی نانو اور بجو کی بحث جاری تھی مگر اس میں اب وہ گرمی نہیں تھی۔ بلکہ برسات والی نرمی در آئی تھی۔ نوال اپنے دکھڑے سنا رہی تھی۔ جس میں انہیں اپنا ٹرپ جلد ختم کر کے صرف سسر کی بیماری کی وجہ سے آنا پڑا تھا۔ دردِ دل کا بہانہ وغیرہ، وغیرہ جیسے دکھڑے۔ جب ہی مناہل لاؤنج میں داخل ہوئی اور اس کے کانوں میں دل کے درد کا بہانہ یا ڈراما رچانے جیسے الفاظ پڑے اور اس سے صبر نہ ہوا۔

''بجو کیا فضول بات ہے، آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ آپ کے سسر کو ڈاکٹر نے فوری بائی پاس کا مشورہ دیا ہے۔ وہ شدید قسم کے ہارٹ ٹربل کا شکار ہیں۔ کسی بھی وقت وہ شدید کارڈیک اٹیک کا شکار ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ صرف طوبیٰ کی شادی کے چکر میں اپنا مسئلہ ڈلے کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر صدیقی کو دکھانے آئے تھے۔ ڈاکٹر صدیقی نے ان کی شدید خراب ہارٹ کنڈیشن اور فیملی پرابلم کا بتایا۔ تم کو پتا ہے آپی تمہاری ان لوگوں سے بے پروائی یہ رنگ لا رہی ہے۔ انہیں لگتا ہے کہ اگر وہ نہ رہے تو کوئی طوبیٰ کو ڈھنگ سے رخصت بھی نہیں کرے گا۔''

''کیوں، زبیرا کیلے ہیں کیا؟ ساری ذمے داری ہماری ہے اور تم سے شکایت یا تم تک شکایت کا مطلب سمجھتی ہو۔ کتنا بدنام کیا ہوا ہے مجھے تمہاری ہوتی ناں ایسی جابر سسرال تو پتا چلتا۔''

''اوکے اگر ہوگی تب کی تب دیکھی جائے گی مگر پلیز یہ اپنا میلوڈراما لے کر اب اپنے گھر جاؤ، تین دفعہ مانی کی کال آچکی ہے۔'' مناہل نے بات سمیٹی نانو کو اپنے جانے سے مطلع کیا اور شال کاندھے پر ڈال کر باہر نکل گئی۔ مگر سامنے دیکھا تو اس کی گاڑی غائب تھی۔

''یہ گاڑی پھر حیدر لے گیا۔'' وہ جز بز ہوئی۔

''مناہل بی بی سلام۔'' حنیف چاچا نے سلام کیا۔

''سلام حنیف چاچا..... کیسے ہیں؟''

''شکر ہے سوہنے رب دا۔''

''آپ کو چائے ملی؟''

''جی بی بی شکریہ..... بابا نے پلادی۔''

''بابا میری گاڑی کہاں ہے۔'' وہ چوکیدار بابا سے مخاطب ہوئی۔

''وہ جی..... حیدر صاحب لے گئے ہیں۔''

''ہوں.....'' اس نے ہنکارا بھرا اور موبائل نکالا۔

''بی بی مسئلہ ہو تو میں چھوڑ آؤں آپ کو اسپتال۔''

''نہیں چاچا، میں حیدر سے پوچھتی ہوں ورنہ کیب کرلوں گی۔''

''ارے نہیں بی بی، آپ بیٹھیں۔ میں چھوڑ آتا ہوں دس منٹ کا تو رستہ ہے۔'' اور واقعی اس نے اصرار کر کے زبردستی اسے اسپتال جانے پر راضی کرلیا۔ مناہل اور حیدر، نوال سے یکسر مختلف تھے۔ وہ دونوں ہر فرد کو اشرف المخلوقات سمجھتے تھے اس میں نوکر، ماسی، امیر، فقیر کسی کی تفریق نہ تھی۔ نوال البتہ ایسا نہیں سوچتی تھی۔ اس میں خود غرضی کوٹ، کوٹ کر بھری تھی۔

اس نے آج تک اپنی زندگی کے ہر مسئلے کا ذمے دار گھر والوں کو ٹھہرایا تھا۔ بہترین شوہر، ایک نہایت شاندار لائف اسٹائل، شہر میں اپنا علیحدہ رہائشی محل..... اس سب کے باوجود اسے اپنے شہر سے باہر موجود سسرال سے ہر وقت اور ڈھیروں شکایات تھیں۔ جن کا رونا اور پرچار اس کی ہر بات کی ابتدا ہوتا۔ وہ ہی سسرال جہاں وہ بمشکل ڈیڑھ سال ہی رہی تھی اور آج تک اس واقعے کو لے کر بیٹھی تھی۔ ڈھیروں دفعہ بیرون ملک تفریح منانے جا چکی تھی مگر اس بات کی شکر گزاری کبھی اس کے لبوں پر نہیں آئی تھی۔ آج کل وہ مناہل کے پیچھے پڑی ہوئی تھی جو اپنا ایم بی بی ایس کمپلیٹ کر کے ہاؤس جاب کر رہی تھی۔

☆☆☆

شاید مناہل کو یہ واقعہ یاد بھی نہ رہتا اس کا طعنہ کہ ”تم کو ملے ایسی سسرال اور اپنی سسرال میں ایڈجسٹ ہونے کا چیلنج“ اگر نوال کے سسرالی اتوار والے دن اس کا رشتہ لے کر نہ آ جاتے۔

”لو بھلا..... نوال ان سے پریشان ہے تو ہم دوسری کو بھی ان ہی لوگوں کو دے دیں۔“ بانو کا اعتراض آیا۔

مگر اس رشتے پر نوال بھی بہت پرجوش دکھائی دی۔

”مجھے تو بجو کے رویے کی فکر ہوگئی ہے۔ کہیں انہوں نے آپ کی اور سب کی باتوں کو سیریس تو نہیں لے لیا۔“ عشنہ کو نوال کے صرف اس کردار پر نہیں پوری کی پوری نوال پر شک رہتا تھا۔ مگر مناہل نے ہر رشتے کی طرح اسے بھی ممی، ڈیڈی کی پسند سے مشروط کر دیا اور خود سکھ چین کی بانسری بجانے لگی۔ کیونکہ اسے امید تھی کہ ڈیڈی یہ رشتہ بھی نہیں قبول کریں گے۔ بجو کی شادی کے وقت ان کا دیور عزیر علی بخش ایک بے پروا، غیر ذمے دار اور قدرے وڈیرا شاہی مزاج کا تھا۔ وہ بڑے بھائی زبیر سے یکسر مختلف دکھتا تھا۔ آزاد فضاؤں کا پنچھی اور اب سے چار سال قبل وہ باہر تعلیم کی غرض سے گیا تھا اور وہیں مقیم تھا۔ آتا جاتا رہتا تھا مگر نوال کی سسرال سے اب اتنا آنا جانا بھی نہیں رہا تھا۔ پہلے تو دوستی تھی، دونوں گھرانوں میں مگر نوال کی شادی اور پھر جب وہ شہر سے گئی تب سے دونوں گھرانوں میں قدرے فاصلے پیدا ہو گئے۔ نوال نے تو زبیر کو اس کے گھر والوں سے بالکل کاٹ کر ہی رکھ دیا تھا۔ پہلے ہی سرسری ملاقاتیں اس سے بھی کم ہو کر عید پر ہونے لگی تھیں۔ اور اس اتوار کو جب مسز علی بخش نے فون کر کے ان سب کے گھر آنے کا کہا تو ممی نے فوراً کھانے پر مدعو کر لیا۔

”غالباً طوبیٰ کی شادی کا دعوت نامہ دینے آئیں گے۔“ ممی کا خیال تھا جبکہ بانو کا خیال تھا کہ ”دال میں کچھ کالا ہے۔“ جبکہ ڈیڈی کو ڈر تھا کہ ”وہ ضرور نوال کی کسی بات کا شکوہ کرنے آئیں گے۔ میں کہے دے رہا ہوں اگر انہوں نے نوال کی بابت کوئی بات کی یا میں نے ان کے منہ سے نوال کی شکایت سنی تو تم میں سے کوئی بھی اسے میرے غصے سے نہیں بچا سکے گا۔“ جیسے نوال تو ان کے غصے سے بہت ڈرتی تھی۔ ان کا ٹھنڈی شام سا غصہ بھلا نوال کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ اور عشنہ کا خیال تھا کہ ”اگر بڑے ابا نے کبھی سچی مچی کا غصہ کیا ہوتا، اپنی چہیتی بیٹی پر تو آج وہ اس قدر بد دماغ نہ ہوتیں۔“

بہرحال جتنے منہ اتنی باتیں۔ ابتدا میں تو ان کی آمد کا عقدہ کھلا ہی نہیں۔ چونکہ اتوار کا دن تھا اس لیے عشنہ اور مناہل نے مل کر کئی ڈشز بنا ڈالی تھیں۔ وہ لوگ جلدی آ گئے تھے سو چائے کا بھی انتظام کیا گیا، وہ چائے پر ان کے ساتھ ہی بیٹھی، ملاقات خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ (بجو ساتھ نہیں تھیں البتہ زبیر بھائی موجود تھے) طوبیٰ، عزیر، اقصیٰ آپی کے ساتھ مناہل عشنہ اور حیدر نے کافی وقت لان میں گزارہ۔ تھوڑی دیر بیڈ منٹن کھیلا گیا۔ عزیر اور طوبیٰ اور دوسری طرف مناہل اور حیدر ہو گئے تھوڑی دیر بعد اس نے عشنہ کو اپنی جگہ دی اور خود اقصیٰ آپی کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ کھانے سے قبل وہ اور عشنہ ٹیبل سیٹ کرنے کچن میں آ گئیں جبکہ ڈرائنگ روم میں باقی گھر والوں کے سامنے انہوں نے عزیر کا مناہل کے لیے رشتہ دے ڈالا۔

ٹیبل سیٹ ہونے پر جب وہ اطلاع دینے ڈرائنگ روم کی سمت آ رہی تھی تو ممی نے اسے کمرے میں جانے کا آرڈر جاری کیا۔ وہ حیران ہو گئی۔ اور ان لوگوں کے جانے کے بعد اس پر اس رشتے کا احوال کھلا، بہر حال اس نے عزیر کو ان پورے تین گھنٹوں میں ایک دفعہ بھی چھچھورپن سے اپنی سمت دیکھتے مسکراتے یا کوئی رسپانس کرتے نہیں دیکھا۔ اسے یہ بات پسند آئی وہ کوئی الہڑ نوعمر لڑکی نہیں تھی جو جھٹ شرما جاتی مگر وہ اپنے اندر ایک روایتی لڑکی تھی جو کہ یہ عہد کیے بیٹھی تھی کہ صرف ایک مرد اس کی زندگی میں آئے گا۔ اس کا لائف پارٹنر جو اس کے اور اس کے گھر والوں کی مرضی کا ہوگا اور جس سے وہ شادی کے بعد لو کر کے اپنی میرج کو لو میرج میں بدلے گی۔

''ارے مجھ سے تو کسی نے پوچھا ہی نہیں......''

اس نے عشنہ سے ذکر کیا۔

''میرے خیال میں یہ شادی نہیں ہو سکتی۔'' عشنہ نے پھلجڑی چھوڑ دی۔ اسے بھی یہی امید تھی کہ یقیناً یہ رشتہ بھی منظور نہیں ہونے والا لیکن سیاست دانوں کے ساتھ رہ، رہ کر بجو بھی بالکل سیاسی خاتون بن بیٹھی تھیں۔ نہ جانے کیسے انہوں نے نانو اور ڈیڈی کو اس رشتے پر راضی کر ہی لیا مگر ممی اپنی ضد پر قائم تھیں کہ ایک گھر میں دو بیٹیاں نہیں بیاہنی۔

☆☆☆

ان ہی افراتفری والے دنوں میں اس دن جب وہ اسپتال سے نکل رہی تھی تو زبیر بھائی اور مسٹر علی بخش اندر آ رہے تھے۔ سلام دعا کے بعد وہ باہر نکلنے لگی تو زبیر بھائی نے اسے ساتھ چلنے کی آفر کی۔

''مناہل چلو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ بابا کو صدیقی انکل کے روم تک چھوڑ آؤں دراصل آنٹی نے کہا تھا کہ تمہیں پک کر لوں ڈرائیور نہیں ہے اور تمہاری گاڑی غالباً حیدر لے گیا ہے۔'' زبیر نے کہا۔

''اچھا میں انتظار کر رہی ہوں......'' ممی کبھی کبھی ڈرائیور اور گاڑی کی غیر موجودگی کے سبب بجو سے گاڑی اور ڈرائیور کی مدد لے لیتی تھیں۔ حنیف چاچا اسے اور عشنہ کو پک اینڈ ڈراپ دے دیتے تھے مگر زبیر بھائی کے ساتھ پہلی دفعہ وہ جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں زبیر کے ساتھ وہ گاڑی کی طرف جا رہی تھی۔

''یہ حیدر وقت بے وقت گاڑی لے جاتا ہے۔ ڈیڈی اسے گاڑی دلاتے نہیں ہیں اور مسئلہ مجھے ہوتا ہے۔'' اس نے بیک ڈور کھول کر اوور آل اور بیگ رکھا پھر گاڑی کی اگلی نشست سنبھال لی۔

''ایک بات پوچھوں......؟''

''جی بالکل......''

''نہیں، پہلے تمہیں آئس کریم کھلا دوں......''

''زبیر بھائی بات پوچھنے کے لیے کسی رشوت کی ضرورت نہیں......'' مناہل نے ہنس کر کہا۔

''تمہیں عزیر کے رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں......''

مناہل لمحہ بھر کو حیران رہ گئی وہ تو سمجھی تھی کہ بجو کو سمجھانے وغیرہ کا کوئی مسئلہ ہوگا۔ مگر جواب تو دینا ہی تھا۔

''بھئی ویسے تو یہ بڑوں کے کرنے کے کام ہیں مگر مجھ سے کسی نے ابھی تک پوچھا ہی نہیں ہے ویسے اگر ممی پوچھیں گی تو میں انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی مگر آپ بتائیں آپ میری طرف ہیں یا لڑکے والوں کی طرف......'' اب کے مناہل پوری طرح گھوم کر زبیر کی طرف متوجہ ہوئی۔

''مناہل میں سچ کہوں تو شاید تم کو عزیر سے اچھا کوئی بھی مل جائے گا مگر میرے خاندان کو تمہارے جیسی سمجھدار اور ذمے دار بہو کی ضرورت ہے۔ اگر بھائی مانتی ہو تو سوچنا ضرور......''

''مگر زبیر بھائی مجھے نہیں لگتا کہ یہ درست فیصلہ ہوگا۔''

''گڑیا تم اور عشنہ میرے لیے میری طوبیٰ اور اقصیٰ جیسی ہی ہو امی اور ابا جی ہم سب...... تم کو بہت مان سے مانگ رہے ہیں۔ میں اِک عرصے سے تمہارے گھر آ رہا ہوں...... تمہارے خیالات جانتا ہوں تم گھر بنانے والی لڑکی ہو خاندان کو جوڑ کر رکھنے

والی۔۔۔نہ جانے مجھے کیوں یہ لگتا ہے کہ تم ہمارے گھر کے لیے بیسٹ آپشن ہو...... پلیز سوچنا ضرور......'' وہ اسے گیٹ پر ہی اتار گئے تھے۔

ممی نے ایک دو دن بعد اس سے بات کی وہ اس رشتے پر راضی ہو گئی تھیں۔ پھر بھی انہوں نے فیصلہ مناہل پر چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

رات بھیگ رہی تھی۔ وہ کمرے سے ملحق چھوٹی سی گیلری سے باہر دیکھنے میں مگن تھی جب حیدر اندر آیا۔

''کیا ہوا کچھ پریشان ہو آپی......؟''

''یار ممی نے فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ تم کو پتا تو ہے ویسے تو مجھے کہیں بھی شادی پر اعتراض نہیں مگر بجو کی صورت میں جو جیٹھانی ملے گی وہ سب سے مشکل ٹاسک ہوں گی...... ویسے تم کیا کہتے ہو؟''

''اصل میں جب سے عزیر باہر گیا ہے اس میں بہت چینج آیا ہے۔ پہلے جیسا خشک مزاج، رعونت سب ختم ہو گیا ہے اوپر سے اب تو اس نے اپنی فیکٹری اور کام کو نئے زمانے کے حساب سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ ابھی وہ لوگ کراچی میں بھی اپنی فرنیچر کی لانچ کر رہے ہیں۔ اس کام میں جدت ہے۔ آگے بڑھنے کی لگن ہے مگر وہ ایک شوہر کیسا ہوگا اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر بظاہر تو سب اچھا ہی لگ رہا ہے۔''

''یار یہ فیصلہ بہت ٹف ہے۔ میں خود نہیں کر پاؤں گی تم ایسا کرو ممی کو منع کر دو......''

''تو بھئی مسئلہ کیا ہے، ہر دفعہ کی طرح تم اللہ سے رابطہ کر لو...... تم کو تو ہمیشہ ہی صحیح گائڈنس مل جاتی ہے... بقول تمہارے۔''

اور پھر وہ ہوا جس کی امید کم از کم اسے نہیں تھی کہ رات نماز اور دعائیں کر کے سوئی صبح چھٹی کا دن تھا، وہ صبح فجر پڑھ کر دوبارہ سو گئی۔ پھر دیر سے اٹھی ناشتا بناتے ہوئے اس نے ممی کو انفارم کیا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں، ممی نے جھٹ اس کا ماتھا چوما اور گھر بھر میں خوشی بھرا ہنگامہ جاگ اٹھا۔

''مجھے عزیر پسند آیا مگر دو بہنوں کو ایک ہی گھرانے میں بیاہنا مجھے ذرا مشکل لگ رہا ہے۔ مگر دوسری سمت یہ پتا ہے کہ کیسے لوگ ہیں دیکھے بھالے شریف، نمرہ اور جبین والے کیسز کے بعد تو انجان لوگوں میں شادی کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔'' ممی نے نند اور بہن دونوں کی بیٹیوں کا حوالہ دیا جن کے ساتھ شادی کے نام پر دھوکا ہوا تھا۔

☆☆☆

بعض چیزیں طے ہوتی ہیں۔ شاید یہ شادی بھی طے تھی اور اس ہی طرح ڈیڑھ مہینے کا ٹائم ملا اس کی ہاؤس جاب بھی دس دن بعد ختم ہو رہی تھی۔ جیسے ہر چیز اوپر والے نے طے کر رکھی ہو۔

ڈیڈی نے صبح اسے جلد تیار ہونے کا کہا تھا اب وہ تیار ہو کر باہر آئی تو اس کے کراماً کاتبین بھی موجود تھے۔ یعنی حیدر اور عشنہ، ممی کو گھر کا کچھ فرنیچر درکار تھا سو قافلہ ہی چل پڑا۔ ویسے تو پچھلے دس دن سے ممی اور عشنہ نے گھر اور بازار ایک کیا ہوا تھا مختلف جگہوں پر فرنیچر دیکھتے ہوئے زبیر بھائی کی کال آ گئی۔ ان کا شو روم قریب ہی تھا سو وہ بھی آ ملے لکڑی کے وسیع کاروبار کی وجہ سے ممی نے انہیں بھی شامل کر لیا۔ اور شام تک سب تھک ہار چکے تھے فرنیچر پسند آ گیا تھا۔ تین لاکھ کا فرنیچر سب ہی کو بھا گیا سو فائنل کر کے وہ لوگ نکلے...... گھر آتے ہی کھانا کھایا اور سب ہی آرام کی غرض سے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ مناہل کچی نیند میں تھی جب عشنہ نے اسے اٹھایا۔

''آپی بجو آئی ہیں...... مسلسل لڑ رہی ہیں چاچو سے۔''

''اونہہ لڑنے دو یار......'' نیند کی جھونک میں منہ سے نکلا مگر فوراً ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''مگر کیوں؟''

''پتا نہیں میں آپ کے بغیر نیچے نہیں جاؤں گی۔ حیدر بھی شاید سو گیا ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ گئی تو اور ہنگامہ ہو گا۔''

''یار یہ بہن ہے یا......'' مناہل بڑبڑائی۔

"ابھی بہن بعد میں جیٹھانی ویسے کسی اسلحہ ڈپو سے کم نہیں......" عشنہ نے کوفت بھرے لہجے میں کہا۔

نیچے اتنے مہنگے فرنیچر پر کچہری لگی تھی بلکہ اسے کچہری کہنا غلط ہوگا یہ تو ون مین شو تھا۔ سب نیند سے نڈھال تھے اس لیے صرف دیکھ اور سن رہے تھے۔

"میرے وقت میں اتنی کفایت شعاری تھی اور اب اتنا مہنگا فرنیچر......؟"

"ارے کیا تم اپنی آٹھ سال پرانی شادی بار، بار لے آتی ہو......" نانو غالباً نماز پڑھ کر باہر آئی تھیں ہاتھ میں تسبیح اور چہرے کے گرد لپٹا دوپٹا بتا رہا تھا کہ ابھی اپنے وظائف چھوڑ کر ایمرجنسی بنیاد پر وہ اس کچہری کا حصہ بن رہی تھیں۔ سارا دن گھر میں رہی تھیں سو واحد چاق وچوبند سپاہی اس دستے کا وہی بچی تھیں۔

"آٹھ سال پرانی شادی ہے ناں کہ ساٹھ سال پرانی جو آپ ایسے بول رہی ہیں۔" بجو مزید بدمزہ ہوئی تھیں۔

"تم ساٹھ سال بعد بھی ایسے ہی گلے شکوے کروگی۔" نانو بھی بس چھوڑتی نہیں تھیں۔

"اچھا بجو، میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ والا لے لوں گی بلکہ جو آپ کو پسند ہو وہ دلوا دیجیے گا۔ آپ سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہے مگر ابھی سب کو سونے دیں ہم سب کافی تھکے ہوئے ہیں۔"

"ہاں، مجھے لے جانا تو جیسے حرام ہے ناں...... سگی اولاد بھی ہوں کہ نہیں......" توپوں کا رخ ممی کی طرف ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"ڈیڈی صبح دکان کا کارڈ اور بقیہ رقم کا چیک بجو کو دے دیجیے گا، آپ کو جو پسند ہو ڈلوا دیجیے گا اور پلیز بجو یہ بات، بات پر رویا مت کریں۔ ابھی گھر جائیں ورنہ اپنے روم میں جائیں۔" اس نے بہن سے لپٹ کر معاملہ سمیٹا۔ ڈیڈی خاموشی سے اٹھ گئے۔ ممی وہیں کاؤچ پر دراز ہوگئیں شاید ان میں اب کمرے تک جانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

اور دو دن بعد وہ ہوا کہ وہ حیران ہی رہ گئی۔ بجو نے بتایا کہ فرنیچر عزیر لوگوں نے خود ڈالنے کا بول دیا ہے اور بجو پانچ لاکھ کا فرنیچر پسند بھی کر آئی تھیں۔ یعنی عجیب دُہرا معیار ہے۔ بلکہ یہ تو دُہرے معیار سے بھی کچھ الگ معاملہ لگا اسے۔ آخر اس نے تنگ آ کر اقصیٰ باجی کو فون کر ڈالا۔ باتوں میں انہوں نے بتایا کہ "عزیر کے کمرے کو چار ماہ قبل پورا فرنش کیا ہے شادی کے حساب سے مگر اگر بڑی بھابی راضی نہیں تو کوئی بات نہیں......"

"نہیں اقصیٰ باجی مجھے اس فرنیچر سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میری طرف سے یہی فرنیچر رہنے دیں بلکہ مجھے پسند آیا ہے بلکہ بہت پسند آیا ہے بجو نے تصاویر دکھائی ہیں۔" اس نے ممی کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کیا، ڈیڈی کو بھی بات پسند آئی بیکار میں ایک چھوٹی سی چیز سے دونوں گھرانوں میں شادی سے قبل کوئی رنجش ہو یا دل میں گرہ لگے اس سے اچھا ہے بیچ کا حل مگر بجو کو پتا چلا تو مانو پتنگے ہی لگ گئے۔

"کنگلی ہو، فقیرنی ہو جو پرانے بستر پر سوؤ گی۔ ہم لوگوں میں سے کوئی بھی کبھی پرانے فرنیچر کو استعمال کرتا ہے دوسرے کے بستر پر سویا ہے کوئی؟"

"ارے تو کیا ہوٹل میں ٹھہرتی ہو تو کیا اپنا فرنیچر ڈلواتی ہو۔" نانو کی بات میں آج پھر وزن تھا۔

"نانو وہ الگ بات ہے۔"

"کیوں الگ کہاں تم شہر شہر ملک، ملک پھرتی ہو۔ نہ جانے کن، کن لوگوں کے استعمال شدہ برتن اور چادر، کمبل استعمال کرتی ہو، یہ تو پھر اس کے میاں کا استعمال شدہ بستر ہوگا۔ اور بنو جب وہ مناہل کو استعمال کرلے گا تو یہ تو پھر بستر ہے۔" اب بحث کی گنجائش ہی نہیں بچی تھی۔

شکر تھا کہ ممی اس جنگ سے پہلے ہی نیند کی آغوش میں جا چکی تھیں۔ مناہل بھی خجل سی باہر نکلنے لگی تو عشنہ کے مسکراہٹ چھپاتے چہرے پر نظر پڑ گئی اور خجالت اور خفت نے غصے کا لبادہ اوڑھا۔

"شرم نہیں آتی بڑوں کی باتوں پر ہنستے ہوئے۔"

"میں ہنس تھوڑی رہی تھی نانو کی لاجک پر انہیں دل ہی دل میں داد دے رہی تھی۔ شکر ہے حیدر نہیں تھا...." زوردار مکے نے اس کا منہ ہی بند کر دیا تھا۔

مناہل دو، دو سیڑھیاں پھلانگ کر کمرے میں تھی۔

☆☆☆

اب بجو کم از کم آٹھ تقاریب پر بضد تھیں۔ اگر نانو نہ ہوتیں تو کیا ہوتا اس نے مسکرا کر سوچا۔

''کیا ہوا خیریت......؟'' زبیر بھائی نے مسکراہٹ دیکھ کر پوچھا۔

''بھائی آپ ایسا کریں کہ ہماری پیاری نانو کو بھی ساتھ لے چلیں۔ بجو کی لگامیں کسنے کے لیے۔'' اور دونوں ہی بے ساختہ ہنس پڑے۔

''مل کر مذاق اڑا رہے ہوں گے دونوں میرا۔'' بجو متوجہ ہوئیں مگر پھر فوراً ہی باتوں کا رخ صحیح سمت کیا کہ کہیں یہ مسئلہ اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔

''تو کیا سوچا آپ لوگوں نے کتنے فنکشن کرنے ہیں؟''

''ارے تمہیں جتنے فنکشن رکھنے ہیں رکھو پر ان میں ان لوگوں کو نہ گھسیٹو، ان کے گھر دو، دو شادیاں ہیں، بیکار میں بوجھ پڑے گا۔''

''کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔''

''انہیں ہو نہ ہو ہمیں ہوگا۔ سمدھیانہ نبھانا آسان نہیں ہوتا ہے۔ تم اپنے سارے فنکشن اپنے لوگوں میں کر لینا انہیں صرف مہندی اور شادی میں ہم بلائیں گے۔'' ڈیڈی نے حتمی بات کر کے ساری بات ہی ختم کر دی۔

☆☆☆

یہ سارے دن کہاں گئے اسے پتا ہی نہیں چلا، پتا تو اس دن چلا جب کمبائنڈ مایوں کا دن آ پہنچا۔ اور ہوش تو اس وقت اڑے جب اسے مایوں والے دن عزیر کے برابر لا بٹھایا گیا۔ اس لمحے دل اس قدر زور سے دھڑکا کہ لگا نکل کر اس کی پھیلی ہتھیلی پر آ رہے گا۔ نہ جانے اس سمت کیا محسوسات تھے مگر اس کے لیے تو نگاہ اٹھانا بھی دوبھر تھا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ روایتی دلہن نہیں ہوگی۔ مگر اب اسے لگ رہا تھا کہ اس پر پھولوں کی پتیوں کا ٹوکرا نہیں بلکہ حیا، شرم اور لاج کا ٹوکرا الٹا گیا ہے۔ اس کی جھجک اور ہاتھوں کی لرزش اس کے ساتھ بیٹھے دوسرے فرد کو بھی بہت محسوس ہوئی۔ اسے بھی مناہل سے اس روایتی رویتے کی امید نہیں تھی۔ مگر جھکی بیٹھی گھونگٹ نکالے کانپتی سی لڑکی اسے اس لمحہ بہت مشرقی بہت اچھی لگی مگر اس کی جھجک کو دیکھ کر ہی اس نے لڑکیوں کے ہنسی مذاق کا بہت اچھے سے جواب دیا مگر اسے قطعی تنگ نہیں کیا۔ مگر اس کے اٹھنے سے پہلے چپکے سے اس کے ہاتھ کو مس کیا اور آہستہ سے کہا۔

''سو مت جایئے گا میں فون کروں گا۔''

آس کی ڈور زیادہ طویل نہیں ہوئی عشنہ نے فون اس کے کانوں سے لگایا۔ ارد گرد بہت شور ہنگامہ تھا۔ آخر اس نے خاموشی سے گیلری کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

''ہیلو بہت شور ہو رہا ہے...... کیا آپ مجھے سن رہی ہیں؟''

''جی اب سن سکتی ہوں......''

''آپ کی آواز بہت مدھم آ رہی ہے۔''

''جی گیلری میں نکل کر بات کرنی پڑ رہی ہے۔''

''بولیے کیا بات کرنی ہے آپ کو......''

''سنو مناہل میں اپنی فیملی سے بہت عرصہ دور رہا ہوں...... باہر رہنے سے جہاں بہت کچھ سیکھا وہاں اپنی فیملی سے ریلیشن کو بھی مضبوط کر بیٹھا ہوں۔ گھر میں امی، ابا اور اقصیٰ آپی کے پاس میں واحد سہارا ہوں اللہ کے بعد...... آپ سن رہی ہیں نا۔''

''جی بالکل، آپ کہیے......''

''کیا آپ میری فیملی کے ساتھ رہیں گی۔ کہیں یہاں اس شہر میں اپنی فیملی کے قریب رہنے کی ڈیمانڈ تو نہیں کریں گی؟''

''اُف بجو کے دیے گئے گھاؤ......'' اس نے سوچا۔

''آپ نے جواب نہیں دیا...... دراصل میں پہلے بات کلیئر کرتا مگر نمبر ہی اب ملا ہے۔''

''میرا ایسا کوئی الگ رہنے کا ارادہ نہیں ہے...... میں آپ کی فیملی کے ساتھ ہی رہوں گی۔ میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں......''

''جی بولیے......''

''میں بجو کی بہن ضرور ہوں مگر پلیز آپ مجھے بجو

کے ریفریشر؟ بے مت دیکھیے گا۔ اماں کو سامنے رکھ کر بتائیے نا مت دیکھیے گا۔"

اب دونوں سمت خاموشی تھی۔ اس نے خدا حافظ کہہ کر کال کاٹ دی۔ اس کے دل نافہم میں ایک خوش گمان خیال آیا تھا کہ شاید کوئی آج کے حوالے سے بات یا کوئی تعریفی جملہ یا کوئی خوب صورت بات ہو گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا" چلو کوئی بات نہیں اب اس میدانِ خاردار میں قدم رکھ ہی دیا ہے تو پھر سہنا ہی مقدر ٹھہرا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" ایک ٹھنڈی سی سانس اس کے پھیپھڑوں سے خارج کی اور وہ اندر کی سمت بڑھ گئی۔

عشنہ کے بیان کیے گئے واہمے اسے الگ تنگ کر رہے تھے اوپر سے بات بے بات بجو کا ہر معاملے کو مسئلہ بنانا الگ اسے چبھ رہا تھا۔ مایوں سے لے کر رخصتی تک بجو نے بدمزگی پھیلانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیا۔

اس نے اس چار گھنٹے کے ایونٹ میں بجو کی چار سوز ہریلی باتیں سنیں۔ وہ اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ رخصتی کے بعد بھی یہی سوچتے ہوئے بے خیالی میں اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی وہ بجو کو سوچتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹھے وجود کو بھی کچھ دیر کے لیے بھلا بیٹھی کہ عزیر کی ماں جی کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی۔

"عزیر دلہن کو دیکھو صحیح سے بیٹھی ہے ناں، اس کے آرام کا خیال کرو...... صحیح سے ٹیک لگا کر بیٹھو جاؤ بیٹا۔" اب وہ مناہل سے مخاطب تھیں۔

"یہ لوگ دوسروں کو اپ سیٹ کرنے والے ہیں۔ خود تو سیٹ ہی سیٹ......" آواز اس قدر ہلکی تھی کہ صرف اسے ہی سنائی دی۔ اور ایک ٹھنڈی سانس خارج ہوئی۔

گھر میں ماں جی نے اسے سیدھے اس کے کمرے میں لا کر بٹھایا اس کی تھکن کے خیال سے۔ ماں جی نے چند ہی رسمیں کی تھیں...... دہلیز پر مگر ابا جی منہ دکھائی دینے آ گئے اس کے کمرے میں حالانکہ اماں جی نے یہ سب رسمیں صبح پر ملتوی کر دی تھیں کہ دلہن بھاگی تھوڑی جا رہی ہے صبح کر لیں گے سب چاؤ ارمان پورے مگر ابا جی، ابا جی تھے ضد کے پکے منہ دکھائی کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود تھے۔

"یہ لو بھئی، میری ڈاکٹر بہو کے لیے میری دادی کے کنگن، یہ ہمارا خاندانی کنگنوں کا سیٹ اور اس کا یہ منقش ڈبا دونوں تمہارے لیے۔" ابا جی نے مناہل کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور ڈبا اس کے سامنے کیا۔ "سدا خوش رہو......" ابا جی اپنی جگہ سے اٹھتے

قلب و جگر کا حال نہ تو آشکار کر
ہم دم مرے تو ٹھہر ذرا انتظار کر
چھائی خزاں ہے اب نہ یوں ذکر بہار کر
خود اپنے حوصلے کو نہ یوں تار تار کر
خود کو سنبھال مجھ کو نہ اب اشکبار کر
آئیں گے اچھے دن بھی ذرا انتظار کر
اپنا پرایا کر کے نہ خود کو خراب کر
میں نے یہ جانا آج شب غم گزار کر
مانا کہ جیتنے کا بہت شوق ہے تجھے
لیکن کبھی تو دیکھنا اپنوں سے ہار کر
اوروں کے واسطے نہ کھپا اپنی جان کو
اپنی خرابیوں کو کبھی آ سنوار کر
اب ہار ہو یا جیت شگفتہ قبول ہے
گھبرا نہیں تو یار مرے رنج کے وار کر

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

ہوئے بولے۔
’’میرے وقت میں تو سب ہی کنگلے ہوگئے تھے۔‘‘ بجو کی آواز نے خوشگوار ماحول کو اچانک ہی بدل ڈالا۔ دو چار بدمزہ باتوں کے دوران اس نے ابا جی کو سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے دیکھا۔ اس دوران سب ہی تو، تو میں، میں مصروف ہوگئے تھے کہ اس کے ابا جی کہنے پر سب ان کی سمت متوجہ ہوئے۔

زرد رنگ، تنفس میں دقت اور پھر لڑکھڑانا۔ وہ بھول گئی کہ وہ اس وقت دلہن ہے اسے لمحہ لگا دلہن سے ڈاکٹر بننے میں......

’’پلیز ابا جی کو سیدھا کریں۔ انہیں لٹائیں۔‘‘ پھر اس نے بے ہوش ابا جی کو CPR۔ cardiopulmonary resuscitation کرنے کا عمل شروع کیا۔

’’اقصیٰ آپی ان کی شیروانی کے بٹن کھولیں۔‘‘ پھر ان کے سینے پر اپنے دونوں ہاتھوں سے دباؤ ڈالا۔ شیروانی نے ویسے ہی ابا جی کا دم گھٹا دیا تھا۔ اور مختلف ہدایات دیتے ہوئے اس نے ابا جی کے منہ میں سانس بھری۔....

’’اقصیٰ باجی، ابا جی کے جوتے اتاریں۔ زبیر بھائی گاڑی نکلوائیں۔‘‘ وہ ایسی ہی تھی سخت مراحل میں ہمت کرنے والی حوصلوں کو جوڑنے والی۔

اچانک اسے ابا جی کے سینے میں حرکت محسوس ہوئی۔ دل نے حرکت شروع کر دی۔ ’’پلیز انہیں فوراً اسپتال لے جانا ہوگا۔‘‘ cpr کرتے سے اس نے اپنے سامنے بیٹھے عزیر کو مطلع کیا۔ ’’اب سانس بحال ہو رہی ہے۔ آپ لوگ ابا جی کو لے کر چلیں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر آرام سے بٹھائیں، میں دو منٹ میں آ رہی ہوں۔‘‘ سب جا چکے تھے۔ اس نے جلدی سے لہنگا اتارا کمرا خالی ہو چکا تھا صرف اقصیٰ آپی وہاں موجود تھیں۔ سب ابا جی کے ساتھ نکل چکے تھے کمرے سے۔ اس نے دوپٹا جلدی سے اتارا۔ باتھ روم کے سلیپرز پیروں میں اڑسے۔ سامنے پڑی رخصتی پر اڑھائی گئی چادر کو اپنے چاروں طرف لپیٹا۔

’’بھابی، ابا جی کو بچالیں۔‘‘ طوبیٰ کی منت بھری آواز ابھری۔

’’اللہ سے دعا کرو طوبیٰ۔‘‘ اور پھر وہ لمحوں میں گیراج تک پہنچی جیکوار میں ابا جی کو لٹایا جا چکا تھا۔ عزیر اگلی نشست پر تھا۔ زبیر گاڑی چلانے والا تھا جب وہ جلدی سے فٹ ریسٹ میں گھس گئی۔ ابا جی کی سانسیں ٹوٹ، ٹوٹ کر آ رہی تھیں وہ دوبارہ cpr کرنے کے لیے تیار تھی۔ اس نے ابا جی کے منہ میں ہوا بھری۔ سینہ ایک دفعہ پھر رسپانس کرنے لگا۔

’’بھائی گاڑی جلدی چلائیں۔‘‘
’’مناہل ابا جی کیسے ہیں؟‘‘
’’بہتر ہیں، سانس لے رہے ہیں۔ آپ گاڑی جلدی چلائیں۔‘‘ ایمرجنسی تک پہنچ کر اسٹریچر میں ڈال کر وہ اندر داخل ہوگئی۔ ’’شکر ہے کہ بارات آج بجو کے گھر رکی تھی۔‘‘ اس نے سوچا۔

اس کا اپنا جانا پہچانا اسپتال تھا۔ اس لیے دشواری نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر صدیقی بھی جلد ہی پہنچ گئے۔ ابا جی کا ٹریٹمنٹ اسٹارٹ ہوا۔ سانسیں بحال ہوئیں تو وہ باہر آ گئی۔

’’ابا جی کیسے ہیں مناہل؟‘‘ زبیر بھائی کی بھیگی آنکھیں لمحہ بھر کے لیے اس کی سمت اٹھیں۔

’’اللہ سے دعا کریں بھائی...... میں ذرا وضو کر کے نماز ادا کر کے آتی ہوں......‘‘

’’پلیز مناہل تم مت جاؤ...... جب تک ابا جی کی طبیعت اسٹیبل نہیں ہو جاتی۔‘‘ زبیر بھائی نے گھبرا کر کہا۔

’’اوکے بھائی، میں نہیں جا رہی ہوں۔‘‘ اسی لمحہ عزیر آتا دکھائی دیا۔ وہ غالباً پریئر روم سے نکلا تھا۔

’’میں ذرا آتا ہوں تب تک عزیر ہے۔‘‘ زبیر بھائی نے کہا۔ اور خود پریئر روم کی سمت بڑھ گئے۔

’’عجیب قیامت کی رات ہے۔‘‘ اس نے بس ایک لمحے کو سوچا۔ مگر پھر فوراً سنبھلی۔ اسے ممی، ڈیڈی کو فون کرنے کا خیال آیا۔

’’عزیر پلیز ذرا فون دیں گے ممی کو ملا کر......‘‘

فوراً تعمیلِ حکم ہوئی اس نے ممی کو کال کر کے ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اب وہ وزیٹرز چیئر پر بیٹھ چکی

تھی۔ اس نے آہستہ، آہستہ اپنی انگلیوں کو انگوٹھیوں سے آزاد کیا اور جھکے اتارنے کے بجائے وہ ممی کا انتظار کرنے لگی۔

''کیا آپ کے پاس رومال ہوگا؟'' اس نے عزیر سے پوچھا۔ اس نے رومال نکال کر اسے تھمایا۔ اس میں انگوٹھیوں کو ڈال کر گرہ لگائی۔ اسی لمحے ڈاکٹرز باہر آئے۔ ڈاکٹر صدیقی اباجی کی دوستی کے لحاظ میں فوراً پہنچ گئے تھے۔

''کافی سیریس اٹیک ہوا ہے۔ بروقت طبی امداد مل گئی ورنہ کچھ نہیں بچتا۔ کتنا کہا تھا کہ بائی پاس کرالو مگر وہ کسی کی سنتا کب ہے۔ تھوڑی دیر میں آئی سی یو میں شفٹ کردیں گے۔'' صدیقی صاحب آگے بڑھ گئے تھے اور کاریڈور کے دوسری سمت سے اس نے ممی، ڈیڈی کو حیدر کے ساتھ آتے دیکھا۔ اس لمحے اپنے گھر والوں کو دیکھ کر کیسی ڈھارس بندھی، یہ کوئی اس سے ہی پوچھتا۔ ممی نے اس کا زیور سنبھالا اور اس کے کپڑے اور شوز اسے تھمائے۔ عشنہ نے میک اپ ریمور بھی بھیجا تھا سامان کے ساتھ...... اس نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اسٹاف کے روم میں سامان لے کر گھس گئی۔

''بھائی آپ لوگ جائیں اب اباجی کی طبیعت صحیح ہے، ہر چیز اسٹیبل ہے۔ آپ لوگ بے فکر ہو کر جائیں، میں یہاں رکتی ہوں۔ مجھے تو عادت ہے یہاں راتیں گزارنے کی۔'' اقصیٰ کو تسلی بھرا فون کرنے کے بعد وہ زبیر سے مخاطب ہوئی۔ ''میں ورنہ حیدر کو روک لیتی ہوں......''

''ہاں بھئی ہماری مناہل بہت اچھی ڈاکٹر ہے، ہمیں بھی پتا ہے۔ چلو میں حیدر کے ساتھ گھر چلا جاتا ہوں۔ تم اور عزیر رکو......'' زبیر بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور باہر کی سمت بڑھ گئے۔ وہ خود بھی... بلڈ پریشر کے مریض تھے سو ان کا آرام کرنا بھی ضروری تھا۔

سب کے جانے کے بعد نہ جانے کتنی دیر تک وہ دعائیں پڑھتی رہی۔ نیند اور سردی دونوں نے غلبہ پانا شروع کردیا تھا وہ راہ داری میں پڑے صوفے کے ہتھے پر سر ٹکا کر غنودگی میں تھی کہ ایک گرم سے احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا۔ اس نے نیند سے بے حال آنکھیں کھولیں تو عزیر کو اپنی گرم شال اڑھاتے پایا۔

''ڈاکٹر مناہل آپ کے پیشنٹ کو ہوش آگیا ہے۔''

سسٹر ثریا کے جگانے پر عزیر کی بھی آنکھ کھل گئی۔

دونوں ہی گھبرا سے گئے عجیب بدحواسی میں سو رہے تھے ایک دوسرے کے قریب بے ہنگم طریقے سے۔

''اوہ سسٹر ثریا نے آپ کو بھی جگا دیا۔'' اس کی کچھ سمجھ نہیں آیا کہ کیا بات کرے سو خجل ہو کر رہ گیا۔

''اور تمہیں بھی تو......'' پھر دونوں ہی اندر ملنے چلے گئے۔ علی بخش صاحب ہوش میں تھے مگر بہت نڈھال...... وہ جلدی سے مل کر باہر آگئی۔ تھوڑی دیر میں عزیر بھی باہر آگیا۔

''چلیں، میں آپ کو چائے پلواتا ہوں۔'' عزیر کا رویہ دوستانہ تھا۔ وہ لوگ کیفے ٹیریا کی سمت بڑھ گئے۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی جبکہ وہ چائے لینے چلا گیا۔

''ارے عزیر صاحب، کیسے ہیں؟'' کیفے والی آنٹی نے سلام کیا۔

''میں ٹھیک ہوں رات سے بابا ایڈمٹ ہیں اس لیے یہاں ہوں......''

''یہ ڈاکٹر مناہل آپ کے ساتھ؟'' کیفے میں رش نہ ہونے کے برابر تھا اس لیے آنٹی کے پاس ٹائم تھا وہ غالباً عزیر کو پہلے سے جانتی تھیں۔

''ہوں......رات ہی میری اور ان کی شادی ہوئی ہے۔''

''ہاں تبھی تو کہوں کہ باجی یہاں کیا کر رہی ہیں۔'' آنٹی کے ساتھ کام کرتی لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''یہ جو اپنی ڈاکٹر مناہل ہیں ناں...... یہ میری سدرہ کو پڑھوا رہی ہیں سارا خرچہ انہوں نے ہی اٹھا رکھا ہے، میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا ناں۔'' آنٹی نے کہا۔

''اوہ اچھا......'' عزیر متاثر ہوا۔

''بھائی آپ چلیں، میں ناشتا خود ٹیبل پر پہنچا دوں گی۔''

''کافی دیر کر دی۔''

''کیوں ...... ابھی سے بیگم بن گئیں۔ ان ... ر ہو رہی ہیں۔'' اور وہ بے تحاشا ہنس دی۔

''ویسے کمال کرتے ہیں، دراصل آنٹی اور ان کی بیٹی بڑی باتونی ہیں اس لیے کہا تھا۔'' ہنستے ہوئے چہرے پر بکھری شفاف سی چمک نے اس کے بے داغ مخلص دل کی گواہی دی اور فوراً گواہی قبول بھی کر لی گئی۔

سدرہ نے چائے کے مگ میں کافی بڑھائی اور عزیر کے لیے پیپر کپ میں چائے۔ ''معذرت بھائی وہ مناہل باجی صبح ہمیشہ ہمارے پاس سے کافی پی کر جاتی ہیں تو ان کا کپ مخصوص ہے اور کوئی ایسا اچھا صاف سا کپ نہیں تھا اس لیے۔''

''تم جانتی ہو انہیں ......'' مناہل نے پوچھا۔

''ارے باجی یہی تو ہیں جنہوں نے ہمیں یہاں کا سارا سیٹ اپ کر کے دیا ہے۔ ہم ان ہی کے شہر کے ہیں مجبوری میں یہاں آئے تو عزیر بھائی نے ہمیں یہاں سیٹ کروایا۔ ڈاکٹر صدیقی سے سفارش کر کے۔'' وہ اب جا چکی تھی یہ کہہ کر کہ......

''آپ دونوں کو شادی بہت، بہت مبارک ہو......''

''شکریہ......'' اسے اب خیال آیا کہ ارے واقعی یہ تو اس کی شادی کی پہلی صبح ہے۔

''ویسے ڈاکٹر بننا بھی کتنا مختلف ہے کہ بندہ شادی کی صبح بھی اسپتال میں آنکھ کھول سکتا ہے۔'' عزیر نے شوخی سے کہا۔

''ہوں...... میں بھی ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ آج تو میری زندگی سوری شادی شدہ زندگی کی پہلی صبح ہے۔ وہ بھی اسپتال میں......'' اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ نہایت رغبت سے سینڈوچ پر ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

''اور کچھ منگواؤں......''

''نہیں سوری، دراصل کل دوپہر کا کھانا بھی پارلر کے چکر میں مس ہو گیا تھا اور رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔''

''اوہ سوری پہلے بتا دیتیں......''

''نہیں ابھی ناشتا دیکھ کر بھوک لگی ہے۔'' وہ کافی ...... وہ لوگ کپ واپس لے کر اندر کی سمت بڑھے تو ... سامنے ... آ گیا۔

''... بیٹا ... ''

''شکریہ باجی......'' کینٹین والی آنٹی نے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

''... صاحب ہماری ... بیٹی ... اچھی ڈاکٹر ہی نہیں بہت اچھی انسان بھی ہیں۔ ان کی قدر کیجیے گا اور مناہل بیٹا آپ کو آپ کے جیسا دردمند دل والا شوہر ملا ہے، آپ کو بہت مبارک ہو۔''

اور عزیر نے کاؤنٹر پر پانچ ہزار کا نوٹ رکھا۔

''نہ عزیر صاحب...... یہ تو اپنی بٹیا ہے۔ آج کا ناشتا تو اس کی باجی کی طرف سے ہے۔ میرے اتنے اچھے نصیب کہ آپ دونوں کو شادی کی صبح کا ناشتا میں نے کروا دیا۔'' آنٹی سچ مچ خوش لگ رہی تھیں۔

''چلو گڑیا تم سالی ہوئیں تمہارے لیے رسم کے پیسے ہیں رکھ لو......'' عزیر نے سدرہ کے ہاتھ پر نوٹ رکھا۔

''میں دراصل تمہاری مناہل باجی کے ملنے پر بہت خوش ہوں اس لیے خوشی، خوشی رکھ لو۔ میں خود کتنا بھی تلاشتا مجھے ایسی ہمدرد، نیک بیوی نہیں ملنی تھی۔ ابا جی کے فیصلے کی درستگی کا مجھے آج احساس ہو گیا ہے۔'' اور اس کا اندیشوں بھرا دل یک دم تمام اندیشوں، واہموں اور پریشانیوں سے پاک ہو گیا۔ وہ جو کئی دن سے بہت ٹینشن اور پریشانی میں تھی وہ ایک دم ختم ہو گئی۔ باہر نکلتے سے مناہل کو اپنی شادی کی یہ صبح بہت سہانی بہت خوشگوار لگی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اتنی اچھی ڈاکٹر کو ضائع نہیں کرنا چاہیے تو منہ دکھائی کے تحفے کے طور پر میرا آپ سے وعدہ ہے کہ اپنے شہر میں آپ کو ایک اسپتال بنا کر دوں گا...... جہاں ضرورت مندوں کا مفت علاج ہوگا۔'' اس نے نظر اٹھا کر پہلی دفعہ غور سے اس خوبرو شخص کو دیکھا اور دل میں کلمۂ شکر بجا لائی۔

ایک روشن چمکدار دن ان کا منتظر تھا۔

❁❁❁



عشقِ توفیق

ہاجرہ ریحان

سرد اور بے حد کالی رات میں کسی نے اچانک دھاڑ سے دراز کھولی اور چمچوں کے کھڑکھڑانے کی بے ہنگم سی آواز سنائی دینے لگی جیسے کچھ تلاش کیا جا رہا ہو...... کچھ ہی لمحوں بعد ایک مردانہ آواز سناٹے میں گونجی۔

”اس طرح کی بچکانہ حرکت سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں بلاوجہ کا تماشا بنا کر گھر کا ماحول خراب کر رہی ہو......خود غرض کہیں کی۔“

پھر اچانک ایک نسوانی بوڑھی بھاری آواز آئی۔

”یہ تم کیا کرنے لگی ہو...... ہوش میں تو ہو، حرام ہے یہ سب۔“ ساتھ، ساتھ وہ بوڑھی خاتون اور مرد شاید آگے بھی بڑھ رہے تھے لہٰذا جس سے وہ مخاطب تھے ایک دم کچھ زور سے پھینک کر دوڑتی ہوئی باورچی خانے سے باہر چلی گئی تھی۔

مجھے فرش پر دوڑتے قدموں کی دھمک صاف

محسوس ہوئی تھی کیونکہ میں اسی فرش کے نیچے ہی تو موجود تھی اور پھر میں جورات کے اس پہر اپنے بجلی سے چلنے والے نازک ناتواں چولہے پر چائے بنانے کی کوششوں میں مصروف تھی چائے بھول چکی تھی کئی دنوں سے اختلافات، ناچاقی اور نفرت سے کی جانے والی ایسی گفتگو سن رہی تھی اور کسی ایک پر باقی تمام افراد کا بے پناہ زور لگانا بھی سنتی رہی تھی مگر بات اس قدر بڑھ جائے گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اگر اس روز اوپر یہ سب کچھ ہوتا محسوس نہ کر چکی ہوتی تو تین دن بعد رونما ہونے والے واقعے کو بلڈنگ کے ہر رہائشی کی طرح ایک حادثہ ہی سمجھتی اور یہ بھی سوچ ہی نہیں سکتی تھی کہ اس قدر زندہ دلی سے قہقہے لگانے والی حادثاتی طور پر چوتھی منزل سے گری نہیں تھی بلکہ اس نے جان بوجھ کر چھلانگ لگائی تھی۔

کافی دن خالی رہنے کے بعد چند مہینوں پہلے ہی ہمارے اوپر والا یہ فلیٹ آخر کار خرید لیا گیا تھا اور پھر وہی جو ہوتا ہے کہ کئی دنوں تک اس میں ہوتے مختلف کاموں کی طرح، طرح کی آوازیں برداشت کرنی پڑیں...... کبھی ڈرل مشین کی گھرررر تو کبھی فرش توڑنے کے لیے ہتھوڑے کی دھمک......اور پھر ناقابلِ برداشت ٹائلز کاٹنے کی مشین کی سرررر اور پھر کہیں نہ کہیں سے اڑتا جگہ بناتا ٹائلز کاٹنے پر دودھیا دھواں میرے بھی لاؤنج میں موجود ہر چیز کو سفید کر دیتا مگر پھر جب پینٹ ہونے پر تیز ترین مٹی کے تیل اور اسپرٹ کی بو حملہ آور ہوئی تو میرا جی متلانے لگا......جس سے بچنے کی میرے پاس کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ اوپر سے تنہائی میں ایسی چیزوں کا اثر بھی شاید دُگنا ہوتا ہے...... پھر بھی ہم میاں، بیوی کی لگی بندھی خاص طور سے میری تنہا سی زندگی میں اوپر ہوتی اتنی زیادہ ہلچل نے دل میں ایک عجیب طرح کی خوشی اور سنسنی سی پیدا کر دی تھی، میں تو بہت خوش تھی کیونکہ میرے لیے اوپر والے یا نچلے فلیٹ سے آتی انسانوں کی آوازیں اور باتیں کسی نعمت سے کم نہیں تھیں۔

یوں تو میں تنہائی پسند تھی اور بقول امی جان مرحوم مجھ جیسی چوروں کی طرح منہ چھپا کر رہنے والی کی یہ خوش نصیبی تھی کہ مجھے اس قدر امیر اور بڑے گھر والے بیاہ کر لے جا رہے تھے۔ مگر یہ میں ہی جانتی ہوں کہ امیر اور بڑے گھر میں بیاہ کر جانے والی مجھ جیسی غریب متوسط طبقے کی لڑکی کو کیا کچھ نہیں سہنا پڑتا......شادی کے ان پندرہ سالوں میں مجھے ہر دم، ہر طرف سے ہر کوئی صرف اور صرف سدھاتا ہی رہا ہے...... یہی کہ بڑے گھروں کی بیبیاں کیسے رہتی ہیں؟ ان کے معمولات کیا ہوتے ہیں اور وہ کس طرح کے شوق رکھتی ہیں۔

سچ بات ہے کہ شوہر صاحب اور ساس صاحبہ ہر دم بڑی خندہ پیشانی سے مجھے تربیت دیتے رہے ہیں۔ سب سے زیادہ تو ان لوگوں کو وہاں پریشانی ہوتی جب ہمیں کہیں سے کسی تقریب کا دعوت نامہ ملتا۔ میرے میکے کے دعوت نامے کو تو ساس صاحبہ فوراً ہی رد کر دیتیں اور اگر کبھی بہت اصرار پر جانے کا فیصلہ ہو ہی جاتا تو زیادہ تر شوہر صاحب کو ساتھ جانے سے منع کر دیا جاتا یا پھر وہ اس قدر دیر سے تقریب میں پہنچتے کہ بس چل چلاؤ کا وقت ہی ہوتا۔ مگر یہ بھی غنیمت تھا کہ تقریب میں شرکت کے لیے مجھے پورا وقت دے دیا جاتا اور کچھ خاص تردد بھی نہیں دکھایا جاتا۔

تقریب اگر سسرالی ہوتی تو ساس صاحبہ نئے سرے سے میری تربیت کرنے لگتیں...... میک اپ، پیراہن یہاں تک کہ زیور بھی ان کی ہی مرضی سے پہن کر جاتی پھر بھی اکثر میں کسی ہم عمر کی کسی بات پر.... بے تحاشا ہنس پڑتی یا پھر مجھے کسی اور کا پیراہن یا انداز پسند آ جاتا اور میرا کھلے دل سے تعریف کر دینا ساس صاحبہ کو نہایت ناگوار گزر جاتا۔ یوں جب تک ساس صاحبہ ہمارے درمیان موجود رہیں، میں ان کو اپنی متوسط طبقے کی سوچ اور اطوار بلکہ اپنے ہر دم احساسِ کمتری کے اظہار سے مایوس ہی کرتی رہی۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دیور صاحب بیرون ملک سدھارے تو ساتھ اپنی والدہ کو بھی لے گئے اور شوہر صاحب اپنے آبائی مکان کو کرایے پر لگا کر کوئی تین

سال ہوئے اب چار کمروں کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئے۔ گو ساس صاحبہ کو شوہر صاحب کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا مگر وہ بھی جانتی تھیں کہ اس شہر میں اکیلے اتنے بڑے گھر کو صرف ہم دونوں میاں، بیوی سنبھال نہیں سکیں گے۔ فلیٹ کی بلڈنگ بہت اچھی صاف ستھری تھی۔ پرانے طرز کے فلیٹ تھے مگر ہوا دار اور روشن ہونے کے ساتھ، ساتھ شہر کے نہایت پوش علاقے میں ہونے کی وجہ سے مہنگے بھی تھے۔ مجھے کچھ زیادہ قلق نہیں تھا ویسے بھی میں لکھنے پڑھنے میں مگن رہنے والی انسان تھی۔ فلیٹ میں تو دوپہر بیل بجاتے فقیر، پولیو ٹیم کی ضد کرتی خواتین کہ کسی بھی طرح گھر سے کسی چھوٹے بچے کو برآمد کیا جائے یا پھر نت نئے ریسٹورنٹ کے کوپن بیچتے لڑکے بھی تنگ نہیں کر سکتے تھے گھر کے دیگر کام اور صفائی بھی آسان تھی اور دو منزلہ پانچ کمروں والے مکان کی نسبت تحفظ کا احساس بھی زیادہ تھا لہٰذا میں فلیٹ کی زندگی سے کافی مطمئن ہو گئی تھی۔

پھر شوہر صاحب کی مجھ میں عدم دلچسپی اور کہیں، کہیں تو بیزاری نے عجیب طرح کا سکوت طاری کر دیا مگر اس سلسلے میں شوہر صاحب بھی مجبور تھے' ان کے بقول شادی کے اتنے سال گزر جانے پر بھی وہ مجھ سے دل نہیں ملا سکے تھے...... ظاہر ہے یہ میرا ہی قصور تھا...... شوہر صاحب نے تو گھر سے باہر اپنی ایک دنیا بسا لی تھی آفس، دوست احباب، چھٹیوں میں ان کے ساتھ شکار پر چلے جانا مگر میری زندگی جیسے منجمد ہو گئی تھی اور وقت تھم سا گیا تھا۔

مجھے نہ تو ٹی وی پر آتے ڈرامے دیکھنے کا شوق تھا نہ ہی سوشل میڈیا پر تانک جھانک کرنے کا دل ہوتا...... گھر کے کام کاج خود کیا کرتی اور جو وقت بچ رہتا اس میں کتب پڑھ کر خیالوں کی جنت میں گم رہتی...... میکے سے ملنے ملانے پر ویسے ہی پابندی تھی جیسی ساس صاحبہ کے رہتے ہوئے تھی لہٰذا مہینہ ڈیڑھ مہینہ بعد ہی کبھی کوئی بھولا بھٹکا رشتے دار ملنے آ جاتا یا ہم کسی کے بلاوے پر ناچار چلے جاتے تو احساس ہوتا کہ میں کس قدر تنہائی کا شکار ہوتی جا رہی ہوں مگر جب ان سب کے مابین ہوتی غیبت اور کسی کی برائیوں یا نادانیوں کے قصے سنتی تو سوچتی کہ اچھا ہی ہے عافیت تو تنہائی میں ہی ہے مگر پھر بھی انسان ہوں کبھی نہ کبھی دل گھبرا اٹھتا اور چاہتا کہ کوئی تو ہو کہ اس سے بے تکان باتیں کروں، لطیفے سنوں دل کھول کر ہنسوں...... چلو میں نہ بولوں' وہ ہی بولے جائے کم از کم ساعت میں کسی انسان کی آواز تو آئے...... ایسے میں مجھے ہمارے باورچی خانے سے جڑے ڈکٹ سے دوسرے باورچی خانوں سے آتی طرح، طرح کے کھانوں کی خوشبوؤں کے ساتھ، ساتھ باتوں کی آوازیں بڑی بھلی لگتی

تھیں...... میرے پاس تو نہ کام کرنے والی آتی نہ ہی کوئی اور ہی تھا کہ اس سے باورچی خانے میں کھانا پکاتے چائے بناتے یا برتن دھوتے گپ شپ کرتی جبکہ [illegible] ایسے لوگوں کی بڑی فراوانی تھی۔

چند ہی مہینوں بعد میں شکلاً تو کسی کو نہیں پہچانتی تھی مگر آوازوں سے میرے ذہن میں ہر آواز کا حلیہ وشکل بن گئی تھی کہ اکثر کبھی لفٹ میں یا کاریڈور میں کبھی اصل انسان سے ملتی تو بھی پہچان نہیں پاتی جب تک کہ اس کی آواز نہ سن لیتی...... پہلے ہمارے اوپر جوڑی رہتی تھی وہ ذات کی میمن تھی اور اردو بولتے بڑی بھلی لگتی تھی۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام مریم تھا جو شاید چار یا پانچ برس کی تھی۔ مریم کے نانا، نانی بھی اسی بلڈنگ میں کسی اور فلیٹ میں رہتے تھے لہٰذا دوپہر سے ہی اس کی والدہ بھی اپنی بیٹی کے پاس آجاتیں اور پھر بیٹی کے گھر کا سارا کاروبار وہ ہی سنبھالتیں...... کام کرنے والی سے کام لینا، کھانا پکوانا یہاں تک کہ مریم کو اسکول سے واپس آنے پر نہلانا، کھانا کھلانا یا سلانا سب وہی کرتی تھیں۔ میرے خیال میں ان کی بیٹی یعنی مریم کی ماں اس تمام وقت میں ٹی وی پر ڈرامے دیکھتی رہتی کیونکہ ملازمہ، مریم اور ان کی آوازوں کے ساتھ، ساتھ پیچھے کہیں ٹی وی کی بھی آواز بدستور شامل رہتی تھی۔ داماد کے آنے پر مریم کی نانی لوٹ جاتیں اور پھر مریم کی ماں اپنے شوہر سے مسلسل مریم کی شکایت ہی کرتی جاتی اور اس کی باتوں سے ایسا لگتا جیسے مریم یعنی اس کی اپنی بیٹی نے تو اس بیچاری کی زندگی ہی حرام کردی ہے مگر مجھے مریم کی کانپتی سی آواز، توتلے بول، نانی کے ساتھ کھیلنا اور شام میں باپ کے آنے پر کھلکھلانا بہت اچھا لگتا تھا۔

کبھی، کبھی یوں بھی ہوتا کہ اس کی نانی کسی وجہ سے دن بھر نہ ہوتیں تو پھر مریم کی تو شامت ہی آجاتی۔ اس کی ماں اس پر بس چیختی ہی جاتی حالانکہ ایسا کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا کہ مریم شرارت کر رہی ہے۔ مجھے تو اس کی ماں سے بلاوجہ کا بیر سا ہونے لگا تھا۔ اللہ جانے اس عورت کو بچہ ہی کیوں ہوگیا؟ وہ بھی لڑکی، خیر کچھ مہینوں پہلے خبر ملی کہ اوپر والا فلیٹ بک گیا ہے پھر کئی ہفتوں تک کرایہ دار یا خریدار آتے رہے جس کے بارے میں ان کی ڈکٹ سے آتی آوازوں سے پتا چلتا رہتا...... میں [illegible] مریم، اس کی نانی اور نازک مزاج ماں کو یاد کرتی رہتی تو دوسری طرف دن رات دعائیں مانگتی کہ اللہ میاں جی جلدی سے اوپر کوئی رہنے آجائے کہ مجھے تو یہ خاموشی بہت ہی کھلنے لگی تھی اور حیرت بھی ہوتی کہ نہ ملی نہ ہی دیکھا مگر مجھے مریم اور اس کے گھر والوں سے انجانے میں کس قدر انسیت ہوگئی تھی۔ لہٰذا اوپر ہوتے کام سے پیدا ہونے والی.... بے چینی اور تکلیف بڑی خندہ پیشانی سے سہتی رہی اور وقت کے ساتھ، ساتھ تجسس بھی بڑھتا رہا کہ دیکھیں اب کی بار اوپر کون آتا ہے۔

رمضان سے کچھ روز پہلے اوپر ہلچل محسوس ہونے لگی...... سامان گھسیٹنے، کیلیں ٹھوکنے اور برتنوں کو جمانے جیسی آوازیں سن، سن کر دل مچلتا رہا ایسا لگ رہا تھا جیسے اوپر والوں کے آنے کی سب سے زیادہ مجھے ہی خوشی ہو رہی ہو...... بہرحال وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ نئے آنے والوں کے بارے میں اندازہ ہونے لگا، اماں، ابا، کالج کی طالب علم بیٹی، شادی شدہ بیٹا، بہو اور چار سالہ اور ڈھائی سالہ دو پوتے، پچھلے لوگ بھی اچھے تھے مگر یہ تو کچھ زیادہ ہی جوشیلے، زندہ دل اور ہر دم متحرک رہنے والے تھے۔ کیونکہ کاروباری لوگ تھے اور ابھی دونوں پوتے اسکول بھی نہیں جاتے تھے اور یقیناً لڑکی صبح خاموشی سے کالج نکل جاتی ہوگی۔ لہٰذا صبح کا ناشتا باورچن کے تقریباً دس ساڑھے دس بجے آنے پر شروع ہوتا تھا، اماں اور بہو مسلسل، باورچن کو روزانہ ایک جیسی ہدایات دیتیں انڈے تلواتیں، پراٹھے بنواتیں، برتن کھڑکاتی، چھوٹے بچوں کو چمکارتیں اور ابا اور بیٹے کو ناشتے پر آنے کے لیے پکارتیں...... جبکہ بیچ، بیچ میں ابا اور بیٹا کا اپنے کپڑوں جوتے، موزے کے لیے باورچی خانے میں آ، آ کر پوچھنا اور ساتھ ہنسی مذاق کرتے جانا بہت اچھا لگتا تھا۔ مجھے تو بیٹھے بٹھائے کئی

دوست مل گئے تھے جو میرے وجود سے تو یقیناً ناواقف تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ میں ان سب کو جانتی چلی جارہی تھی۔ دوپہر سے ان سب بھانت، بھانت کی آوازوں میں ایک نوجوان نسوانی مترنم ہنسی بھی شامل ہو جاتی۔ بے فکری، شوخ اور آزادی بھری یہ ہنسی مجھے بے حد اچھی لگتی، سچ پوچھا جائے تو جیسے اپنی بے فکری کی زندگی یاد آنے لگتی۔ پھر رات گئے تک یہ آواز چہکتی رہتی اور بات بے بات قہقہے بھی لگائی جاتی۔

یعنی پچھلے والوں کے برعکس یہ لوگ بہت زندہ دل، خوش مزاج اور ہنسوڑ تھے اور جلد ہی میں سب کے ناموں تک سے واقف ہو گئی۔ بس کبھی، کبھی دل چاہتا جھٹ اوپر جاکر مل آؤں پھر شوہر صاحب کی ہدایات یاد آجاتیں کہ مانا کہ ہم ایک ہی بلڈنگ میں رہ رہے ہیں مگر ایسے پوش علاقوں میں اس طرح بے مقصد کسی کے گھر ملنے جانا کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی بلکہ اکثر لوگ تو برا مان جاتے ہیں۔ پھر فرض کر لیا جائے کچھ اچھا سا پکا کر اوپر دینے کا بہانہ بنا کر میں چلی بھی جاؤں تو دروازے پر جو کوئی بھی آئے گا تو اسے کہوں گی کیا؟ ''وہ اصل میں کیونکہ ہمارے فلیٹوں کی ایک ہی ڈکٹ ہے لہٰذا میں باورچی خانے میں کھڑی آپ سب کی آوازیں سنتی رہتی ہوں اور آپ مجھے جانیں نہ جانیں میں آپ سب کو اچھی طرح جانتی ہوں لہٰذا اسی لیے ملنے آئی ہوں.....'' توبہ کس قدر بوگس سی بات لگے گی اور ..... شاید میں تو پوری بات بول بھی نہ پاؤں۔

ایک بات کا ادراک مجھے اس علاقے میں آکر ہو گیا تھا کہ یوں تو شوہر صاحب نے شادی کے پندرہ سالوں تک میری بہت ہی محنت سے تربیت کی تھی مگر ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود میں تو ابھی تک وہی غریب، متوسط طبقے کی شرمیلی، گھبرائی اور اپنے آپ میں رہنے والی نادم سی عورت تھی۔ مجھ میں ابھی تک اس قدر اعتماد یا بے باکی پیدا نہیں ہو سکی تھی کہ اس طرح آرام سے کسی بھی اجنبی کے گھر جا کر کچھ ایسی چکنی چپڑی باتیں کروں کہ فوراً ہی ان سب کی پکی دوست بن جاؤں۔ جبکہ شوہر صاحب کی بلڈنگ کے تقریباً تمام رہائشی مردوں سے اچھی سلام دعا ہو چکی تھی۔ کچھ ہی دنوں بعد شوہر صاحب نے ہی مجھے بتایا کہ ''بہت جلد اوپر والوں کے ہاں سے ہمیں شادی کی تقریب کی دعوت ملنے والی ہے۔'' اور پھر یہ بھی بتایا کہ ''شادی عبید صاحب کی اکلوتی بیٹی کی ہے، جس نے ابھی حال ہی میں یونیورسٹی سے بی ایس مکمل کیا ہے۔''

''اوہ اچھا تو شفق یونیورسٹی میں پڑھتی تھی، مجھے تو لگتا تھا کہ بہت کم عمر ہے تو اسے کالج کی طالبہ ہی سمجھتی رہی تھی۔''

میرے بے خیالی میں کہے جملے پر شوہر صاحب نے چونک کر غور سے مجھے دیکھا۔

''آپ اوپر والے ان لوگوں سے ملی ہیں کیا؟'' شوہر صاحب کے حیرت سے پوچھنے پر نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے بتانا پڑا۔

''ارے نہیں، میں کہاں سے مل سکتی ہوں۔ بس جو باورچی خانے میں اوپر سے آوازیں آتی رہتی ہیں ان سے ہی سب کی عمر اور رشتے کا اندازہ لگاتی رہی اور اسی طرح سب کے نام وغیرہ بھی پتا چل گئے۔''

اور اسی روانی کے ساتھ میں نے اوپر والوں کے ایک، ایک فرد کا نام، رشتہ اور یہاں تک کہ دونوں پوتوں کی عمر تک شوہر صاحب کو بتادی۔ میں جانتی تھی کہ شوہر صاحب کو میرا یہ سب بتانا کچھ خاص پسند نہیں آئے گا۔ اتنے پوش علاقے میں رہنے والی خاتون اس طرح دوسروں کی کن سوئیاں لیتی رہتی ہے بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ میں امیر شوہر کی بیوی ہوں۔ خلاف توقع شوہر صاحب مجھے امیر لوگوں کی عادت وسکنات ایک بار پھر سے سکھانے کے بجائے، بتانے لگے کہ ''بلڈنگ کے ایک اور معتبر رہائشی سلمان صاحب نے بتایا ہے کہ عبید صاحب جو کہ خود بھی کاروباری ہیں اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اپنے ہی جیسے کسی کاروباری خاندان میں کر رہے ہیں اور شاید لڑکی اس رشتے سے ناخوش ہے۔ سلمان صاحب تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ عبید

صاحب اپنے کاروبار میں ہونے والے حالیہ نقصان کو پورا کرنے کے لیے اپنی جوان بیٹی کی شادی وہاں زبردستی کررہے ہیں جبکہ لڑکی آگے پڑھنا چاہتی ہے۔''

مگر شوہر صاحب کی ہی کئی باتوں سے مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ سلمان صاحب لاکھ معتبر سہی مگر پوری بلڈنگ میں افواہیں پھیلانے اور جھوٹے الزامات لگانے میں ماہر گردانے جاتے ہیں اور پھر آج کل کی تو لڑکیاں بھی چاہتی ہیں کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی شادی کریں ضروری تو نہیں کہ ہر جگہ ناکام محبت کا ہی رونا ہو۔ لہٰذا میں نے شوہر صاحب کی بات کا زیادہ نوٹس نہیں لیا بلکہ ایک الگ طرح کی خوشی مجھے محسوس ہونے لگی۔

ایسا لگتا جیسے شادی میری ہی کسی عزیز ہستی کی ہورہی ہے۔ جہاں پہلے ہی اوپر سے اس قدر شور مچاتے، ہنستے، کھیلتے رہائشی تھے تو جب ان کے گھر میں ایسا مبارک موقع ہوگا تو کیا کچھ نہ ہلچل مچے گی۔ یہ سوچ کر میں الگ طرح کے انتظار میں مشغول ہوگئی مگر خلاف توقع اوپر ایک عجیب سی خاموشی نے ڈیرا جمع لیا تھا۔ اب تو ناشتے کے وقت دونوں پوتے اپنی توتلی آواز میں طرح، طرح کی نظمیں گاتے رہتے مگر کوئی ان پر ہنستا تو کیا، شاباشی کے دو لفظ تک نہیں بولتا۔ کھانے پینے کا معمول تو وہی تھا مگر اب باپ، بیٹا بار، بار باورچی خانے میں آکر جوتے، موزے، کپڑوں کے گم ہونے یا نہ ملنے کی شکایت ہی کرتے اور نہ ہی بہو ملازمہ یا باورچن کے ساتھ، ساتھ بک، بک جھک، جھک کرتی۔ سب سے زیادہ جس کے نہ ہونے کو میں نے شدت سے محسوس کیا وہ تھی وہی نسوانی جاندار زندگی سے لبریز ہنسی......ایک خیال آیا کہ شاید ان لوگوں کو بیٹی کی رخصتی یا بچھڑ جانے نے اداس کردیا ہے مگر پھر بھی کبھی کبھار تو انسان اپنی بیٹی کی شادی کا سوچ کر خوش ہو ہی جاتا ہے اور پھر وہ......شفق......جس کا نام بھی خوب صورت، آواز اور انداز بیان بھی حسین اور ہنسی تو جیسے پھولوں کی کھلکھلانے جیسی وہ اس قدر خاموش کیسے رہ سکتی ہے۔

سچ کہوں تو میں بہت ہی مایوس ہوگئی تھی جیسا سوچا تھا ویسا تو کچھ بھی نہیں ہورہا تھا اس سے زیادہ پُر رونق تو ہمارے غریب متوسط طبقے کی شادیاں ہوتی ہیں جہاں ہر دم تقریب کے اخراجات پورے کرنے اور تمام روٹھے رشتے داروں کو منانے کی مہمات کا لائحہ عمل بھی باقاعدہ اسپیکر پر زور شور سے شادی کے گانے لگا کر طے کیا جاتا ہے اور جس قدر بھی مشکل حالات ہوں ہم لوگ ''انجوائے'' کرنا نہیں بھولتے۔ پتا نہیں کیوں وقت گزرنے کے ساتھ دل میں عجیب سے وہم آتے جارہے تھے......حادثے کے روز میں انجانے میں ہی مسلسل دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی۔

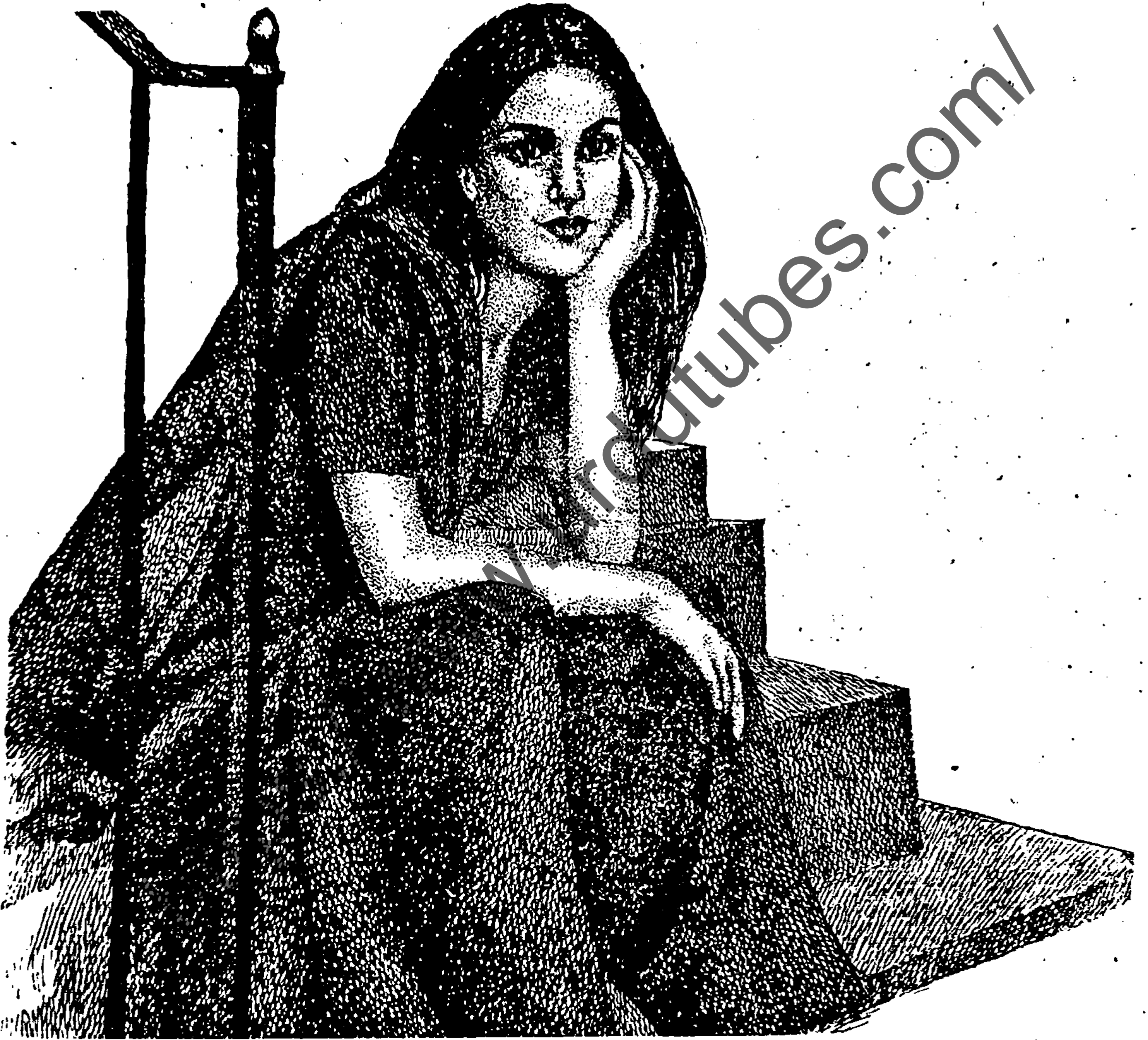
''میرے اللہ جو ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے وہ پہلی ہی نظر میں ہمیں پسند کیوں نہیں آجاتا۔ بس تو بے قرار دلوں کو قرار دے، دے میرے مالک۔''

شام کو شوہر صاحب کی واپسی پر حادثے کا پتا چلا اور یہ بھی کہ چوتھی منزل سے گرتے وقت اتفاقاً اسی وقت نیچے بجری بھرا ٹرک گزر رہا تھا لہٰذا بجری کے بھرے ٹرک پر گرنے سے معمولی چوٹیں آئیں تھیں اور شام تک ہی شفق واپس گھر آگئی تھی۔ میں جانتی تھی کہ شوہر صاحب کو بتاؤں گی تو وہ یہی کہیں گے کہ بڑے گھر کی بیبیاں اس طرح کے واقعات سن کر فوراً کن سوئیاں لینے دوڑ نہیں جاتیں بلکہ ایسے ظاہر کرتی ہیں جیسے ان کو تو کچھ معلوم ہی نہیں چلا۔ مگر اب میرے لیے سب کچھ سہنا بہت مشکل ہوتا جارہا تھا۔ میں جانتی ہوں اکیلا ہونا تنہا ہو جانا یا بغیر مرضی قید کردیے جانا کیسا جان لیوا ہوتا ہے۔ شاید میں اس سے مل کر اسے زاوِ راست پر لاسکوں، یہ سمجھا سکوں کہ امیر ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ نے عورت کی ہستی میں اس قدر صبر، تحمل و برداشت پیدا کردی ہے کہ وہ ساری عمر ناپسندیدہ زندگی گزار سکتی ہے کیونکہ عورت ہونے کے ناتے اس سے ایسی ہی کچھ توقع کی جاتی ہے......رہ گیا یہ عشق...... تو عشق تو سراسر توفیق ہے......اور ہر کسی کو یہ توفیق کہاں نصیب ہوتی ہے۔



لفظوں کا سفر

شفا سعید



میرا نام سحر ہے۔

جی ہاں، وہی سحر جو دن کے اجالے کی امید بن کر طلوع ہوتی ہے مگر خود ہمیشہ اندھیروں میں رہ جاتی ہے۔ نہ جانے میری ماں نے یہ نام کیا سوچ کر رکھا تھا لیکن میں نے خود کو ہمیشہ ایک ادھورے جملے کی طرح پایا۔ مجھے لکھنے کا شوق بچپن سے تھا، گڑیا کے بکسے میں چاکلیٹ کے خالی ریپرز پر کہانیاں لکھا کرتی تھی۔ وہ سب کہانیاں ایک جیسی ہوتیں مگر مجھے لگتا جیسے میں دنیا

کی سب سے انوکھی لکھاری ہوں۔

جوں، جوں عمر بڑھی، لفظوں کی دنیا نے مجھے جکڑ لیا۔ کالج کی لائبریری میں دیگر طالبات کورس کی کتابیں پڑھتی تھیں اور میں بوسیدہ صفحات پر چھپی اردو کی کہانیوں میں کھوئی رہتی تھی۔ ہر قسم کے رسالے... میری دنیا کے محور تھے۔ مجھے بھی ان صفحات پر اپنی لکھی کوئی تحریر دیکھنے کی خواہش تھی لیکن یہ خواہش ایک عرصے تک صرف خواہش ہی رہی۔

میں نے جب پہلی بار اپنی لکھی ہوئی کہانی ''خاموش آوازیں'' ایک ڈائجسٹ کو بھیجی تو دل میں امید کا چراغ جل رہا تھا مگر مہینے بعد ایک لفافے میں بند ایک پرچہ موصول ہوا جس میں فقط یہ لکھا تھا۔

''معذرت، آپ کی تحریر ہمارے معیار پر پوری نہیں اتری۔''

دل ایسے بیٹھ گیا جیسے کسی نے دھڑکنوں کا کنکشن کاٹ دیا ہو مگر میں نے ہمت نہیں ہاری۔

ایک کے بعد ایک کہانی لکھتی گئی، ترمیم کی، الفاظ چنے، جذبات سنوارے اور دوبارہ بھیجا مگر ہر بار جواب وہی تھا......

''معذرت!''

کبھی، کبھی تو خط بھی نہیں آتا جیسے میری محنت نے کسی اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دی ہو۔

ایک دن محلے کی آنٹی ناہید خالہ میرے کمرے میں آئیں، میرے بکھرے اوراق، ریجیکٹ شدہ لفافے معذرت کے کاغذ اور تھکی آنکھیں دیکھ کر بولیں۔

''سحر! کہانی لکھنا صرف الفاظ کا کھیل نہیں ہوتا، یہ درد، سچائی اور تجربے کا نچوڑ ہوتا ہے۔''

میں نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''تم نے زندگی میں کیا کھویا، کیا پایا، کیا جانا، کیا سیکھا؟ وہ سب لکھو، ایسی کہانی لکھو جو تمہیں بھی رلا دے، تبھی قاری بھی روئے گا۔''

ان کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی۔ میں نے اپنی زندگی کے سچ کو چھوا، اپنے جذبوں کو الفاظ میں ڈھالا اور ایک نئی کہانی ''آخری لفظ'' لکھی۔ یہ کہانی میری اپنی تھی، میری جدوجہد، میری خاموشیوں کی داستان اور میری چھوٹی، چھوٹی امیدوں کی روداد۔

پھر وہی پرانا راستہ...... لفافہ تیار کیا، ٹکٹ لگایا، دعائیں کیں اور پوسٹ کر دیا۔ مہینہ گزرا پھر دوسرا اور جب تیسرا آیا تو میں نے خود کو سمجھا لیا کہ شاید اس بار بھی کچھ نہیں ہوگا۔

مگر ایک صبح ڈاکیا آیا، ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے اسے کھولا اور الفاظ میرے سامنے جھومنے لگے۔

''ہمیں آپ کی کہانی ''آخری لفظ'' بے حد پسند آئی، یہ اگلے شمارے میں شامل کی جا رہی ہے۔''

میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ ساری ریجیکشن، تھکن، شکوے، سب کسی اور دنیا میں جا چکے تھے۔ اب میں ایک شائع شدہ مصنفہ تھی۔

یہ صرف ایک کہانی کی کامیابی نہیں تھی، یہ میرے لفظوں کے سفر کی پہلی منزل تھی۔

اب مجھے اور بھی کہانیاں لکھنی تھیں اور شاید کسی دن میں بھی ناہید خالہ بن جاؤں...... کسی نئی سحر کو لفظوں کا سفر دکھانے کے لیے۔

وقت گزرنے لگا اور میں نے لکھنا جاری رکھا۔ اب کہانیاں میرے دل سے نکلتی تھیں اور قارئین کے دلوں میں اترتی تھیں۔ مجھے خطوط آنے لگے...... نئے لکھاریوں کے، قارئین کے اور ان لڑکیوں کے جو خود کو میری تحریروں میں تلاش کرتی تھیں۔ ہر خط میں کوئی نہ کوئی کہتا......

''آپ کی کہانی نے میری زندگی بدل دی۔''

ایک دن ایک دوشیزہ جانے کہاں سے مجھے تلاش کرتی میرے پاس آئی۔ اس کی آنکھوں میں وہی سوال تھا جو کبھی میری آنکھوں میں ہوا کرتا تھا۔

''آپ نے کیسے ہار نہیں مانی؟''

''ہار تو تب مانی جاتی ہے جب خواب ختم ہو جائیں اور میرا خواب ہر ریجیکشن کے بعد اور بھی نکھر

جاتا تھا۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور کہا۔

''اب جب میں لفظ لکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے ہر سطر کے ساتھ میرا ماضی میرے آگے بچھ رہا ہو اور ہر قاری میرے ساتھ چل رہا ہو۔ میں اب صرف لکھاری نہیں ایک راستہ ہوں ان سب کے لیے جو لفظوں کی دنیا میں اپنی پہچان بنانا چاہتے ہیں۔ سچ کہوں تو...... میری کامیابی صرف میری نہیں رہی، وہ ان سب کے لیے امید بن چکی ہے جنہیں آج بھی پہلا خط، پہلا لفافہ اور پہلا انکار یاد ہے۔'' میں لمحہ بھر کو رکی۔

''کبھی، کبھی جب پرانے پرچے دیکھتی ہوں جن پر بڑے حروف میں ''مسترد شدہ'' کی مہر لگی ہوتی تھی تو دل میں عجیب سا سکون اتر آتا ہے۔ وہ لفافے، وہ کاغذ اب مجھے دکھ نہیں دیتے بلکہ یہ یاد دلاتے ہیں کہ انہی انکاروں نے مجھے تراشا، مجھے سکھایا کہ لفظوں کی دنیا میں کوئی راہ آسان نہیں ہوتی لیکن وہی راہیں منزل کی طرف لے جاتی ہیں جو سب سے کٹھن ہوں۔''

پھر بالآخر وہ دن بھی آیا جب ایک نئے ڈائجسٹ کے ایڈیٹر نے مجھے خاص دعوت پر بلا کر کہا۔

''ہم چاہتے ہیں آپ ہمارے نوآموز لکھاریوں کے لیے ورکشاپس لیں۔ آپ کی کہانیوں میں سچ ہے اور سچ لکھنے والا ہی اصل استاد ہوتا ہے۔''

میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا مگر دل ہی دل میں ناہید خالہ کا شکریہ ادا کرتی رہی کہ جن کی ایک سادہ سی نصیحت نے میرے لفظوں میں روح پھونکی تھی۔

اب میری زندگی کا مقصد صرف لکھنا نہیں رہا، سکھانا بھی تھا، وہ سب کچھ جو میں نے برسوں میں سیکھا، جو دل کے زخموں سے حاصل کیا، جو راتوں کی تنہائیوں نے مجھے سونپا...... اب میں یہ چاہتی تھی کہ وہ سب کسی اور کے لیے چراغِ راہ بن جائے۔ میں چاہتی تھی کہ ہر وہ لڑکی جو اپنے لفظوں کو صرف ڈائری کے صفحے تک محدود سمجھتی ہے وہ بھی جان لے کہ ایک کہانی، ایک دل سے لکھی تحریر دنیا بدل سکتی ہے...... بشرطیکہ وہ دلی جذبات سے لکھی جائے۔

دو سال بعد ایک شام مجھے ایک تقریب کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ یہ ''قومی اردو ادب ایوارڈز'' کی سالانہ تقریب تھی۔ میں نے پہلے پہل اسے رسمی سا خط سمجھ کر نظر انداز کر دیا مگر پھر جب خط کے آخر میں پڑھا...... ''آپ کی خدمات کے اعتراف میں ہمیں فخر ہے کہ اس سال کی ''بہترین ابھرتی ہوئی لکھاری'' کا ایوارڈ آپ کے نام کیا جا رہا ہے'' تو دل جیسے کسی انجانے جذبے سے لبریز ہو گیا۔ میں نے وہ خط سینے سے لگا لیا۔ وہ لڑکی جو برسوں پہلے چھپ چھپ کر کہانیاں لکھا کرتی تھی اب قومی سطح پر سراہی جا رہی تھی۔ پہچانی جا رہی تھی۔

ایوارڈ کی تقریب میں جب میرا نام اسٹیج پر پکارا گیا تو تالیاں گونج اٹھیں۔ میں اسٹیج پر پہنچی تو میری آنکھوں کے سامنے وہ سب منظر آ گئے...... پہلا ریجیکشن، پہلا آنسو، ناہید خالہ کی آواز اور ماں کی دعا۔

مائیک پر آ کر میں نے صرف اتنا کہا۔

''یہ ایوارڈ میرے لیے نہیں...... ان سب کے لیے ہے جو لفظوں سے محبت کرتے ہیں مگر جانے کیوں ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ کسی بھی موقع پر ہارنا فطری امر ہے مگر لکھنا تو ایک عبادت ہے۔ عبادت کو کبھی رد نہیں کیا جاتا، وہ ضرور قبول ہوتی ہے، بس وقت لگتا ہے۔''

تقریب کے بعد ایک نوجوان لڑکی میرے پاس آئی۔ آنکھوں میں وہی چمک تھی جو کبھی میرے اندر تھی۔

''باجی! میری بھی کہانی بار، بار رد ہو رہی ہے، کیا میں بھی کبھی آپ کی طرح بن سکتی ہوں؟''

میں نے اس کا ہاتھ تھاما، مسکرائی اور کہا۔

''نہیں...... تم میرے جیسی نہ بنو، تم خود اپنی مثال آپ بنو، اپنی کہانی لکھو۔ تمہاری آواز تمہاری ہے، اسے دنیا سننا چاہے گی، بس کبھی ہار نہیں ماننا۔''

اب سحر صرف ایک لکھاری نہیں رہی، وہ ایک مثال، ایک مینارۂ نور بن چکی تھی اور اس کی روشنی بہت سی خاموش سحر جیسی لڑکیوں کے اندر لفظوں کی ایک نئی دنیا جگا رہی تھی۔



ناولٹ

میں طاہرہ سے شادی نہیں کروں گا

شیریں حیدر



''میں طاہرہ سے شادی نہیں کروں گا!'' پھپھو نے کہا، بات تھی یا بم دھماکا۔

''یہ کیا بات ہے بیدی؟'' دادی نے کہا۔ ''کون کہتا ہے ایسا؟''

''وسیم نے کہا ہے اماں!'' پھپھو نے وضاحت کی حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ وہی انکار کرے گا ناں جس کے ساتھ طاہرہ کی شادی ہونے والی تھی۔

ہم سب ہونقوں کی طرح پلٹے اور اپنے، اپنے مورچے سے انہیں دیکھنے لگے، میں اماں کے ساتھ باورچی خانے میں تھی۔ جس کے ہاتھ میں جو کام تھا وہ وہیں رک گیا۔ دادی کے منہ سے پان کی پیک پھسل کر اُن کے دیوان کی سفید چادر پر آرٹ کا نمونہ بناتی ہوئی فرش کو چھونے لگی۔ میرے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر سنک میں گرا...... مگر شکر ہے کہ پیالہ پلاسٹک کا تھا۔ اماں کے ہاتھ میں گھی سے بھری ہوئی ڈوئی انہیں بوجھل لگنے لگی تو انہوں نے اسے دیگچے میں واپس رکھ دیا مگر وہ دیگچہ سالن کا نہیں بلکہ چائے کا تھا، اب ہم سب کو تڑکے والی چائے ملنے والی تھی۔ جتنی دیر میں اماں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، وہ ڈوئی چائے میں اپنا کام کر چکی تھی۔

اب اس چائے اور گھی کو الگ کرنا ناممکن تھا اور نہ صرف گھی ضائع ہوا تھا بلکہ چائے بھی۔ اسی وقت وسیم بھی گھر میں داخل ہوا تھا۔

''کیوں بھئی ؟'' سب سے پہلے دادی نے غصے سے پوچھا اور اس سے بھی پان کی ایک ہلکی سی بوچھاڑ پھپھو کے منہ پر پڑی جو اپنی ماں کے قریب ہی گھس کر بیٹھی تھیں۔ ''اسے کیا اب سرخاب کے پر لگ گئے ہیں؟''

''اماں، میرے منہ پر بارش تو نہ کریں۔'' پھپھو اٹھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ ''آپ رکیں، مجھے اس سے بات کرنے دیں، جوان اولاد ہے، باغی ہو جائے تو والدین کو ہی سنبھالنا پڑتا ہے۔''

''میں اس کی ماں کی ماں ہوں...... تو مجھے کیا کاکی سمجھتی ہے؟'' دادی نے چتون چڑھا کر کہا۔

''اماں!'' پھپھو نے احتجاج کیا۔

انہیں اپنے بیٹے اور اس سے بڑھ کر اپنی بھاوج اور اس کی چھوٹی بیٹی کے سامنے اپنی بے عزتی پسند نہیں آئی تھی۔ میں چھوٹی یعنی، ماہرہ، بڑی کا نام طاہرہ ہے۔ کسی کام کاج میں تو میں ایسی خاص ماہر نہیں لیکن میری مہارت کا میدان اور ہی ہے۔ میں سمجھنا چاہ رہی تھی کہ اچانک وسیم کو ہوا کیا تھا کہ میری اتنی سگھڑ، سلیقہ شعار، خوش شکل اور خدمت گزار بہن میں اسے کوئی ایسا نقص نظر آ گیا تھا کہ اس نے طاہرہ کے ساتھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا جسے اس کی اماں یعنی ہماری پھپھو نے اس کی پیدائش پر ہی اپنے سپوت کے لیے مانگ لیا تھا اور ان کے لڑکپن میں باقاعدہ طاہرہ کو انگوٹھی پہنا کر منگنی کا اعلان کر دیا تھا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

''کیا بات ہے چھیمے؟'' دادی نے اسے پکارا، یہ بھی اچھا تھا کہ دادی اسے اس کی اوقات میں ہی رکھتی تھیں۔ ہم دادی کی پسندیدہ پوتیاں تھیں اور ہم میں سے کسی کو کوئی ٹھکرائے، یہ دادی کہاں برداشت کر سکتی تھیں۔

''چھیما نہ کہا کریں مجھے نانی!'' اس نے فوراً احتجاج کیا۔

''تو اور کیا کہوں تجھے کم بخت؟'' دادی نے غصے سے کہا۔ ''کم بخت، اپنے باپ کی طرح تو بھی جنے کیا سوچتا اور چاہتا ہے۔ اس نے بھی جوانی میں اپنے بچپن کی امنگ کو ٹھکرا دیا تھا۔''

''پھر تو یہ جراثیم مجھے وراثت میں ملے ہیں نانی، میرا کوئی قصور نہ ہوا ناں اس میں۔'' اس نے دانت نکال کر کہا۔ ''ویسے وہ تھی کون دادی جسے ابا نے ٹھکرایا تھا؟'' اس نے تجسس سے سوال کیا۔ ''اور کس کی خاطر ٹھکرایا تھا؟''

''جس کی خاطر ٹھکرایا تھا، وہ تو تھی اس کے محلے کے کسی دکاندار کی بہن......''

''اور جسے ٹھکرایا تھا......وہ؟''

''وہ ہے یہی تیری اماں!'' دادی نے کہا تو میری ہنسی، رکی قابو نہ ہو سکی اور اماں کی گھوری نے مجھے خاموش کروا دیا۔

''اے بہو، ابھی تک چائے نہیں گلی تیری؟'' دادی نے صدا لگائی جیسے وسیم کی بات سن کر اماں کو اتنی خوشی ہوئی ہو گی کہ وہ چائے کے ساتھ مٹھائی کا ڈبا بھی لانے والی ہوں گی۔

''چائے تو گل بھی گئی دادی اور اس کو تڑکا بھی لگا دیا ہے!'' میں نے لاؤنج میں آ کر ان کی چارپائی پر بیٹھ کر پیروں کو جھلاتے ہوئے کہا، دادی کو اس سے بہت چڑ ہوتی تھی، یہی اس وقت میں چاہ رہی تھی کہ دادی اتنے غصے میں آ جائیں کہ اس بھنگی وسیم کی اچھی مرمت کر کے بھیجیں۔

''چائے کو تڑکا؟'' دادی نے حیرت سے اماں کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔ ''ایک تو یہ تو کم بخت جو چارپائی پر بیٹھ کر پاؤں جھلاتی ہے ناں......اس سے مجھے بہت چڑ ہوتی ہے۔'' وسیم کا غصہ مجھ پر اترا، لو جی، کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

''دادی!'' میں نے پاؤں روک لیے۔ ''جب میں کوئی دکھ کی بات سنتی ہوں ناں تو میرے پاؤں خود بخود ہلنا شروع ہو جاتے ہیں۔'' میں نے مسکین سی شکل بنائی۔

"اے ہے تو نے کیا دکھ کی خبر سن لی، فیل ہو گئی ہو کیا امتحان میں؟" دادی نے عینک کے عقب سے گھورا تھا۔

"نہیں نانی، اپنی ماہرہ تو بہت ذہین ہے، وہ کیسے فیل ہو سکتی ہے۔" وسیم نے میرا ووٹ حاصل کرنے کے لیے میری خوشامد کی۔

"ذہین اور میں!" میں نے نفی کر کہا۔ "ذہین تو طاہرہ ہے، استاد بھی اس سے کھچتے ہیں، ایسا ایسا نکتہ اٹھاتی ہے کہ استادوں کو بھی بوکھلا دیتی ہے۔ اس کے اساتذہ تو اکثر کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا وہ طاہرہ سے کیسے نمٹیں..." میں نے طاہرہ کی تعریف میں آسمان اور زمین کے قلابے ملائے جو کہ پورے کے پورے سچ تھے۔

"ذہانت صرف امتحان میں پڑھائی ہی کا نام تو نہیں ہے....." وسیم فوراً گویا ہوا۔ "پڑھ پڑھ کر انسان کو عینک لگ جائے اور اس کی شکل ہی بدل جائے تو کیا فائدہ؟ مجھے تو عینک لگانے والی لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔" اس نے کہا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اسے طاہرہ سے ساری تکلیف اس عینک کی تھی جو اسے چند روز پہلے ہی لگی تھی۔ ظاہر ہے کہ پڑھا کو بھی ہو اور پڑھائی کا خبط کہ رات کو کم روشنی میں چندھیا، چندھیا کر پڑھیں تو ایسا ہی ہوگا ناں۔

"دادی آپ کو بھی پڑھائی کی وجہ سے عینک لگی تھی؟" میں نے چائے انہیں پیش کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔ اماں نے چائے دوبارہ بنا کر ساتھ بسکٹ ایک پلیٹ میں رکھ کر ٹرے تیار کر کے مجھے بلایا تھا کہ چائے پیش کر دوں۔

"اے ہے، یہ کیا مخول ہوا دادی کے ساتھ؟" انہوں نے کہا تو مجھے سمجھ میں نہ آیا کہ میری بات انہیں مخول لگی تھی یا چائے کے ساتھ خالی بسکٹ کی ایک پلیٹ۔

"کیوں دادی، کیا مخول کیا ہے میں نے؟" میں نے معصومیت کی اداکاری کی۔

"یہی جو اپنی دادی کی جہالت کا مذاق اڑا رہی ہو۔" انہوں نے چائے کے ساتھ دو بسکٹ اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیے۔

"ہرگز نہیں دادی، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔" میں نے فوراً ان کے سامنے کانوں کو چھوا۔ دادی سے ہمیں اور دادی کو ہم سے بہت پیار تھا۔

"خالی بسکٹ؟" پھپھو کی سرگوشی نے میرے کانوں کو چھوا۔

"تو اور کیا تمہیں اس بات کی مٹھائی کھلائیں کہ تمہارا سپوت ہماری بیٹی کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کرنے کو آیا ہے؟" دادی نے پھپھو کو گھور کر سوال کیا۔ "... خالی بسکٹ ہیں، ان کے اندر جیا بیٹ کریم بھری ہوئی ہے۔" دادی نے مسکرا کر کہا۔

"آج کل تو وزیر اعظم کے گھر پر بھی لوگوں کو خالی چائے کا کپ ملتا ہے، اگر کوئی بہت خصوصی مہمان ہو تو اس کے ساتھ سادہ بسکٹ دیے جاتے ہیں پھپھو، ان میں کریم بھی نہیں بھری ہوئی ہوتی ہے۔" میں نے بھی اضافہ کیا۔ پھپھو نے مجبوراً تین بسکٹ اکٹھے ہی اپنی پلیٹ میں رکھ لیے، بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی۔ میں انہیں ان کا پتا چھوڑ کر اپنے اور طاہرہ کے مشترکہ کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا رکھا تھا تاکہ باہر کی آوازیں آتی رہیں۔

اس چھوٹے سے گھر صاف ستھرے اور سلیقے سے سجے گھر میں لاؤنج مرکزی کمرا تھا اور اس میں ہر طرف دروازے ہی دروازے تھے، چار سونے کے کمرے تھے، ایک ہم دونوں بہنوں کا، ایک ابا اور اماں کا، ایک دادی کا اور چوتھا کمرا معمول میں طاہرہ پڑھائی کے لیے استعمال کرتی تھی اور اگر کوئی مہمان آ جاتا تو وہ اپنی کتابیں الماری میں بند کر کے، ضرورت کی کتابیں اپنے کمرے میں لے آتی تھی۔ اب یوں بھی مہمان کون اور کب آتا تھا، کبھی کبھار نانی آ جاتیں کسی ماموں کے ساتھ چار دن کے لیے۔ اس کے علاوہ اسی لاؤنج میں سے باورچی خانے، کھانے کے کمرے اور بیٹھک کے دروازے بھی تھے اور ایک دروازہ باہر نکلنے کا تھا، سو ہر دیوار میں دو، دو دروازے تھے۔ سیڑھیاں

اس لاؤنج سے باہر نکل کر اوپر جاتی تھیں، اوپر کا حصہ تعمیر کے دوران ہی نامکمل چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ ابا کے پاس مزید رقم نہیں بچی تھی۔ چند دیواریں بنی ہوئی تھیں اور مٹی کے اوپر چھت بھی پڑی ہوئی تھی، اس مٹی والے کمرے کو اسٹور کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یوں تو چھت پر اور کچھ نہ تھا تاہم سردیوں میں ہم کبھی کبھار چھت پر چلے جاتے تھے، دھوپ میں بیٹھ کر کنو اور مونگ پھلیاں کھانے کا اپنا ہی ایک مزہ تھا۔

''اپنی مرضی سے شادی کرنا ہر کسی کا حق ہے اماں، اب بچہ جوان ہے، میں اس کی زبردستی شادی کر کے طاہرہ کو لے جاؤں، طاہرہ بھی میری بیٹی ہے اور یہ اسے خوش نہ رکھے تو اس کی تکلیف کس کو ہوگی؟'' پھپھو کی آواز آئی۔

ان کی بات میں بھی سچائی تھی کہ مجبور کر کے کسی بھی فریق کو شادی نبھانے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نہ ہی طاہرہ میں ایسا کوئی عیب تھا کہ ہم اس کی ایسے پاس وسیم کے ساتھ اس کی زبردستی شادی کر دیتے جو کہ اپنے ابا کی دکان پر کام کرتا تھا...... بلکہ کام نہیں کرتا تھا۔ دکان پر جا کر شاہانہ انداز میں ملازمین پر رعب جھاڑتا اور بعد میں پھوپا سے ڈانٹ کھاتا۔ پھوپا بھی اسے کم ہی دکان پر بٹھاتے تھے کیونکہ وہ ان کے کئی پرانے اور وفادار ملازمین کو بھگا چکا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ پھوپا اس کو کوئی علیحدہ کاروبار سیٹ کر کے دیں مگر پھوپا کے کاروبار کو اور کس نے سنبھالنا تھا۔ چار بیٹیاں تھیں اور وہ اکلوتا سپوت۔

طاہرہ اس وقت انگریزی ادب میں ماسٹرز کر رہی تھی، وہ انتہائی ذہین تھی اور مجھ سے وہ تین سال بڑی تھی مگر ہم دونوں ایک ہی عمر کی دکھتی تھیں۔ ہماری پسند اور ناپسند بھی ملتی تھی، سوائے وسیم کے۔ طاہرہ کو وسیم بہت پسند تھا، شاید ہر مشرقی لڑکی کی طرح اس نے بھی بچپن سے ہی اس کا نام اپنے نام کے ساتھ سنا تھا تو وہ اسے چاہنے لگی تھی۔ پچھلی دفعہ کے پھپھو کے دورے تک بھی وہ طاہرہ کا والا اور شیدا تھا، جس طرح اس روز وہ اٹھ کر پھپھو کے ساتھ چلا گیا تھا، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ پھپھو کے جانے کے بعد بھی رک جاتا تھا، اسے موقع چاہیے ہوتا تھا کہ کچھ وقت وہ طاہرہ کے ساتھ باتیں کر سکے۔ کبھی آتے ہی کہتا۔ ''اماں! آپ نانی کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں، میں ماہرہ اور طاہرہ کو آئس کریم کھلا کر لاتا ہوں۔'' کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا تھا، ہاں ایسا ابا کے سامنے نہیں ہوتا تھا، جب ابا گھر پر نہیں ہوتے تھے تو اس وقت اسے یہ موقع ملتا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ چلی جاتی تھی کیونکہ مجھے علم تھا کہ طاہرہ کا بھی من چاہتا تھا کہ وسیم کے ساتھ وقت گزارے۔ اب طاہرہ کو عینک لگ جانے کا تو وسیم نے شاید بہانہ ہی بنایا تھا، یقیناً کوئی اور چکر تھا، شاید کوئی لڑکی۔ جانے وہ کون تھی، اس کا سراغ لگانا ضروری تھا۔

پھپھو چائے پی کر روانہ ہوئیں، وسیم بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا تھا، دادی نے ان کے جانے کے بعد مجھے اور اماں دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ اماں ہاتھ دھو کر باورچی خانے سے نکلیں، جتنی دیر پھپھو رہی تھیں، انہوں نے اپنی سلطنت (باورچی خانہ) سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ وہ آ بیٹھیں، میں نے ان کے لیے کپ میں چائے انڈیلی اور بچے ہوئے دو بسکٹ بھی ان کی پرچ میں رکھ دیے۔ انہوں نے مشکور نظر سے میری طرف دیکھا، بس اتنا ہی ہوتا تھا، اماں کو منہ سے بول کر شکریہ ادا کرنے کی عادت نہ تھی بلکہ اپنے کسی جذبے کے اظہار کی عادت نہیں تھی۔ اب اسی کو دیکھ لیں کہ وہ ساری بات چیت سن رہی تھیں اور دل میں پیچ و تاب بھی کھا رہی ہوں گی مگر نہ لاؤنج میں آئیں اور نہ ہی ماں بیٹی کی بات میں مداخلت کی تھی۔

''تم دونوں فی الحال یہ بات نہ سجاد کو بتانا اور نہ ہی طاہرہ کو!'' دادی نے مجھ سے اور اماں سے کہا۔

''یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی ہے اماں؟'' اماں نے نکتۂ اعتراض اٹھایا۔

''میں نے اسی لیے فی الحال کہا ہے۔'' دادی نے

اماں کو گھورا۔ ''پوری بات دھیان سے سنتی نہیں ہو۔''

''اس فی الحال کا عرصہ کتنا ہوگا اور اس کے بعد کیا ہوگا اماں؟'' اماں نے سوال کیا۔

''تمہیں علم ہے ناں جب زبیدہ (پھپو) کے میاں نے اس کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تھا، اس وقت بھی مجھے میری ساس نے یہی کہا تھا جو بات میں اس وقت تمہیں کہہ رہی ہوں۔ سب لڑکے بالوں پر ایسا وقت آتا ہے جب جوانی چڑھتی ہے اور جھاڑی پر پڑا لال کپڑا بھی لڑکی کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ زبیدہ بتا رہی تھی کہ کسی اور لڑکی کا ہی چکر ہے، بالکل ایسے ہی جیسے اس کے باپ کے ساتھ ہوا تھا۔ جلد ہی عشق کا بخار اتر گیا کیونکہ اس کا عشق یک طرفہ تھا۔ اس کی شادی بھی بالآخر زبیدہ سے ہی ہوئی تھی۔ اسے بھی چار دن پینگیں چڑھا لینے دو، دیکھ لینا پلٹ کر یہیں آئے گا۔'' دادی کے لہجے کا وثوق ایسا تھا کہ شاید انہیں خود پر بھی یقین نہ تھا۔

''زبیدہ سے انہیں شادی اس لیے کرنا پڑی کہ ان کی اماں نے دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دے دی تھی اور ابا نے اسے عاق کرنے کی، وہ بھی صرف اس لیے کہ ان کی بیٹی کا اس گھر میں بیاہ ہوا تھا، یہ شادی نہ کرتے تو ان کی بہن بھی لوٹ کر واپس آ جاتی۔'' اماں آہستگی سے گویا ہوئیں۔ ''ہماری بیٹی میں کون سا کوئی ایسا عیب ہے کہ کوئی اسے ٹھکرا دے، جب طاہرہ کی پیدائش کے وقت زبیدہ نے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ مانگا تو میں نے اس وقت بہن بھائی کے پیار کے بیچ دیوار نہ بننے کی وجہ سے خاموشی اختیار کی تھی اماں ورنہ میری طاہرہ کو رشتوں کی آج بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ آپ بے شک طاہرہ کو علم ہونے دیں اور اس کے ابا کو بھی، میں جانتی ہوں کہ طاہرہ کو بھی وسیم اچھا لگتا ہے مگر صرف اس لیے اماں کہ ہم نے اسے گھٹی دیتے وقت ہی یہ بتا دیا تھا کہ وسیم کے ساتھ اس کی شادی ہو گی۔ لڑکیاں بھی کچے ذہنوں کی ہوتی ہیں، ان کے ذہنوں پر بھی جو چھاپ لگتی ہے، وہ مہندی کی طرح چار دن کے بعد چھوٹ جاتی ہے۔ طاہرہ بھی اسے بھول جائے گی، یوں بھی اسے ابھی بہت پڑھنا ہے۔ زبیدہ چاہے تو وسیم کا بیاہ اس لڑکی سے کر دے جسے وہ چاہتا ہے۔'' اماں نے پورے استحقاق سے کہا تھا۔

☆☆☆

''یہ تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو ناں مینا؟'' طاہرہ نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ جب اس نے پہلے پہل بولنا شروع کیا تو وہ مجھے مینا کہنے لگی، اسی سے میرا یہ نام پڑا اور وہ ہمیشہ مجھے مینا ہی کہتی تھی۔ میں نے بھی جواب میں بڑے ہو کر اس کا پیار کا نام ٹینا رکھ دیا تھا جسے ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔

''نہیں ٹینا یہ مذاق نہیں ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن اچھا ہی ہوا کہ تمہاری کوشش کے بغیر ہی تمہاری اس سے جان چھوٹ گئی۔'' وہ میرا منہ دیکھنے لگی، کچھ بھی نہ کہا۔

شام کو ابا کی آمد ہوئی، باقی سب کچھ معمول کے مطابق ہی لگ رہا تھا مگر ابا کو کچھ کھچاؤ محسوس ہوا تو انہوں نے پہلے اماں اور دادی سے اور پھر مجھ سے پوچھا۔ ہم سب نے کوئی واضح جواب نہیں دیا اور ابا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اماں باورچی خانے میں اور دادی اپنے کمرے میں چلی گئیں، ہم دونوں بہنیں ٹی وی دیکھ رہی تھیں کہ طاہرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھو، ڈراما نہیں دیکھنا تم نے؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''نہیں، میری تو اپنی زندگی ہی ڈراما بن گئی ہے اب۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں اور میں ڈراما دیکھنے لگی۔ میں نے دیکھا ہی نہیں کہ وہ کس کمرے میں داخل ہوئی تھی کیونکہ ڈراما اس وقت بہت دلچسپ موڑ پر تھا۔ اپنے کمرے میں گئی تو وہ وہاں نہیں تھی مگر چند لمحوں میں ہی واپس آ گئی۔

''کہاں تھیں تم؟'' میں نے سوال کیا مگر وہ جواب دیے بنا اپنے بستر پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

''مینا!'' وہ ہچکیاں لے، لے کر رونے لگی۔

”میں تو اسے بہت چاہتی ہوں، ہم دونوں میں بہت ذہنی مطابقت ہے اور ہم نے اپنے مستقبل کے عہد و پیمان بھی کر رکھے ہیں۔ میں اس کے سوا کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔“ چار دن بھی نہ گزرے تھے کہ وہ میرے سامنے رو، رو کر کہہ رہی تھی۔

”شاواشے۔“ میں نے بلبلے کی مومو کی طرح کہا۔ ”میں تو سمجھی کہ تم خوشی سے اچھلنے لگو گی، میں تمہاری جگہ ہوتی تو ایسا ہی کرتی اور تم ہو کہ ماتم کرنے بیٹھ گئی ہو۔“

”بائیس سال سے اس کا نام میرے نام کے ساتھ منسوب ہے مینا۔“ اس نے سسکی لے کر کہا۔ ”میں نے بائیس سال میں اس کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں سوچا، جانے کتنے ہی لڑکوں نے میری ذہانت سے متاثر ہو کر میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا مگر میں نے کسی سے دوستی تک نہیں کی تاکہ میں خیانت کی مرتکب نہ ہوں اور اس نے......“ وہ پھر ہچکیوں سے رونے لگی۔

”ٹینا، میری پیاری ٹینا!“ میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ”تم اتنی کم مایہ نہیں ہو کہ کوئی تمہیں یوں دھتکارے اور تم اس کے لیے آنسو بہاتی پھرو۔ تم خوش شکل ہو، ذہین ہو اور ایک بہترین ادارے میں زیرِ تعلیم ہو، تمہیں کیا پڑی ہے وسیم جیسے بی اے پاس کے لیے یوں پریشان ہونے کی۔“

”مینا، مجھ سے اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ جب اس کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا تھا تو اس وقت نہ وہ بی اے پاس تھا اور نہ ہی میں یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔“ اس نے رونا چھوڑ کر اپنی آنکھیں اور ناک صاف کی۔ ”میں نے ہمیشہ اسی کے نام سے خود کو منسوب جانا، اسی کے سپنے ہمیشہ دیکھے ہیں۔“

”ایک تو یہ سپنے دیکھنا بھی عجیب ہی منطق ہے۔“ میں نے چڑ کر کہا۔ ”بہنا سپنے دیکھنے کے لیے بھی تمہیں ایک وہی ملا ہے، کم از کم سپنے تو بندہ کسی فواد خان یا کسی اور انگریزی فلموں کے اسمارٹ سے ہیرو کے دیکھتا ہے۔ کون سا کسی کو علم ہو جاتا ہے کہ رات ہم نے کیا سپنا دیکھا۔“

”مینا، تم اپنی اس طرح کی بکواس بند کرو اور میری مدد کرو۔ مجھے اگر وسیم نہ ملا تو میں مر جاؤں گی!“ اس نے تڑپ کا پتا پھینکا۔

”لعنت ہے اس پر بھی اور تمہاری دیوانگی پر بھی۔“ میں نے غصے سے کہا۔ ”اس کے لیے مرنے سے بہتر ہے کہ بندہ ویسے ہی مر جائے۔ جانے تمہیں اس میں کیا نظر آتا ہے۔ میں نے تو جب بھی اس بارے میں سوچا ہے میرے سامنے تو تمہارا مستقبل کا وہی نقشہ آتا ہے جو اس وقت پھوہڑ کالے...... [illegible] کھلے، کھلے لباس اور چہرے کی ملائی ہوئی جلد...... چھائیاں اور پیروں کی پھٹی ہوئی ایڑیاں۔ اچھے جوتے اور اچھے لباس بھی ان عیوب کو نہیں چھپا پاتے۔“

”تم اپنی فضول گفتگو کو بند کرو مینا، اگر تم میری مدد نہیں کرو گی تو میں بتا رہی ہوں تمہیں کہ میں......“

”بس کرو میری بہنا!“ میں نے اس کی جذباتی گفتگو پر بند باندھا۔ ”میں اس سلسلے میں شاید تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں، فی الحال تو تمہیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ تمہیں کچھ معلوم ہی نہیں ہے کیونکہ یہی دادی نے کہا ہے۔“

”لیکن ایسا کیوں؟“ اس نے حیرت سے سوال کیا۔ ”یعنی میرے بارے میں اتنی بڑی بات ہو اور مجھ سے ہی چھپائی جائے، میرا سب سے پہلا حق ہے یہ جاننے کا۔“

”سو تو ہے، مانتی ہوں میری ماں مگر اب دادی نے کہا ہے تو ضرور اُن کے من میں کچھ ہو گا۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔ ”ہاں انہوں نے ابھی ابا کو بھی بتانے سے منع کیا ہے۔ ممکن ہے کہ انہیں امید ہو کہ ان کے سمجھانے سے ان کی بیٹی کا شہزادہ وسیم سمجھ جائے۔“

”میں دادی سے بات کروں گی اور جاننے کی کوشش کروں گی کہ ان کے ذہن میں کیا ہے؟“ طاہرہ کو بھی امید کی کرن دکھائی دی۔

”تمہیں تو وہ جانے کیا کہیں گی مگر میری شامت تو آئے گی، وہ کہیں گی کہ ذرا سی بات تم سے اپنے پیٹ

میں نہ رکھی جا سکی۔''

''تمہارے لیے یہ ذرا سی بات ہوگی مینا مگر میری تو زندگی اور موت کا سوال ہے۔'' اس نے کیا ہی جذباتی انداز میں ڈائیلاگ بولا تھا۔ ''مجھے تو امید تھی کہ تم میرے لیے کچھ کرو گی مگر اب مجھے اپنے حق کے لیے خود ہی لڑنا ہوگا۔''

''شکر کرو بیٹا کہ صرف منگنی کا معاملہ تھا، کوئی نکاح تو نہیں ہو گیا تھا جو تم اپنا حق سمجھ رہی ہو۔ کل کلاں کو شادی کے بعد اگر وہ اس لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو جاتا تو؟'' روانی میں میرے منہ سے بہت بڑی بات نکل گئی تھی۔

''کون سی لڑکی؟'' اس نے فوراً میری غلطی پکڑی۔ ''تم تو کہہ رہی تھیں کہ اسے میرا عینک لگانا پسند نہیں اور اب تم کہہ رہی ہو کہ کسی لڑکی کا چکر ہے......؟'' اس نے چتون چڑھا کر سوال کیا۔

''میرا اندازہ ہے صرف، یقین کرو میں نے خود ہی ایسا سوچا کہ بھلا کوئی کسی لڑکی کے عینک لگانے پر بھی اس سے شادی سے انکار کرتا ہے جس سے اس کی بائیس سال پرانی منگنی ہو۔'' میں نے بات بنائی۔

''پھوپا چند سال سے عینک لگاتے ہیں تو کیا پھوپو اس بات پر ان سے طلاق لے لیں۔'' دادی کو علم ہوتا کہ میں نے اتنی اندر کی بات طاہرہ کو بتا دی ہے تو میرا مرنا لازمی تھا، انہوں نے تو انکار کی بات بھی بتانے سے منع کیا تھا اور میں نے اسے سب کچھ ہی بتا دیا تھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو مینا؟'' اس نے لجالت سے سوال کیا تھا میں پگھل گئی۔

''یقین کرو طاہرہ، میں نے صرف اندازہ لگایا ہے کہ ایسا ہوگا... دیکھو ناں، عینک کا کیا ہے، وہ تمہیں کہتا کہ عینک نہ لگاؤ تو تم لینز لگا لیتیں، اتنی سی بات کے لیے کون اتنی پرانی منگنی توڑتا ہے۔''

''کیا وہ منگنی کی انگوٹھی واپس کر کے گیا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''ارے نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں، بس زبانی بات

کی ہی تھی کہ دادی نے اس کی وہ ''بلائیں'' لیں کہ کچھ نہ پوچھو۔'' میں نے ہنس کر بتایا۔ ''اور ہاں ایک اور اہم بات، پھپھو کہہ رہی تھیں کہ ابھی تک یہ بات نعیم پھوپا کو بھی معلوم نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں پھوپا سے بات کروں تو بات بن جائے گی؟'' اسے امید کی ایک کرن نظر آئی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ پھوپا کی سوچ پھپھو سے مختلف ہوگی؟'' میں نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''ہاں، پھوپا ہمیشہ میری طرف ہوتے ہیں، جب بھی میں ان کے ہاں جاتی تھی تو پھوپا بات بے بات پھپھو کو ڈانٹتے تھے کہ میری بیٹی کو یہ نہ کہو اور وہ نہ کہو۔''

''تم بہت بھولی ہو ٹینا!'' میں نے زیرلب کہا۔

''کچھ کہا تم نے مجھ سے؟'' اس نے سوال کیا اور میں اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

میں جانتی تھی کہ پھپھو ہمیشہ طاہرہ کو اپنے گھر بلاتی تھیں کیونکہ انہیں اپنے گھر کے کام کار کے لیے مفت کی ملازمہ چاہیے ہوتی تھی۔ ان کی ملازمہ تو صفائی کے سوا اوپر کا کوئی کام نہیں کرتی تھی مگر وہ طاہرہ سے اپنے گھر کی الماریوں اور اسٹور سے سردیوں اور گرمیوں کے کپڑے اور بستر نکلوا کر انہیں دھوپ لگواتیں، پردے اور قالین تک نکلوا کر دھوپ میں ڈلواتیں۔ طاہرہ کو پھپھو کے گھر جانے کا بہت شوق ہوتا تھا کہ اس بہانے وسیم کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع مل جاتا تھا اور میں بھی اس کے ساتھ ہی جاتی تھی کیونکہ اسے تنہا تو اس کی ہونے والی سسرال میں نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ جب سے منگنی ہوئی تھی، زمانے کے رواج کے مطابق اب اسے اس کی سسرال میں نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔

میں تب بھی اسے اپنی ہونے والی سسرال میں اتنے جذبے سے کام کرتے دیکھ کر کڑھتی اور سوچتی تھی کہ ابھی سے اس سے ملازماؤں جیسا سلوک کیا جاتا ہے تو شادی کے بعد تو وہ پکی ملازمہ بن جائے گی۔ جن پھوپا کا وہ کہہ رہی تھی کہ وہ اس کی حمایت کرتے تھے، ان کے بھی تو سو کام پھنسے ہوئے ہوتے تھے۔ ان کی ''طاہرہ بیٹی'' ان کی الماریاں بھی صاف کرتی، ان کے کپڑوں کو دھوپ لگواتی، دھونے والے کپڑے دھو کر انہیں استری کر کے ان کی الماری میں لٹکاتی۔ جب بھی انہیں چائے کی طلب ہوتی تو طاہرہ کو صرف لہجے میں شہد ڈبو کر کہتے۔ ''طاہرہ بیٹی!'' طاہرہ بیٹی بے کہے چند منٹ میں ان کے سامنے چائے کا کپ لے کر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوتی۔ نہ صرف مجھے اس گھر کے طور اطوار ناپسند تھے بلکہ میں طاہرہ کے مستقبل کا نقشہ کھینچ کر پریشان رہتی۔ کئی بار اماں سے کہا بھی کہ ''طاہرہ کو یوں اس کی ہونے والی سسرال میں نہ بھیجا کریں، وہ لوگ اس سے اتنا کام کرواتے ہیں'' تو اماں بالکل پریشان نہ ہوتیں، کہتیں۔ ''اس کا گھر ہے، اسے ہی کل کو بھی سنبھالنا ہے تو آج کر لے گی تو کیا ہوگا۔'' میں جب اس کے ''بھیانک مستقبل'' کا نقشہ کھینچ کر کہتی کہ ''اماں وہ مفت کی ملازمہ بن کر رہ جائے گی۔'' تو اماں کہتیں۔ ''ہر عورت اپنے سسرال میں مفت کی ملازمہ ہوتی ہے، کیا میں نہیں ہوں؟ کیا میں سارا دن کام نہیں کرتی اور کبھی داد اور تحسین بھی نہیں ملتی!''

''آفرین ہے اماں، آپ نے اپنی بیٹی کے لیے بھی اپنی ساس کی بیٹی کا گھر چنا ہے جہاں اسے بھی ایسی ہی بہو بن کر رہنا پڑے گا جو دن بھر کام کرتی ہے اور اسے کوئی چاہتا ہے نہ سراہتا ہے۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''ساس اور بہو کوئی بھی ہوں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہانی تو ایک ہی رہتی ہے، خدمت میں ہی عظمت ہے۔ تمہاری پھپھو کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں ہیں انجان لوگوں میں رشتہ کریں تو ہمیں کیا علم کہ وہ کیسے لوگ نکلیں، اچھے یا برے، ناقدرے یا قدرداں۔ عزت اور قدر تو ایک ہاتھ دے اور ایک ہاتھ لے کا سودا ہے۔ میں نے جوانی بڑی مشکل گزاری ہے مگر اب میں ایک دن کے لیے اس گھر سے کہیں نہیں جا سکتی، اس گھر کے مکین کہتے نہیں مگر میں جانتی ہوں کہ انہیں میری عادت ہو گئی ہے۔ میں نے ان سب کو

لاعلمی میں ہی اپنے ہاتھوں کا عادی بنالیا ہے۔ نہ انہیں علم ہے کہ گھر کی کون سی چیز کہاں رکھی ہے...... انہیں تو اپنی ذاتی چیزوں کا بھی علم نہیں۔ ان دونوں ماں بیٹے کو تو اپنی دواؤں کی مقدار اور اوقات کا بھی علم نہیں ہے۔ کون آرہا ہے، کون جا رہا ہے، کس کی شادی پر کیا لینا اور دینا ہے، کسے کیا پہننا ہے...... سب فیصلے میری مرضی سے ہوتے ہیں۔ باورچی خانہ تو میری ایسی مکمل سلطنت ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کپ چائے بھی کوئی خود نہیں بنا سکتا۔ میں نے انہیں اپنا عادی نہیں بلکہ محتاج کرلیا ہے، یہ صرف باتیں کرتے ہیں اور میری غلطی کو معاف کرنے کی خو نہیں ورنہ میں کسی بات پر ناراض ہو جاؤں اور ان دونوں سے بات نہ کروں تو ان کی جان پر بن آتی ہے۔''

''آپ کی زندگی تو گل گئی ناں، آپ کی خواہشات کیا ہوئیں، آپ کیا چاہتی ہیں اور کیا نہیں، اس کی کسی کو کیا فکر؟''

''میری زندگی کیوں گل گئی، میں نے تو اپنے آپ کو تج دیا تم دونوں کی خاطر...... اماں کو پوتا چاہیے تھا اور انہوں نے بہت زور لگایا مگر تمہارے ابا کی تو تم دونوں میں جان تھی، میں ذرا سا دھمکاتی کہ میں بیٹیوں کو لے کر میکے چلی جاتی ہوں آپ دوسرا بیاہ کرلیں تاکہ اماں کو پوتا مل جائے تو تمہارے ابا رونے پر آجاتے۔ ہمارے ہاں کے اور بالخصوص ہمارے دور کے مردوں کو عورتوں کو کہنے کی عادت نہیں ہے کہ انہیں اپنی بیوی سے پیار ہے مگر میں جانتی تھی کہ انہیں مجھ سے پیار ہے کیونکہ مجھے بھی ان سے پیار تھا اور میں نے بھی بھلا کب کہا ایسا ان سے کہ مجھے ان سے کتنا پیار ہے!''

''کیوں نہیں کہا اماں، آپ کہتیں تو شاید ابا بھی کہہ دیتے۔''

''ہمیں کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، علم تھا ناں، اتنا کافی ہے۔'' اماں نے مسکرا کر کہا۔ ''اب جاؤ تم ایسے ہی خواہ مخواہ میں جانے کیا باتیں لے بیٹھی ہو۔'' وہ شرما سی گئیں، بے ساختگی میں ان کے منہ جو بات نکل گئی تھی اس پر وہ شرمندہ سی تھیں۔

☆☆☆

جتنا میں نے طاہرہ کو سمجھایا تھا، اس نے اتنا ہی ناسمجھی کا مظاہرہ کیا اور ابا سے بلاواسطہ بات کی جن کا پارہ اتنا گرم ہوا کہ انہوں نے فوراً گھر کی ہائی کمان کی کانفرنس طلب کی۔ اماں تو حوصلے میں تھیں مگر دادی سہمی ہوئی تھیں، ان کے تو کئی قصور تھے۔ جب پھپو نے طاہرہ کی پیدائش پر رشتہ مانگا تھا اور ابا نے کہا کہ ''ایسی کیا جلدی ہے، ساری عمر پڑی ہے بچوں کو بڑا ہونے دیں۔'' تو اس وقت دادی نے ہی ابا پر زور دیا تھا کہ ''بہنوں کو بھائی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے......'' ابا کو ناچار ہاں کرنا پڑی۔ دوسری بات کہ ابا اکثر اعتراض کرتے کہ ''بیٹیوں کو یوں پھپو کے گھر جا کر کئی کئی دن نہیں رہنا چاہیے'' تو دادی کہتیں کہ ''وہ اس کی بھی تو بیٹیاں ہیں، اس گھر میں رہیں یا اس گھر میں، ایک ہی بات ہے۔'' منگنی کی باقاعدہ رسم ادا ہوئی تو اس کے بعد ابا نے ہمارے وہاں جانے پر پابندی لگا دی بلکہ طاہرہ کے وہاں جانے پر۔ مجھے تو وہاں جانے کا نہ شوق تھا اور نہ پھپو کو میری ضرورت کہ میں کون سا ان کے گھر کے کام کرتی تھی، اچھا ہے اسی بہانے طاہرہ کی بھی ان کے گھر کے کام کرنے سے جان چھوٹ گئی تھی۔

تیسری اہم وجہ یہ کہ اتنی بڑی بات ہوئی اور دادی نے کہا کہ اس بات کو ابا اور طاہرہ سے چھپایا جائے، چاہے انہوں نے کچھ عرصے کے لیے ہی کہا تھا مگر نہ مجھے یہ بات پسند نہیں آئی تھی اور نہ ہی ابا کو کہ جس کی زندگی کا معاملہ ہے، اسی سے بات چھپائی جائے اور ابا سے جو کہ اس گھر کے سربراہ تھے۔ طاہرہ نے ابا کو بتایا اور ابا نے کانفرنس طلب کرلی تھی...... میں جانتی تھی کہ دادی بعد میں میرے ساتھ جو کرنے والی تھیں مگر اس وقت اس بات پر خوش تھی کہ ابا کوئی نہ کوئی حل نکالیں گے۔ طاہرہ نے ابا کو بات اپنے انداز سے بتائی تھی تو ابا بھی جو کچھ کریں گے وہ اس کی حمایت میں ہی ہوگا۔ جتنے لوگ وہاں بیٹھے تھے، ان میں طاہرہ ہی سب سے

زیادہ مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

”زبیدہ کو بلائیں اماں اور اسے کہیں کہ شادی کی تاریخ طے کرے.....“ ابا نے دادی سے کہا۔ ”میری بیٹی کی زندگی کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس نکمے کو میں اپنی ہیروں جیسی بیٹی دے رہا ہوں اسے اس پر میرا مشکور ہونا چاہیے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں بیٹا مگر جوان خون ہے، دیکھو ناں، ہم طاہرہ کو زبردستی اس کے ساتھ بیاہ دیں...... وہ زبیدہ بتا رہی تھی کہ کسی اور لڑکی کا معاملہ ہے۔“ دادی نے ہچکچا کر کہا۔

”ٹھیک ہے، کوئی اور لڑکی ہے تو بعد میں اس سے بھی شادی کرلے وہ!“ ابا نے کہا تو ہم سب سن کر سُن ہو گئے، طاہرہ سمیت۔

”مگر ابا!“ طاہرہ نے منمنا کر کہا۔

”کوئی اگر مگر نہیں، کون سا جرم ہو جائے گا جو وہ دوسری شادی کرلے گا۔“ ابا نے سختی سے کہا۔ ”یوں بھی ہمارے ہاں کا قانون ہے کہ دوسری شادی کے لیے مرد کو پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے۔“

”تو آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے اجازت دے دوں دوسری شادی کی؟“ وہ رونے لگی۔

”میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا۔“ ابا نے غصے سے کہا۔ ”وہ تمہاری مرضی ہوگی کہ تم اجازت دو یا نہیں۔“ وہ رکے۔ ”اماں آپ زبیدہ کو بتا دیں کہ وہ آکر بیاہ کی تاریخ طے کرے اور اپنی امانت لے جائے جو ہمارے پاس بائیس برس سے ہے۔“

”میری پڑھائی کا کیا ہوگا ابا؟“ طاہرہ نے فوراً سوال کیا۔

”شادی کے بعد پڑھ لینا، اگر تمہیں اجازت ملی تو اور یوں بھی اس بی اے پاس کے لیے بی اے پاس لڑکی ہی کافی ہے۔“ ابا کہہ کر اٹھ گئے۔

”تم ذرا مجھے نماز کے بعد اکیلے ملنا نکی!“ دادی کو جب مجھ پر غصہ ہوتا تھا تو وہ یوں ہی بات کرتی تھیں۔ میں نے اٹھ کر بھاگنے میں جلدی کی کہ کہیں اماں مجھ سے پہلے اٹھ جائیں تو میری اسی وقت سختی نہ آ جائے۔ میں اسے کچھ وقت کے لیے تو ٹال سکتی تھی۔

☆☆☆

ہم تو سوچ رہے تھے کہ کسی کو ہمارے علاوہ علم ہی نہیں ہوگا جو دادی نے اخفائے راز کا کہا تھا، جس راز کے کھل جانے پر دادی نے میرے خوب لتے لیے تھے، وہ راز تو خاندان بھر میں زبان زدِ عام تھا۔ چند ہی دنوں میں طاہرہ کے لیے ہماری ننھیال اور ددھیال کے علاوہ باہر سے بھی رشتے آنے لگے۔ سب سے پہلے جب تائی جی نے آکر دستِ سوال دراز کیا، یہ احسانِ عظیم کرتے ہوئے کہ اگرچہ طاہرہ ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی تھی مگر ان کے بیٹے یاسر کا دل بہت بڑا تھا کہ وہ طاہرہ سے پھر بھی شادی کرنے کو تیار تھا۔ ابا گھر پر ہی تھے، اس طرح کی بات تو ان کے دماغ پر گولے کی طرح لگی اور انہوں نے رشتے کے لیے آنے والی تائی کی وہ طبیعت صاف کی کہ وہ چائے بھی نہیں پی کر گئیں۔

ہمیں دادی نے منع کیا تھا کہ کسی سے ابھی بات نہ کریں مگر پھپھو اور شاید وسیم نے بھی جگہ جگہ بتا دیا تھا کہ اس نے طاہرہ کو مسترد کر دیا ہے۔ دو دن بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک اور رشتے والی بھی کئی رشتے لے کر آ گئی، فلاں لڑکا اور ڈھمکاں لڑکا۔ دادی اس سے ان لڑکوں کے شجرے دریافت کر رہی تھیں اور اماں نے اس وچولن کو چائے پلا کر سو روپے کرایے کے لیے دیے اور کہا کہ اگر انہیں ضرورت ہوگی تو وہ ان سے رابطہ کر لیں گی۔ دادی کا اس بات پر مزاج برہم ہونا لازم تھا مگر اماں کے پاس بھی منانے کے سو گر تھے۔

”اماں، میں چاہتی ہوں کہ طاہرہ کا بیاہ وسیم سے ہی ہو، دیکھیں ناں، زبیدہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے، اگر اس کے گھر سے رشتہ ٹوٹا تو آپ کی بیٹی اس گھر میں تو کبھی نہیں آ سکے گی۔ اپنے بیٹے کے مزاج کا علم ہے آپ کو، کسی سے ناراضی مول لیں تو زندگی بھر نبھاتے ہیں، ویسے ہی جیسے محبت نبھاتے ہیں۔“ دادی کے پاس سوائے خاموشی کے چارہ نہ تھا۔

چند دنوں کے بعد خالہ اور خالو آئے، وہ اطلاع دے کر آئے تھے اور انہیں ہمارے ہاں قیام کرنا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے بیٹے کی کوئی کانفرنس تھی ہمارے شہر میں تو۔

''اس نے ہم سے کہا کہ ہم اس کے ساتھ چلے چلیں اور خالہ اور خالو سے بھی مل لیں۔ ہمارے لیے بھی اس نے اپنے ہوٹل میں قیام کا بندوبست کیا تھا مگر میں نے اصرار کیا کہ دو دن مجھے اپنی بہن کے پاس رہ لینے دے۔ اس کے ابا تو شام کو وہیں چلے جائیں گے۔'' ابا نے خالو کو بھی اصرار کر کے گھر پر روکا اور ان سے کہا کہ اپنے بیٹے ڈاکٹر ارسل کو بھی بلا لیں۔ وہ ایک نامی ڈاکٹر تھا اور دل کے امراض کے علاج کا ماہر۔ جانے ان کے اور ہمارے والدین کے بیچ کیا کھچڑی پکتی رہی، انہیں جس روز جانا تھا اس روز دوپہر کے کھانے پر ان کا بیٹا بھی آ گیا، چھٹی کا دن تھا اور ہمیں اماں نے سارا وقت باورچی خانے میں گھسیڑے رکھا اور آخری ایک گھنٹے میں انتہائی سخاوت سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ہم تیار ہو جائیں۔

''بس نہا کر سادہ سا تیار ہو جاؤ دونوں۔'' اماں نے تاکید کی جیسے ہم کوئی بردکھوے کے لیے تیار ہونے والے ہوں۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ خالہ رشتے کے لیے......؟'' میرے چھوٹے سے دماغ میں بڑا سا خیال آیا تھا۔

اس کے بعد طاہرہ کی ابا کے کمرے میں ان کے ساتھ کئی طویل بیٹھک ہوئیں، ان کا خلاصہ وہ مجھے بالکل نہیں بتاتی تھی۔ اتنا کہہ دیتی کہ سیاست کے موضوع پر بات ہو رہی تھی جیسے اسے ملک کا اگلا وزیر اعظم بننا تھا۔ میں اس کی سیاست سمجھ گئی تھی، وہ اب مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی کہ میں کوئی اہم بات پیٹ میں رکھ نہیں سکوں گی۔ میں نے اس سے کہا بھی کہ بے شک وہ مجھے آزما کر دیکھ لے۔ ابا نے دادی کے ذریعے پھوپا کو پیغام دلوا دیا تھا کہ وہ شادی کی تیاری کریں، طاہرہ کی شادی ہر صورت وسیم کے ساتھ ہو گی۔ سنا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے پھوپا سے بھی ملاقاتیں کیں۔ پھوپا کے کاروبار میں ابا نے ہی ساری رقم لگائی تھی، اگر ابا ان سے وہ رقم یک مشت واپس مانگ لیتے تو ان کے کاروبار کا تو کباڑا ہو جاتا۔

''چلو تم کہتی ہو تو تمہیں آزما کر دیکھ لیتی ہوں کہ تم میں کتنا دم ہے اپنے وعدے نبھانے کا۔'' طاہرہ نے مجھ سے ایک دن کہا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی وہ ابا کے ساتھ چائے پی کر کمرے میں لوٹی تھی۔ مجھے اس نے ساری بات سمجھائی اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں اس کی بہن ہونے کا فرض نبھاؤں گی۔ گھر میں سب اپنے، اپنے طریقے سے کام کر رہے تھے مگر میرا کام سب سے مختلف تھا، مجھے اپنے کام میں جو مہارت دکھانا تھی وہ کسی اور کے ذہن میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔

''وسیم بھائی، آپ سے ملنا تھا!'' میں نے کال کر کے ان سے ملاقات کے لیے وقت اور جگہ طے کی۔ انہوں نے ملاقات کا مقصد پوچھا تو میں نے فوراً کہا۔ ''کتنے عرصے سے آپ نے مجھے آئس کریم نہیں کھلائی۔'' کالج سے چھٹی سے ایک گھنٹا پہلے کا وقت ان سے طے کیا اور اس روز کالج سے آخری پریڈ مس کر کے میں باہر نکلی تو وہ گاڑی میں میرے منتظر تھے۔ میں نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور بیٹھ کر انہیں چلنے کو کہا۔

''پیچھے کیوں بیٹھی ہو، آگے بیٹھ جاؤ نا۔''

''وسیم بھائی کالج کا گارڈ بھی دیکھ رہا ہے اور کوئی اور دیکھ لے تو میری شامت آ جائے گی۔'' میں نے جواباً کہا۔ ''آپ جلدی چلیں۔'' انہوں نے گاڑی چلا دی۔

''کہو گڑیا کیا بات ہے، کیوں بلایا ہے تم نے مجھے؟'' آئس کریم لے کر ہم گاڑی میں ہی بیٹھے تھے، پارلر میں دیکھ لیے جانے کا امکان تھا، کوئی بھی آ سکتا تھا، جس کی توقع بھی نہ ہو۔

''اس روز آپ نے کہا کہ آپ کو طاہرہ سے شادی نہیں کرنی تو میں سمجھی کہ آپ مذاق کر رہے تھے مگر......'' میں رکی۔ ''ایک لڑکی کا عینک لگا لینا کیا اس میں اتنا برا نقص پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے بچپن کا منگیتر اسے مسترد

کردے، اس کے ساتھ شادی سے انکار کردے؟''

''نہیں، عینک تو اتنا بڑا نقص نہیں ہے بس کوئی اور وجہ ہے۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''اصل میں ہمارے محلے میں ایک لڑکی ہے...... وہ مجھے بہت اچھی لگنے لگی ہے، ماڈرن ہے، اسمارٹ ہے اور وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔'' انہوں نے رک رک کر جواب دیا۔

''وہ کیا طاہرہ سے زیادہ لکھی پڑھی ہے یا اس کے ابا کے پاس زیادہ دولت ہے؟'' میں نے تپ کر سوال کیا۔

''بس دل کی بات ہے گڑیا، اس پر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔'' انہوں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ''اس نے تو شاید اسکول کے بعد پڑھائی بھی نہیں کی ہوگی۔''

''آپ کو علم ہے کہ طاہرہ کب سے آپ کو دل میں بسائے بیٹھی ہے اور اس نے آپ کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچا تک نہیں۔'' میں نے انہیں شرم دلانا چاہی۔ ''اس کی پیدائش کے وقت سے آپ کا نام اس کے ساتھ جڑا ہے۔ وہ کس طرح اس بات کو بھول پائے گی۔''

''بھول جائے گی، لڑکیاں سب کچھ بھول جاتی ہیں، اپنی پہلی محبتیں بھی...... ویسے بھی اس کے پاس کچھ اور ہے ہی نہیں سوچنے کے علاوہ، سوائے اپنی پڑھائی کے۔'' انہوں نے کچھ اس طرح تحقیر بھرے لہجے میں کہا جیسے وہ کوئی مکروہ کام کررہی ہو۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اصل میں اب احساسِ کمتری میں مبتلا ہورہے تھے کہ طاہرہ نہ صرف ان سے زیادہ خوش شکل اور عقل وفہم والی تھی بلکہ اب وہ ان سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ بھی تھی اور ذہین تو وہ ہمیشہ سے تھی۔ اسی لیے طاہرہ نے مجھے کہا تھا کہ میں ان سے مل کر ان سے اس لڑکی کے بارے میں معلومات اگلواؤں۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بڑے فخر سے وہ ساری معلومات مجھے دے دی تھیں، جانے اب طاہرہ ان معلومات سے کیا کرنے والی تھی!

☆☆☆

''السلام علیکم۔'' ہم دونوں نے بیک آواز سلام کیا تھا، جواب میں اس خاتون نے فقط ''وعلیکم'' کہا اور اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھیاں اڑانے لگی۔ ''آپ ساجو کی امی ہیں؟'' میں نے احترام سے انہیں بلایا۔

''ہاں!'' یک لفظی جواب بھی انہوں نے کافی بیزاری کے ساتھ دیا تھا۔ ''کوئی شک ہے؟''

''نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔ ساجو بھی آپ ہی کی طرح خوش شکل ہے تو میں نے فوراً پہچان لیا لیکن یہ شک تھا کہ آپ اس کی بڑی بہن ہیں یا اس کی امی۔''

''ساجو میری سب سے بڑی بیٹی ہے۔'' وہ تعریف پر لجا گئیں۔ ''لوگ ایسے ہی سمجھتے ہیں کہ میں ساجو کی بڑی بہن ہوں۔ ہمارا فرق بھی تو صرف اٹھارہ، انیس برس کا ہے۔'' وہ اپنی شادی کم عمری میں ہونے کی کہانی سنانے لگیں اور ہم بیزاری سے سننے لگے۔

''ساجو!'' انہوں نے کہانی مکمل ہونے کے بعد ساجو کو آواز دی۔

''کیا ہے اماں، آرام اور سکون سے نہانے بھی نہیں دیتی ہو۔'' ایک بدتمیز سی آواز آئی۔

''اچھا جلدی سے نہالے بٹیا اور باہر آ، مہمان آئے ہیں، ذرا چائے بنالے۔'' انہوں نے اپنی طرف سے شفقت سے اسے پکارا تھا۔

''مجھے بار بار ایسے تنگ نہ کروا اماں۔ اپنے وقت پر ہی نہا کر نکلوں گی۔'' اس نے جواباً اونچی آواز میں کہا۔ ''خود ہی چائے بنالو، مہمان کون سا میرے نہانے کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے۔''

''چلو ٹھیک ہے، میں خود ہی بنالیتی ہوں۔'' انہوں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا مگر ہم دونوں نے انہیں چائے بنانے کے لیے اٹھنے نہیں دیا۔ ان کے ہاتھوں اور پیروں کے بڑھے ہوئے ناخنوں میں سے جو میل نظر آرہا تھا، وہ جانے کس طرح خود بھی برداشت کرتی تھیں۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر چلے جائیں مگر ایک بار اس ملکۂ حسن کو تو دیکھنا تھا جس کے لیے وسیم نے طاہرہ کو ٹھکرایا تھا۔

''ایسے کیسے ہوسکتا ہے کہ میں ساجو کی سہیلیوں کو

بنا کچھ کھائے جانے دوں۔'' وہ ہمت کر کے چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں خالہ، کچھ نہیں چاہیے، ہم بہت بھاری ناشتا کر کے آئے ہیں اور یوں بھی ہم کون سا دور سے آئے ہیں۔ پہلی بار آئے ہیں مگر آخری بار تو نہیں، اگلی دفعہ کچھ کھا لیں گے۔'' طاہرہ نے انہیں بصد اصرار واپس بٹھایا۔ وہ واپس بیٹھ گئیں اور لگ بھگ آدھے گھنٹے کے بعد ساجو کی آمد ہوئی، کندھے پر گیلا تولیا رکھا تھا، بالوں میں سے ابھی تک پانی ٹپک رہا تھا۔ قمیص اتنی چست کہ جیسے آخری سلائی پہننے کے بعد لگائی ہو، بھاری شلوار جیسا کہ آج کل کا فیشن ہے۔ چہرے پر لالی اور آنکھوں میں کاجل۔ اداؤں کے سارے تیر اس کے پاس تھے، لچک، لچک کر چلتی ہوئی وہ آئی اور تولیا چارپائی پر پھینک کر اپنی ماں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ پھینکنے کے ہی انداز میں سلام کیا اور ہم نے جواب دیا۔

''یہ کون ہیں اماں؟'' اس نے حیرت سے سوال کیا۔

''ہائیں، میں سمجھی تیری سہیلیاں ہیں۔'' اس کی اماں ہمیں دیکھنے لگی۔

''میں سمجھی کوئی رشتہ دیکھنے والی ہوں گی۔'' ساجو نے بے باکی سے کہا جیسے ان کے ہاں صرف رشتے دیکھنے والیاں ہی آ سکتی ہیں۔ اس کا حسن ایسا تو تھا کہ رشتوں کی بھرمار ہو مگر گھر کے حالات دیکھ کر کب کوئی پلٹ کر آتا ہوگا۔ جانے وسیم بھائی کو کیا نظر آیا تھا، واقعی اگر دل کسی پر آ جائے تو اس کے اردگرد اور کیا نظر آئے گا۔ گھر میں ہمارے ہوتے ہوئے ہی اس کے چھوٹے بہن بھائی بھی اسکول سے لوٹ آئے تھے، وہ بھی اسی طرح گندے سندے، ناکیں بہتی ہوئی اور یونیفارم بھی انتہائی گندے۔ ان کے بھی ہاتھ اور ناخن انتہائی گندے تھے۔ اس کی چھوٹی بہنوں کے سروں سے جوئیں ان کے ماتھوں تک چلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ پوچھنے پر علم ہوا کہ اس کے ابا بازار میں کسی کپڑے کی دکان پر ملازمت کرتے تھے۔

''ابھی رشتہ نہیں ہوا ساجو کا؟'' میں نے سوال کیا۔

''تقریباً طے ہی سمجھیں۔'' اس کی ماں نے جواب دیا اور ساجو ذرا سا شرمائی، شرماتے ہوئے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس سارے گھر میں صرف ایک ساجو تھی جو ہیرے جیسی چمک رہی تھی باقی سب کچھ..... ناقابلِ برداشت۔ وسیم کو کیا کبھی اس گھر میں یہ سب نظر نہیں آتا تھا۔ جو میری ہیروں جیسی بہن کو رد کر رہا تھا، اسے ایسا ہی گھرانہ نصیب ہونا چاہیے تھا۔

''ہم کیوں آئے تھے ساجو کو دیکھنے کے لیے بٹیا؟'' واپسی پر میں نے سوال کیا تو وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

''میں ساجو کو دیکھنے کے لیے تو نہیں آئی تھی، میں تو دیکھنے آئی تھی کہ وسیم کو مجھ میں کیا کمی نظر آئی ہے۔'' اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''پھر تمہیں کیا جواب ملا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس کا جواب وقت سب کو دے گا!'' طاہرہ نے جواب دیا، جو اپنے آپ میں ایک پہیلی تھا۔

☆☆☆

''بس تم اپنے قریبی عزیزوں کو لے کر بارات لے کر آؤ گی زبیدہ اور ہمارے گھر میں سادگی سے نکاح ہوگا، ہم بھی اپنے چند قریبی لوگوں کو مدعو کریں گے۔ باقی تمہیں جو کچھ بھی چاؤ چونچلے کرنے ہیں اپنے لاڈلے کے، وہ تم چاہے جتنے مرضی کرو۔ ولیمہ بھی بے شک دھوم دھام سے کرو۔'' ابا نے پھپو کو صاف الفاظ میں بتا دیا تھا جو کہ پھوپا کے ساتھ بیاہ کی تاریخ طے کرنے آئی تھیں، ان کے ساتھ ان کی بیٹیاں بھی تھیں۔ مبارک سلامت کا تبادلہ ہوا اور ساری بہنیں طاہرہ کو لپٹ لپٹ کر پیار کرنے لگیں۔ وہ سب اسے بہت چاہتی تھیں۔ دادی نے پہلے ہی پھپو کو بتا دیا تھا کہ وسیم کو دوسری شادی کی اجازت ہوگی، جب چاہے وہ طاہرہ سے اجازت لے کر دوسری شادی کر لے۔ وسیم کو اس پر تھوڑا اعتراض تھا مگر مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ان کی بات مان لے ورنہ اس کا نہ صرف خاندان اس سے چھوٹ جاتا بلکہ اس کے ابا کا کاروبار ڈوب جاتا

جس کے بل بوتے پر وہ عیاشیاں کرتا پھرتا تھا۔
ہم چاروں ...... یعنی ہمارے ابا اور اماں کے ساتھ ہم دونوں بہنوں کی کتنی ہی خفیہ اور اہم ترین کانفرنس ہوئیں اور اس کے فیصلوں کے عین مطابق ہم نے اندر خانے اپنی تیاریاں کرنا شروع کر دیں۔ کارڈ چھپنے لگے، ہال کی بکنگ...... ابا کچھ عجیب سے لگ رہے تھے۔ شادی کے دعوت نامے بھی ابا نے اتنے کمال سے بنائے تھے کہ کوئی دیکھتا تو اسے ابا کے کھیل کی سمجھ بھی نہ آتی۔ اماں نے ہمارے اور اپنے کپڑے لتے اور زیور کی تیاری شروع کر دی۔ دادی کو پھپو نے دن مقرر ہوتے ہی کہا تھا کہ وہ ان کے ہاں جانے کی تیاری کریں کیونکہ کھارا، مایوں، مہندی...... انہیں تو سب کچھ کرنا تھا اور دادی کی شرکت اس میں لازمی تھی۔
دادی کے جاتے ہی ہمیں آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے لیے موقعوں کی تلاش کی ضرورت نہ رہی تھی۔ انہی دنوں خالہ اور خالو کا بھی اپنے پورے بال بچے سمیت آنے کا پلان بنا تو اماں نے ایک چھوٹی سی مگر شاندار دعوت رکھ لی، ہماری کوشش تھی کہ کسی کو اس دعوت کی بھنک بھی نہ پڑے۔

☆☆☆

نکاح کی تاریخ سے ایک دن پہلے میں نے اپنی اور طاہرہ کی سہیلیوں کو مدعو کر کے ایک چھوٹی سی ڈھولکی اور مہندی کی تقریب رکھ لی۔ آخر کو میری بہن کی شادی تھی، ابا کو منانا سب سے مشکل مرحلہ تھا مگر وہ اماں کی مدد سے طے ہو گیا۔ ننھیال کی طرف کا خاندان بھی پہنچ چکا تھا اور سب لوگ مختلف جگہوں پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ نانی کا قیام ہمارے ہاں تھا، نانی ایک بے حد نفیس خاتون اور شفقت سے بھرپور۔ انہیں اماں نے اس بار ہمارے کمرے میں ٹھہرایا تھا کیونکہ اس بار وہ تنہا ہمارے ہاں رک رہی تھیں اور مہمانوں والے کمرے کو اماں نے تیار کر دیا تھا کہ کوئی ایسا مہمان آ جائے جسے ٹھہرانا پڑ جائے تو.. نانی کی دوا دارو اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی ذمے داری طاہرہ کی تھی کیونکہ اسے تو زیادہ تر کمرے میں ہی ہونا تھا اور مجھے اور کئی کام کار تھے۔
تقریب اگرچہ چھوٹی سی تھی مگر ہماری سہیلیوں نے مل کر چار چاند لگا دیے تھے۔ بنا مدعو کیے ہی خالہ کی بیٹیاں بھی اچانک پہنچ گئیں تو تقریب کا رنگ دوبالا ہو گیا، ان کی اپنی ایک رونق تھی۔ تقریب کے اختتام پر خالہ کی بیٹیوں کو لینے کے لیے ارسل بھائی آ گئے اور انہوں نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر کافی پی۔ رات دیر گئے وہ لوگ رخصت ہوئے، اگلے دن شادی کی تقریب تھی اور اس کے لیے بہت سے کام تھے مگر جلد سونا بھی ضروری تھا کہ جاگ، جاگ کر صبح آنکھیں نہ سوجی ہوئی ہوں۔
طاہرہ کو صبح جگا کر ناشتا کروایا، دلہن بیچاری تو اپنی شادی والے دن سب سے زیادہ بھوکی رہ جاتی ہے کہ صبح سویرے اسے جا کر پارلر میں بیٹھ جانا ہوتا ہے اور شادی کی تقریب کے دوران اسے اسٹیج پر کھانا دیا جاتا ہے جہاں درجنوں کیمروں والے اس کے مختلف پوز کیمرے کی زد میں لانے کے لیے منتظر ہوتے ہیں، وہ بیچاری اسی مروت میں تھوڑا سا کھانا زہر مار کر لیتی ہے۔ سسرال جا کر بھی اسے کم ہی کھانا ملتا ہے کہ کہیں اس کا میک اپ خراب نہ ہو جائے اور رخصتی کے بعد سسرال میں استقبال کی رسومات اتنی زیادہ ہو جاتی ہیں کہ اس کا کھانا ہی بھول جاتا ہے۔ جس کی شادی میں لوگ یوں کھانا کھاتے ہیں جیسے وہ ان کی زندگی کا آخری کھانا ہو، اسی شادی میں خود دلہن بھوکی رہ جاتی ہے۔ ایک بندے کے کھانے کی قیمت کی سلامی دے کر اس گھر کے چھ لوگ یوں ٹھونس، ٹھونس کر کھانا کھاتے ہیں کہ بات کرنے کو بھی حلق میں جگہ نہیں رہتی۔

☆☆☆

”طاہرہ بتول، بنت سجاد حسین، تمہیں اپنا نکاح وسیم احمد بن نعیم احمد کے ساتھ، بعوض حق مہر ایک لاکھ روپے کے قبول ہے؟“ مائیک میں نکاح خواں کی آواز ابھری تو سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ ہمارا لان کتنا وسیع تھا... جتنا کہ ایک کنال کے کسی بھی گھر کا ہو سکتا ہے اور

اس میں نکاح خواں کی آواز یوں بھی سب کے کانوں تک پہنچ جاتی مگر لوگ چونکہ بہت بول رہے ہوتے ہیں اور انہیں علم بھی نہیں ہوتا کہ نکاح ہو رہا ہے اس لیے مائیک کا انتظام کرنا پڑا تھا، اس کی آواز کافی حد تک ہلکی رکھی گئی تھی۔

دولھا بنے وسیم کی چھب ہی نرالی تھی مگر وہ کچھ بجھا، بجھا سا لگ رہا تھا، اس کے اندر جانے کیا طوفان بپا ہوں گے مگر اس اسٹیج پر بیٹھ کر نکاح کے لیے آمادہ ہی تھا، دل سے تھا یا اوپر، اوپر سے، اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ پھپو اور اس کی بہنوں کی سج نرالی ہی تھی۔ دادی اسی روز سویرے گھر آ گئی تھیں، انہیں اپنی پوتی کی بارات کے ساتھ نہیں آنا تھا بلکہ بارات کا استقبال کرنا تھا۔ ان کا چہرہ بھی خوشی سے دمک رہا تھا، اماں نے ان کے لیے ان کے پسندیدہ گلابی رنگ کا جوڑا بنوایا تھا، ان کے ساتھ ہی ہلکے آسمانی جوڑے میں نانی کی اپنی چھب تھی۔ پھپو نے لال جوڑا اور لال ہی گوٹے والا دوپٹا لے رکھا تھا۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ دولھا کی ماں اپنے پہلے بیٹے کی بارات پر لال جوڑا پہنتی ہے اور پھپو کا تو ایک ہی بیٹا تھا، ان کا تو بنتا ہے لال جوڑا پہننا۔

طاہرہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا بلکہ اپنا سر جھکا لیا تھا۔ کریم رنگ کے بھاری کامدار جوڑے کے ساتھ لال رنگ کا کام سے بھرا دوپٹا اوڑھے وہ ہماری طاہرہ تو لگ ہی نہیں رہی تھی، کسی اور ہی دنیا کی باسی لگ رہی تھی۔ اس دن اس نے عینک کے بجائے آنکھوں میں کانٹیکٹ لینز لگا رکھے تھے۔ گڑیا جیسی سجی ہوئی، وہ کبھی ایسا میک اپ کہاں کرتی تھی کہ اسے اس روز بھر، بھر کر روپ نہ آتا۔ بیچ، بیچ میں کن انکھیوں سے دیکھتے وسیم کی کئی چوریاں میں نے پکڑیں۔ وہ شاید اس کا موازنہ ساجو سے کر رہا ہوگا۔

''جواب دو طاہرہ بیٹی!'' کسی نے کہا تو طاہرہ کا سر اور بھی جھک گیا۔

''طاہرہ بتول......'' نکاح خواں نے اپنے الفاظ

اے نئے سال بتا

اے نئے سال بتا، تجھ میں نیا پن کیا ہے؟
ہر طرف خلق نے کیوں شور مچا رکھا ہے
روشنی دن کی وہی، تاروں بھری رات وہی
آج ہم کو نظر آتی ہے ہر ایک بات وہی
آسماں بدلا ہے افسوس، نہ بدلی ہے زمیں
ایک ہندسے کا بدلنا کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کسے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
جنوری، فروری اور مارچ میں ہوگی سردی
اور اپریل، مئی، جون میں ہوگی گرمی
تیرا من دہر میں کچھ کھوئے گا کچھ پائے گا
اپنی میعاد بسر کر کے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا صبح نئی، شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی
بے سبب دیتے ہیں کیوں لوگ مبارک بادیں
کیا سبھی بھول گئے وقت کی کڑی یادیں
تیری آمد سے گھٹی عمر جہاں سے سب کی
فیض نے لکھی ہے یہ نظم نرالے ڈھب کی

کلام: فیض احمد فیض
پسند: نادیہ راولپنڈی

پھر دُہرائے اور پھر اسی طرح خاموشی رہی۔

''شرم سے کہہ نہیں پا رہی ہے ہماری بیٹی!'' کسی نے کہا تو کئی نگاہیں اس طرف اٹھیں۔ ایک اور خاموشی کا وقفہ آیا اور نکاح خواں نے اپنا فرض پورا کرنے کی خاطر پھر دُہرایا۔

''طاہرہ بتول ولد سجاد حسین......''

''بیٹیاں کہاں یوں منہ سے بول کر ہاں کہتی ہیں۔'' پھپو کی آواز مائیک میں ابھری کیونکہ وہ عین نکاح خواں کے پیچھے کھڑی تھیں۔ ''ان کی خاموشی ہی ان کی رضامندی ہوتی ہے۔''

طاہرہ کا جھکا ہوا سر اٹھا اور اس نے ہولے سے

کچھ کہا تھا، میں اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ کسی کی آواز آئی کہ اس نے ہاں کر دی ہے، اس نے فوراً میرا ہاتھ تھپتھپایا، میں نے نیچے جھک کر اس کی بات سنی۔ سامنے ہی مائیک پکڑے نکاح خواں کی طرف ہاتھ بڑھایا، انہوں نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''مائیک دے دیں!'' میں نے ذرا بلند آواز میں کہا کیونکہ اردگرد کا شور انہیں کچھ سننے ہی نہیں دے رہا تھا۔ یوں بھی کسی مولوی یا ملا کو مائیک دیں تو ان کا دل نہیں کرتا کہ کسی اور کو مائیک دے دیں۔ میں نے مائیک لے کر طاہرہ کو پکڑا دیا۔

''نہیں!'' مائیک میں ابھرنے والی آواز، صرف یک لفظی...... طاہرہ ہی کی تھی۔

''کیا نہیں......؟'' کئی لوگوں کے منہ سے یکمشت نکلا تھا۔

''مجھے یہ نکاح قبول نہیں، مجھے وسیم احمد ولد سجاد احمد سے نکاح قبول نہیں ہے۔'' اس نے اپنا فقرہ مکمل کیا۔ جس ڈرامے کی تیاری اتنے دنوں سے ہو رہی تھی، اس کا ڈراپ سین ہو گیا تھا، اتنی خاموشی ہو گئی تھی جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو یا ہم سب سوئے ہوئے محل میں تھے۔

''ایسے کیوں کہہ رہی ہو میری گڑیا؟'' دادی نے اٹھ کر طاہرہ کے پاس آ کر کہا، مائیک طاہرہ کے ہاتھ میں تھا تو اس میں دادی کی آواز بھی آ رہی تھی۔

''اپنا حق استعمال کر رہی ہوں دادی۔'' اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ ''اگر لڑکا اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ کسی لڑکی کو مسترد کر دے تو شریعت یہی حق لڑکی کو بھی دیتی ہے۔ میں اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے وسیم سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہوں۔''

''لیکن وجہ کیا ہے طاہرہ بیٹی؟'' پھپو بھی اٹھ کر طاہرہ کے پاس آ کر بولیں اور ان کی آواز بھی مائیک میں گونجی۔

''میں وجہ بتانے کی اگرچہ پابند نہیں ہوں مگر آپ کو بتا دیتی ہوں کیونکہ آپ میرے لیے قابلِ احترام ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ میں کسی اندھے سے شادی نہیں کر سکتی جو کسی لڑکی کو ٹھکرانے کے لیے یہ جواز پیش کرے کہ وہ عینک پہننے لگی ہے اور خود وہ بغیر عینک پہن کے بھی اندھا ہو۔'' طاہرہ نے اپنے مخصوص اعتماد سے کہا۔ ''یوں بھی میں ایک کم تعلیم یافتہ اور نکمے شوہر کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکوں گی جسے کام کرنے کا ڈھب ہے نہ شوق۔ یہ بات اپنے ان تمام رشتے داروں کو بتانے کے لیے ہی میں اس دن کا انتظار کر رہی تھی جنہیں وسیم نے خود جا، جا کر بتایا تھا کہ وہ مجھے ٹھکرا رہا ہے۔ مجھے ٹھکرانے کے بعد وہ کسی لالچ کے تحت مجھے بیاہنے کے لیے آیا ہے اور اسے یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ میرے بعد اس لڑکی سے بھی بیاہ کر لے گا جس کی خاطر یہ مجھے ٹھکرا رہا ہے۔ اب میں آپ سب کے سامنے اسے ٹھکرا کر اسے کھلی اجازت دیتی ہوں کہ وہ میرے بجائے اس کے ساتھ شادی کر لے۔'' کہہ کر طاہرہ نے مائیک مجھے پکڑایا اور میں نے نکاح خواں کو دے دیا۔

سب اردگرد اکٹھے ہو گئے اور لگے طاہرہ کو سمجھانے کی کوشش کرنے مگر ابا نے سب کو منع کر دیا اور نکاح خواں جسے نکاح کے بعد ایک طویل خطبہ دینا تھا اور دعا کرنا تھی، اس نے مائیک پر تقریر شروع کر دی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بچیوں کو مجبور کر کے ان کی شادیاں ایسے لڑکوں کے ساتھ نہیں کرنی چاہیے جن کے ساتھ وہ راضی نہ ہوں۔ شادی میں اقرار یا انکار کرنا ان کا شرعی حق ہے۔

پھپو، دادی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں اور وسیم کی ساری بہنیں طاہرہ کے گرد گھیرا کیے ہوئے اس کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا کر ترلے اور منتیں کر رہی تھیں۔ وسیم ہونق بنا کھڑا تھا، پھوپا، ابا کے ساتھ مذاکرات میں مصروف تھے مگر ابا کسی وعدے وعید سے قائل نہیں ہو رہے تھے۔ سب سے پُرسکون اماں تھیں جو نانی کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ کر رہی تھیں۔ اس رش سے گھبرا کر طاہرہ اٹھ کھڑی ہوئی، میں نے اس کا لباس درست

کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے اپنے کمرے میں جانا ہے۔" اس نے اتنی آواز میں کہا کہ سب نے سن لیا۔

"چلیں آپ لوگ چائے تو پییں...... برآمدے میں چائے کا انتظام ہے۔" ابا نے مائیک میں کہا مگر مختصر سی بارات نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ ابا نے پھپو سے کہا بھی کہ شادی ہونا یا نہ ہونا مقدر کی بات ہے مگر وہ چائے تو پییں جس کا انتظام ابا نے کیا تھا مگر اس وقت سب کے مزاج گرم ہو رہے تھے۔

"مر گئی تمہاری بہن سجاد، میں اب اس گھر سے ایک دانہ بھی نہیں کھاؤں گی نہ ایک گھونٹ پانی پیوں گی۔" پھپو کی آواز تو یوں بھی ایسی تھی جیسے مائیک میں بول رہی ہوں اس پر مستزاد وہ غصے میں بول رہی تھیں۔

"یوں تو نہ کہو زبیدہ آپا، بچی کی مرضی کے بغیر کیسے شادی ہو سکتی ہے۔" ابا نے اپنے پہلے سے تیار کیے ہوئے مکالمے دُہرائے۔ "ساری زندگی ایک ان چاہے رشتے میں بندھ کر ناخوش رہے تو اس سے بہتر ہے ناں کہ اس نے آج انکار کر دیا۔ آپ نے ہی تو کہا تھا ایسا اماں سے۔ آپ دیکھ لیں، میں نے تو اسے سمجھایا بجھایا اور اسے منا کر آج اس کے نکاح کی تقریب بھی رکھ لی ہے مگر میں اسے مجبور تو نہیں کر سکتا۔ سمجھدار ہے، عاقل اور بالغ ہے، اپنا اچھا برا سمجھتی ہے۔"

"چلو اٹھو...... واپس چلو سب لوگ۔" پھپو نے تان لگائی، وسیم جو ابھی تک دولھا بنا بیٹھا تھا وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا تھا کہ آپ لوگ چائے پی کر جاتے مگر میں اس سے زیادہ اصرار نہیں کروں گا۔" ابا نے کہا۔ "ہاں ایک مشورہ دے دیتا ہوں، عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" ابا نے لوٹ کر جاتے ہوئے لوگوں سے کہا۔ "سب تیار شیار بھی ہو اور وسیم دولھا بنا ہوا ہے تو اس کی شادی آج ہی اس لڑکی سے کر دو جسے یہ چاہتا ہے۔"

"ہاں، ہاں کروں گی، آج ہی کروں گی۔ فکر نہ کرو تم۔" پھپو نے پلٹ کر ابا کو جواب دیا اور جب پھپو کے گھر والے اور ان کے سارے سسرالی نکل گئے تو ابا نے تایا اور چچا کو روک لیا کہ کم از کم وہ رک جائیں۔ ابا کے کہنے پر وہ لوگ رک گئے۔ سب لوگ بیٹھ گئے، اس میں ہمارے ددھیال اور ننھیال کے طرف سے رشتے دار تھے، سوائے پھپو کے گھر والوں کے۔ سب لوگ ابا کے ساتھ ہمدردی اور تاسف کا اظہار کر رہے تھے کہ طاہرہ نے اس طرح انہیں بے عزت کیا تھا۔

"میرے لیے اس میں کوئی بے عزتی نہیں ہے، میرے لیے بے عزتی وہ تھی کہ جب خاندان اور گلی، محلے کا ہر شخص مجھے روک کر سوال کرتا تھا کہ وسیم نے طاہرہ کے ساتھ شادی سے انکار کیوں کر دیا ہے۔ میری اچھی شکل اور عقل والی بیٹی کو یوں کوئی رد کرے اور اس کا ڈھنڈورا پیٹے جیسے وہ کوئی شہزادہ گلفام ہو اور میری بیٹی اس کے قابل نہ ہو۔ میری بیٹی نے اپنی ہتک کا بدلہ بھی لیا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوں۔ وہ ہیروں جیسی بیٹی ہے، خوش شکل، اچھی سیرت والی اور انتہائی ذہین ہے۔ اسے کوئی کمی نہیں ہے، اسے اللہ اس کے جیسا ساتھی نصیب کرے گا۔ ان شاء اللہ"

"کیوں نہیں، ایسا ہی ہوگا۔" چچا نے کہا۔

"اتنی پیاری دلہن بنی ہے، میں تو سمجھتی ہوں کہ اسے اسی روپ میں آج ہی آپ سے مانگ لوں۔" خالہ نے اماں اور ابا کے سامنے اپنا آنچل پھیلایا، خالو بھی ان کے ساتھ کھڑے تھے اور ارسل بھائی ان کے عقب میں سر جھکائے ہوئے۔ ساتھ ہی ان کے باقی بہن بھائی اور ماموں کھڑے تھے، ان کے سامنے نانی آ کر کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے اپنا آنچل بھی ابا کے سامنے پھیلا دیا۔

"کیوں مجھے گناہ گار کرتی ہیں اماں!" انہوں نے نانی کا آنچل پکڑ لیا اور کھڑے ہو گئے، انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ "آپ میری ماں ہیں، مانگیں نہیں، حکم کریں۔" یوں لمحوں میں منظر بدل گیا اور وہی نکاح خواں جو ابھی تک چائے کے ساتھ انصاف کر رہے تھے، (چائے کون سا خالی چائے کا کپ تھا، پورے

کھانے کے لوازمات ساتھ تھے۔) نکاح ہونے کا مژدہ سن کر باغ، باغ ہو گئے۔ طاہرہ کو میں جا کر واپس لائی اور اسی اسٹیج پر بٹھا دیا۔ ارسل بھائی سامنے بیٹھ گئے، وہ دولہا تو نہیں بنے ہوئے تھے مگر وسیم سے زیادہ اسمارٹ لگ رہے تھے۔

''مائیک کی ضرورت نہیں ہے۔'' طاہرہ نے آہستہ سے کہا جو کہ میں نے ابا کو بتا دیا۔ تھوڑے سے تو لوگ رہ گئے تھے اب، بغیر مائیک کے بھی سب سن لیتے۔ ابا نے نکاح خواں کو نئے نام بتا دیے اور نکاح کے فارم بعد میں پُر کرنے کا کہہ کر چچا سے کہنے لگے کہ وہ چائے پی کر بیٹھ کر فوراً تمام فارم پُر کر دیں۔

''طاہرہ بتول بنت سجاد حسین، آپ کو ارسل رضا ولد رضا الٰہی ــــ کے ساتھ، بعوض حق مہر دس لاکھ روپے نکاح قبول ہے؟'' ان کی بات ختم ہوئی تو ایک ایسی خاموشی چھا گئی جیسے سب ہمہ تن گوش ہوں، شاید دوبارہ انکار کے الفاظ سننا چاہ رہے ہوں۔

''جی مجھے قبول ہے۔'' انتہائی واضح الفاظ میں اور دل کی رضا سے کہے گئے الفاظ۔

''طاہرہ بتول......'' دوسری اور تیسری دفعہ بھی ان کے وہی الفاظ اور طاہرہ کا وہی جواب، انہوں نے خطبہ اور دعا کی تو مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ میں خوشی سے طاہرہ سے لپٹ گئی اور اسے چٹا چٹ کئی بوسے دیے۔ ہمارا سارا ڈراما اسی طرح مکمل ہوا تھا جیسے کہ ہم چاروں نے پچھلے چند دنوں میں تیار کیا تھا۔ خالہ نے ارسل کا رشتہ پیش کیا تو اسے طاہرہ کی رضا سے قبول کر لیا گیا تھا اور خالہ کو بھی بتایا گیا تھا کہ اس طرح سے سارا ڈراما ہوگا۔ رخصتی ابھی نہیں ہونا تھی، البتہ ارسل بھائی جب بھی چاہتے، طاہرہ کو ملنے آ سکتے تھے، اسے باہر لے کر جا سکتے تھے اور وہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے ہاں جا سکتی تھی۔ یہ انتظامات صرف آٹھ ماہ کے لیے تھے جب تک طاہرہ کے امتحانات نہ ہو جاتے۔ ارسل بھائی کو کچھ دن رکنا تھا، وہ چھٹی لے کر آئے تھے۔

طاہرہ اپنے کمرے سے رخصت ہو کر گیسٹ روم میں چلی گئی تھی جسے اماں نے سجا کر لاک کر دیا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ رات کا کھانا ٹرالی میں سجا کر میں ان کے کمرے میں گئی، دونوں صوفے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے دروازہ ہلکا سا کھٹکھٹایا۔

''آ جاؤ بیٹا، دروازہ کھلا ہے۔'' ارسل بھائی نے کہا تھا۔

''آپ لوگوں کا کھانا۔'' میں نے ٹرالی گھسیٹ کر اندر کی۔

''ارے کیوں بھئی، ہم کوئی مہمان ہیں۔ ہم باقی سب کے ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔'' ارسل بھائی نے کہا۔

''وہ ہم لوگ ذرا دیر سے کھانا کھاتے ہیں تو اماں نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو پہلے کھانا دے دوں تا کہ آپ لوگ آرام کر لیں۔'' میں نے وضاحت کی۔

''نہیں گڑیا، ہم سب کے ساتھ ہی کھانا کھائیں گے۔'' میں ٹرالی سمیت واپس نکلنے لگی۔ ''آؤ بیٹھو نا ں ہمارے پاس، تم سے تو کوئی بات ہی نہیں ہو سکی آج۔'' ارسل بھائی نے کہا۔

''میں ٹرالی واپس چھوڑ کر اور اماں کو بتا کر آتی ہوں۔'' میں نے اماں کو بتایا اور کھانا واپس دیگچوں میں انڈیلا۔ تبھی خالہ کی کال بھی آ گئی کہ وہ رات کے کھانے پر آئیں گی اور ساتھ کچھ میٹھا بھی لے کر آئیں گی۔ کھانا کافی پُر تکلف اور کافی مقدار میں تھا، اماں کو کوئی پریشانی نہ ہوئی بلکہ اپنی بہن کی آمد کے خیال سے وہ خوش بھی ہو گئیں۔

''میں ذرا تیار ہو لوں۔'' اماں کہہ کر نکلیں تو میں دوبارہ دولہا، دلہن کی طرف چلی۔

''آ جاؤ!'' طاہرہ نے کہا دروازہ کھلا ہی تھا۔

''خالہ وغیرہ بھی سب آ رہے ہیں رات کے کھانے پر۔ ابا نے خالو سے کہا تھا، پہلے تو انہوں نے مانا نہیں مگر تھوڑی دیر پہلے ہی خالہ کی کال آ گئی ہے کہ وہ آئیں گے۔'' میں نے بتایا۔

''پھر تو اماں کو مدد چاہیے ہوگی؟'' طاہرہ کو حسب توقع پریشانی ہوئی تھی۔

''نہیں، اماں نے کافی کھانا بنایا تھا، تم فکر نہ کرو۔''

''اور سناؤ بینا، سب ٹھیک ہے؟'' ارسل بھائی نے کہا۔ ''مجھے تمہارا شکریہ بھی ادا کرنا تھا۔''

''کس بات کا؟'' طاہرہ نے حیرت سے سوال کیا۔

''اصل میں، میں نے تمہیں چند سال پہلے اپنے خاندان کی کسی شادی میں دیکھا تھا اور تم سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔ اماں سے کہا کہ رشتہ بھجوائیں، ایک تو میں خود اس وقت زیرِ تعلیم تھا اور اس پر مستزاد کہ علم ہوا تم منگنی شدہ بلکہ اپنی پیدائش کے وقت سے وسیم سے منسوب ہو۔ دل تو ٹوٹا مگر جب بائیس دن پہلے اس چھوٹی سی سیانی لڑکی نے کال کر کے اماں کو بتایا کہ تمہاری منگنی ٹوٹ گئی ہے تو میرا دل بلیوں اچھلنے لگا اور میں نے اماں سے کہا کہ فوراً رشتہ بھیجیں۔ ہم نے فوراً پلان بنایا اور پہنچ گئے رشتہ ڈالنے۔ خالو نے اسی وقت رشتہ قبول کر لیا مگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ اخفائے راز ضروری ہے، ایک طویل ڈراما کرنا تھا کہ وسیم کو ساری زندگی اس بات کا دکھ رہے کہ اس نے کتنی قیمتی اور پیاری لڑکی کو ٹھکرایا ہے۔'' ارسل بھائی نے مختصراً بتایا۔

''ڈرامے کا تو مجھے پتا ہے مگر یہ علم نہیں تھا کہ آپ لوگوں کی اس وقت آمد کا یہ مقصد تھا۔'' طاہرہ نے کہا۔ ''کیسے تیز اور گھنے ہیں آپ!'' اس نے ہنس کر کہا تو اس کی آنکھیں تک ہنس رہی تھیں۔

''ابھی تو آپ کے دل کی کتاب پر سے بائیس سالہ محبت کی داستان کا ایک، ایک لفظ مٹانا ہے۔'' ارسل بھائی نے استحقاق سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''کون سی محبت؟ کون سی داستان؟'' طاہرہ نے حیرت کی اداکاری کی۔

''یہ بھی اچھا ہے......'' ارسل بھائی ہنسے۔

''ان بائیس دنوں میں، آج وسیم کو رد کرنے سے لے کر پورے اعتماد، یقین اور دل کی رضا سے آپ کو قبول کر لینے کے بیچ یہی تو ہوا ارسل۔ میں نے ان بائیس سالوں کی ایک، ایک یاد کو اپنے دل سے مٹایا نہیں بلکہ کھرچ کر نکال دیا ہے۔ اب مجھے کسی وسیم کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یقین کریں، مجھے اب علم ہوا ہے کہ اس سے ایسی محبت کبھی تھی بھی نہیں جیسی آپ کے ساتھ نکاح کے دو بول پڑھ کر اور تین بار آپ کے ساتھ کو قبول کر کے ہوئی ہے۔''

''اور وہ جو تم نے رو، رو کر......'' میں نے حیرت سے منہ اور آنکھیں کھول کر اس سے سوال کیا۔

''وہ اس ڈرامے کا پہلا سین تھا بینا، جس کا آخری سین آج کے دن ہوا تھا۔ مجھے صرف وسیم سے اپنی ہتک کا بدلہ لینا تھا، اسے بتانا تھا کہ لڑکیاں اتنی ارزاں نہیں ہوتیں کہ انہیں ذرا، ذرا سی بات پر رد کر دیا جائے۔'' طاہرہ نے ہنس کر جواب دیا۔

''یہ تو بہت زیادہ سزا ہو گئی اس کے لیے......'' میں بڑبڑائی۔

''یہ تو کچھ سزا بھی نہیں ہے۔ اصل سزا تو اس کے لیے وہ ہے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے تھے اور میں نے اسی روز سوچ لیا تھا کہ جو مجھے ٹھکرا رہا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے۔'' ہم دونوں کا قہقہہ اتنا بلند ہو گیا کہ ارسل بھائی ہونقوں کی طرح ہمیں دیکھ رہے تھے۔

''کیا بات ہوئی بھئی، مجھے بھی بتاؤ کہ کیا بات ہے؟'' وہ متجسس ہو رہے تھے۔

''نہیں ارسل!'' طاہرہ فوراً سنجیدہ ہو گئی۔ ''کچھ باتیں بہنوں کے بیچ کے راز ہوتے ہیں، انہیں راز ہی رہنے دینا چاہیے۔ مجھے آپ سے وعدہ چاہیے کہ آپ میرے اور ماہرہ کے بیچ کبھی نہیں آئیں گے...... بالکل اسی طرح جیسے ماہرہ ہم دونوں کے بیچ کبھی نہیں آئے گی۔''

''پکا وعدہ بھئی!'' ارسل بھائی نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''آپ وعدہ کر لیں مگر میں تو آؤں گی ہمیشہ آپ دونوں کے بیچ، کباب میں ہڈی بن کر۔'' میں اٹھ کر صوفے پر دونوں کے درمیان بیٹھ گئی اور ہم سب کا مشترکہ قہقہہ باہر تک گیا۔ ارسل بھائی نے ہنس کر میرے سر پر چپکی دی اور طاہرہ نے مجھے پیار سے اپنے ساتھ لگا لیا۔



اپنا گھر

کنیز زہرا

جولائی کی چلچلاتی دھوپ جیسے ہڈیوں کو بھی پگھلانے کے چکر میں تھی۔ تندور بنے چھوٹے سے کچن میں کھڑی حدیقہ نے چولہے پر ابلتی چائے دو کپوں میں انڈیلی اور چولہا بند کر کے کچن سے نکل آئی۔ ڈھلتی شام میں بھی بلا کی تپش تھی۔ آج امی کے گھر کی ڈیوٹی حدیقہ کی تھی۔ ان کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ ابا بھی دو سال پہلے زندگی کی مشکلات سے آنکھیں چرا کے راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔ تب ان تینوں بہنوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر دو دن بعد ایک بیٹی اماں کے گھر چکر لگائے گی۔ ایک دو دن کا کھانا، صفائی ستھرائی اور کپڑے دھونے جیسے معاملات دیکھے گی۔ گو رابعہ خاتون اتنی بھی ضعیف نہیں تھیں پھر بھی شوگر اور بی پی جیسے امراض نے گھیر رکھا تھا۔ شوگر لو ہونے یا بی پی ہائی کی صورت میں چکرا کے گر جایا کرتی تھیں۔ سو اسی وجہ سے تینوں بہنیں حتی الامکان کوشش کرتیں کہ انہیں اکیلا نہ چھوڑیں۔ لیکن اپنے، اپنے گھروں کی مجبوریوں میں بھی پھنسی ہوتی تھیں۔

"یہ لیں اماں! چائے۔ توبہ آج تو گرمی جیسے جان ہی لے کر چھوڑے گی۔" چائے کا کپ اماں کو تھما کے وہ دوپٹے کے کونے سے پسینہ پونچھتی سامنے رکھی کرسی پر جا ٹکی۔

"حدیقہ! کیا ہوا ہے، میں صبح سے نوٹ کر رہی ہوں تمہارا منہ اترا ہوا ہے۔ کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ؟" چائے کے سپ لیتی رابعہ خاتون نے تشویش بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"کیا بتاؤں اماں! بچوں کی فیسیں، گھر کا کرایہ، باقی اخراجات ہم تو گھن چکر بن کے رہ گئے ہیں۔ سمجھ نہیں آتا اتنی تنخواہ میں کریں تو کیا کریں۔" غیر مرئی نقطے پہ نظر جمائے بیٹھی حدیقہ نے افسردگی سے بتایا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا مت الگ ہو۔ الگ گھر کے سو اخراجات ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک گھر میں مل جل کے کئی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔" حدیقہ کی بات پر ملول ہوتی رابعہ خاتون نے ناقدانہ انداز میں سمجھایا۔

"بس اماں! اب پھر سے مت مجھے سمجھانے بیٹھ جایئے گا۔ مشکل سے تو اس جہنم سے نجات ملی ہے۔ آپ جتنا حوصلہ نہیں مجھ میں کہ آدھی زندگی ساس کے ساتھ مل کے نندوں کو بیاہتی رہوں پھر آدھی زندگی اولاد کی خوشی کے لیے دل مارتی رہوں۔ میرا گھر جیسا بھی ہے میری حکمرانی تو ہے ناں۔" تنفر سے کہتی حدیقہ کے لہجے میں سسرال کے لیے عجیب سی حقارت تھی۔

"نہیں، تیری ساس تو اچھی عورت ہے۔ کام بانٹ رکھا تھا سب بیٹیوں، بہوؤں میں۔ گھر کا نظام اچھے انداز میں چلا رہی تھی۔ باقی معمولی لڑائی جھگڑے کس گھر میں نہیں ہوتے۔ تم صبر کرتیں تو سب حالات تمہارے موافق ہو ہی جاتے۔" رسان سے کہتی اماں نے چائے پی کر خالی کپ سائڈ ٹیبل پر رکھا۔

"اماں! کبھی ساسیں بھی اچھی ہوئی ہیں۔ کیا بات کرتی ہیں آپ۔ جب تک میں اس گھر میں رہی اپنے شوہر کی پوری کمائی نہیں دیکھی وہ ساری تنخواہ اپنی اماں کو دیتے تھے اور کس نظام کی بات کر رہی ہیں۔ کھانا تک بڑھیا سے پوچھ کے بنانا پڑتا تھا۔ کھانے کے وقت غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ کے کھڑے ہو جاؤ اور ملکہ عالیہ سے پوچھو آج کیا بنائیں۔ اونہہ! جیسے ہی گھر سے نکلے بڑھیا سے جان چھوٹی۔ آپا کی ساس تھی تو ساری زندگی جینا حرام کیے رکھا آپا کا وہ مری تو ہی جان چھوٹی۔ اور اپنی شمائلہ کی ساس کون سا اچھی ہے۔ اس دن میں اس سے ملنے گئی۔ ویسے ہی باتوں، باتوں میں میرے منہ سے نکل گیا کہ یہاں سے گزر رہی تھی تو سوچا شمائلہ کے گھر ہو آؤں۔ اتنا سننا تھا کہ بڑھیا چمک کے بولی۔ "شمائلہ کا گھر کہاں سے ہو گیا۔ یہ میرا گھر ہے۔ کل کی آئی شمائلہ کون

ہوتی ہے؟" حدیقہ کے ترش لہجے میں شوہر کی ماں کے لیے بلا کی تضحیک تھی۔

"تو کیا غلط کہا زیتون بہن نے؟ ابھی دو ماہ ہی تو ہوئے ہیں شمائلہ کی شادی کو۔ ابھی وقت لگے گا گھر کو اور گھر والوں کو سمجھنے میں ذمے داریاں سمجھنے میں۔ اور مجھے اپنی بیٹی پر یقین ہے وہ ان لوگوں کو اپنا بنا لے گی۔ وہ میری سب سے زیادہ سعادت مند بیٹی ہے۔" محبت پاش لہجے میں کہتی رابعہ خاتون کے جواب پر کچھ دیر سے دروازے پر کھڑی ان کی باتیں سنتی شمائلہ مسکرائی۔

"بس کریں اماں! یہ سسرال ایسی مصیبت کا نام ہے کہ جس میں بڑے سے بڑے سمجھدار عقل ہار جائیں۔ ہماری شمائلہ تو پھر بہت معصوم ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ کل کے لیے کون سا سالن بنا کے رکھوں؟" ٹھنڈی آہ بھر کے کچھ جملوں میں بات سمیٹتی حدیقہ نے موضوع بدلا تھا۔

"آپا! میں بہت جلد اپنا گھر بنا لوں گی۔ پھر کوئی آپ سے نہیں کہے گا کہ شمائلہ کا کوئی گھر نہیں۔ بائی اپی اور آپا کی بات کریں، میرے گھر کی باتیں بتا کے اماں کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں آپ کو۔" جملے کا پہلا حصہ عزم سے جبکہ آخری حصہ غصے سے تمتماتے چہرے سے بولتی شمائلہ الٹے پیروں پلٹی تھی۔

"او اس کو کیا ہو گیا۔" بے پروائی سے سر جھٹکتی حدیقہ ٹرے اٹھائے باہر کی طرف بڑھی مگر شمائلہ جا چکی تھی۔ مگر پیچھے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئی تھی جو حدیقہ کے ذہن میں کھب کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

دوسرے ہی دن وہ آپا کو لیے بازار کا بہانہ کر کے شمائلہ کے گھر جا پہنچی۔ آخر پوچھے تو کہ فہد کی معمولی سی کلرک کی نوکری کے ہوتے ایسی کون سی گیدڑ سنگھی ہاتھ لگ گئی ہے جو شمائلہ جلد سے جلد...... اپنا گھر بنوا رہی ہے۔ آپا بھی اس بات پر حیران تھی سو جھٹ چادر اوڑھے اس کے ساتھ چلی آئیں۔ شمائلہ کی ساس سو رہی تھیں جبکہ فہد اور اس سے چھوٹا احد اس وقت آفس ہوتے تھے۔ چھوٹی نند نتاشا اپنے کمرے میں ٹیسٹ کی تیاری میں



مگن تھی۔ جبکہ شائلہ لاؤنج میں ہی آٹے کی پرات اور پانی لیے بیٹھی آٹا گوندھنے کی تیاری میں تھی۔

"ہم بازار کے لیے نکلے تھے یہیں تمہارے گھر سے دوسری گلی میں بہت اچھی کپڑوں کی سیل لگی ہے۔ سوچا تم سے بھی ملتے چلیں۔" ناقدانہ انداز میں پرانی طرز پر بنے سرخ اینٹوں والے مکان کا جائزہ لیتے حدیقہ گویا ہوئی۔

"ارے آپی! آپ کا اپنا گھر ہے جب چاہیں آئیں۔ تنویر بھائی اور بچوں کا سنائیں۔ نائلہ آپی آپ سنائیں عدی بھائی اور بچے کیسے ہیں؟" کولڈ ڈرنکس انہیں سرو کرتے شائلہ نے خوش دلی سے کہا۔

"عدی کو کیا ہونا ہے۔ ویسے کے ویسے ہی ہٹ دھرم اور ضدی۔ چھوڑو انہیں تم یہ بتاؤ کہ حدیقہ کہہ رہی تھی تم نیا گھر بنا رہی ہو۔ ایسی کون سی لاٹری لگ گئی تم لوگوں کی کہ نیا گھر بنانے لگے؟ ویسے اچھا ہی ہے جوائنٹ فیملی سسٹم کے بڑے پنگے ہوتے ہیں۔ میں کہتی ہوں لڑکی کی شادی ہی اس گھر میں ہونی چاہیے جہاں ساس نند کا مسئلہ ہی نہ ہو، کیوں حدیقہ؟" اس کے ساتھ ہی صوفے پہ آلتی پالتی مار کے بیٹھتی نائلہ نے سامنے ہی ایزی چیئر پر بیٹھی حدیقہ کو بھی شاملِ خیال کرنا چاہا۔ جبکہ آٹے کی طرف متوجہ ہوتی شائلہ کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے تھے۔ پھر وہ مگن سی آٹا گوندھنے لگی۔

"میں نے نیا گھر بنانے کی نہیں اپنا گھر بنانے کی بات کی تھی ایپا! اور ان شاء اللہ جلد میں اپنا گھر بنا لوں گی۔" پُرعزم انداز میں کہتی شائلہ کے چہرے پر مضبوط ارادوں کی چمک تھی۔

"ارے وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں سمجھ آتی کہ فہد کی چند ہزار کی تنخواہ میں تم اپنا گھر بناؤ گی کیسے؟" لب بستہ ساری باتیں سنتی حدیقہ کے پُرتجسس انداز پر شائلہ کے ہونٹوں کو دھیمی مدھر مسکراہٹ نے آگھیرا۔

"آپ سے کس نے کہا گھر پیسے سے بنتے ہیں۔ فہد کی تنخواہ میں گھر بنانا ممکن نہیں مگر محبت سے گھر بن سکتا ہے۔ میں محبت سے بناؤں گی اپنا گھر۔" جذب سے کہتی شائلہ کی بات پر نائلہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

"لو اور سن لو حدیقہ! محبت سے ایک روٹی نہیں بنتی اس کے لیے بھی چولہے کے آگے کباب بننا پڑتا ہے اور یہ محترمہ محبت سے اپنا گھر بنائیں گی واہ بھئی واہ۔" طنزیہ لہجے میں کہتی نائلہ نے حدیقہ کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگایا۔ تب ہی شائلہ نے لاؤنج کے سامنے سے گزرتی نتاشا کو آواز دی۔

"نتاشا گڑیا! میں جانتی ہوں کل تمہارا ٹیسٹ ہے لیکن پھر بھی اگر کچھ ٹائم ہو تو فریج میں کل کا گندھا بیسن والا آٹا پڑا ہے آپی لوگوں کے لیے روٹی بنا دو اور ساتھ ٹماٹر کی چٹنی بھی لے آنا۔" شائلہ نے کچھ اس شیریں انداز میں کہا کہ نتاشا فوراً ہی... جی اچھا کہتی لاؤنج سے نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں گرما گرم بیسن کی روٹیاں، اچار، ٹماٹر کی چٹنی اور سلاد ان کے سامنے تھا۔

"آپی! یہ دیکھیں میں نے محبت سے روٹی ہی نہیں چٹنی سلاد بھی بنا کے دکھا دیا۔ میں نے محبت سے اس گھر کے کچن کو اپنا بنا لیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ اس سارے گھر کو اپنا بنا لوں گی۔ ایک دن میری ساس خود آپ سے کہیں گی کہ یہ شائلہ کا گھر ہے۔ وہ دن میں اپنی محبت اور کوشش سے لا کے دکھاؤں گی، یہ میرا وعدہ ہے۔" شائلہ کی بات پر رغبت سے کھاتی نائلہ طنزیہ مسکرائی تھی۔

"بی بی! یہ سراسر تمہاری غلط فہمی ہے۔ ساس نام کی مخلوق میں دل نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس لیے جتنی بھی قربانیاں دے لو ستائش یا محبت کا ایک لفظ نہیں نصیب ہونے والا۔ یہ گھر تو بہت دور کی بات ہے۔ ہاں ساس مر جائے تو سب کچھ بہو کا ہی ہوتا ہے۔ مطلب حق تو ہے مگر ملے گا بڑھیا کے مرنے کے بعد۔" حدیقہ نے تضحیک آمیز لہجے میں کہہ کر پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

"نائلہ آپا کی طرح؟" حدیقہ کے طنز پر بھڑکنے کے بجائے دھیمی سلگاتی مسکراہٹ سے استفسار کرتی شائلہ کی بات پر نائلہ کو خوب طیش آیا۔

"میرا ذکر بیچ میں کہاں سے آ گیا۔ کیا میں نے مارا ہے بڑھیا کو؟ تم نے اپنی سسرال کے قصیدے پڑھنے ہیں تو پڑھو مجھے بیچ میں کیوں لاتی ہو۔" تنک کر کہتی نائلہ نے شائلہ کو کڑے تیوروں سے گھورا۔

"ارے نائلہ آپی! چھوڑیں اسے... ابھی سسرال

کے جوہر نہیں کھلے ناں اس پر کچھ عرصے بعد دیکھیے گا، ہمارے ساتھ بیٹھ کے سسرال کی برائیاں کر رہی ہوگی۔'' تالی کے انداز میں ہاتھ پر ہاتھ مارتی حدیقہ نے اپنی بات پر خود ہی حظ اُٹھایا۔

''ارے آپی! آپ تو ناراض ہی ہوگئیں۔ ہم تو صرف بات کر رہے تھے۔'' شائلہ نے قدرے ہلکے پھلکے انداز میں بات کو سنبھالا تو نائلہ خاموش ہوگئی۔

''ارے حدیقہ آپی! آپ کی یہ انگوٹھی مجھے شروع سے بہت پیاری لگتی ہے۔ میں لے لوں؟'' اپنی بات کے اختتام سے بھی پہلے حدیقہ کی انگلی سے انگوٹھی نوچ کے وہ اپنی انگلی میں چڑھا چکی تھی۔ حدیقہ کا چہرہ یکلخت تاریک ہوا وہ ششدر سی شائلہ کو دیکھے گئی۔

''یہ کیا کر رہی ہو تم؟ ابا نے خود اپنی خوشی سے یہ دادی کی انگوٹھی حدیقہ کو دی تھی تم کیوں لے رہی ہو اسے؟'' کچھ دیر پہلے کی خفگی پسِ پشت ڈالتی نائلہ فوراً بہن کی حمایت میں بولی۔

''تو کیا ہوا یہ انگوٹھی ابو نے حدیقہ آپا کو دی تھی۔ میں بھی تو ابو کی بیٹی ہوں، میں لے لوں گی تو انہیں کیا اعتراض ہوگا بھلا؟ کیا ہوا حدیقہ آپی! اپنی انگوٹھی آپ کو لوٹا ہوا مال اور میں ڈاکو لگ رہی ہوں کیا؟'' ہلکے پھلکے... پُرمزاح انداز میں کہتی شائلہ نے مسرور ہو کر اپنی انگلیوں کو مختلف زاویوں سے دیکھ کر پہلا جملہ نائلہ سے جبکہ دوسرا حدیقہ سے کہا۔

''شائلہ کی بچی! دو میری انگوٹھی واپس' ابا نے مجھے اپنی خوشی سے دی تھی۔ اس لیے اس پر صرف میرا حق ہے بچی۔'' شائلہ کی بچکانہ حرکت پر دبے، دبے غصے میں کہتی حدیقہ کی بات پر شائلہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا جبکہ نائلہ بس متحیر سی شائلہ کو دیکھے گئی۔ جیسے اس کے پاگل ہونے پر اسے کوئی شبہ نہ بچا ہو۔

''میری پیاری آپیا! یہ ہی تو سمجھانا چاہتی تھی میں۔ کہ جب کوئی اپنی چیز کسی کو اپنی خوشی سے اور پوری رضا مندی سے دیتا ہے تو پھر ہی وہ چیز لینے والے کی ملکیت کہلاتی ہے ورنہ لوٹا ہوا مال کہلاتی ہے۔ آپ گھر کے چھوٹے موٹے جھگڑوں کو بڑھا چڑھا کر تنویر بھائی کو بتاتی رہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی ماں اور بہنوں سے لڑ جھگڑ کر حصہ لے کر الگ ہوگئے۔ جس سائبان میں رہتے تھے اسے بیچ کر کرایے کے گھروں میں دھکے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ فرق کیا پڑا آپیا؟ پہلے clash رشتوں کے درمیان تھا اور اب معاشی ضروریات اور تنگ دستی کا بھی رونا ہے۔ فرق پڑا تو صرف یہ کہ وہ اپنا گھر اب شاید کبھی نہ بن سکے۔ جو زبردستی آپ نے لیا وہ آپ کا حق نہیں لوٹ کا مال ثابت ہوا جو اتنا قلیل ہے کہ آپ کو بڑھتی ہوئی منہ زور مہنگائی کی لگا میں تھامنے کی بھی طاقت نہیں دیتا۔ اور نائلہ آپی! آپ سن لیں، ماں گھر کا ستون ہوتی ہے آپ کو لگتا تھا کہ وہ عدی بھائی کے آپ کے خلاف کان بھرتی ہیں تو دیکھ لیں۔ ان کے جانے کے بعد آپ کے شوہر اور آزاد ہوگئے۔ وہ ہی تو تھیں جو اپنی من چاہی بہو کے لیے بیٹے سے لڑتی اور اسے سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کرتی تھیں۔ مگر آپ نے تمام عمر کبھی ان کی کسی اچھائی کا ذکر نہیں کیا۔ ہمیشہ انہیں ظالم ثابت کرنے پر کمر بستہ رہیں۔ جب انسان اپنے مفاد میں الجھ کر بدگمانی کا اسیر بن جائے تو کبھی حالات اس کے اختیار میں نہیں آتے۔ کیونکہ حالات کو سازگار بنانے کے لیے خالص نیت اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کی ساس زندہ ہوتیں تو شاید آپ لوگ مل کے عدی بھائی کو راہِ راست پر لا پاتیں مگر آپ کی زبان درازی اور بیٹے کی غلط صحبت آپ کی ساس کو نگل گئی۔ اب آپ دونوں کے پاس سوائے پچھتاوے کے اور کیا ہے اس ہر ضرور سوچیے گا۔'' شدتِ جذبات سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ شائلہ دل کا سارا غبار نکالتی اٹھ کے کچن کی طرف چل دی۔ جبکہ نائلہ اور حدیقہ شرمندہ سی اٹھ کے اپنے، اپنے گھروں کو ہولیں۔ شائلہ سچ کہہ رہی تھی۔ وہ سچ جسے جانتے سمجھتے اور مانتے ہوئے بھی وہ لوگ زبان پر نہیں لاتی تھیں۔

زندگی میں بہت سے مقامات ایسے آتے ہیں جہاں بولنے کے لیے کچھ نہیں بچتا۔ اگر کچھ باقی ہوتا ہے تو وہ صرف احتساب ہوتا ہے۔



سلسلے وار ناول

کون خوابوں کے پار رہتا ہے

افشاں آفریدی کے مشّاق طرزِ بیان کی آئینہ دار ایک دلکش تحریر

خواب خواہ جاگتی آنکھوں کے ہوں یا سوئی آنکھوں کے، تعبیر پانا چاہتے ہیں۔ خواب سے حقیقت تک کا یہ سفر کبھی مسافر کو منزل سے ہمکنار کر دیتا ہے تو کبھی بھٹکا بھی دیتا ہے۔ خوابوں کی وادی، خیالات کی سرزمین اور تخیّلات کا جہان ہمیشہ ہی انسان کو اپنی سحر انگیز کشش سے گھیر لیتا ہے۔ سورج کی سنہری کرنوں کی مانند خواب بھی ایسے ہوتے ہیں جن پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتا۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل میں یہ خیالی جہان کبھی رہنمائی کا چراغ بن کر روشن ہوتا ہے اور کبھی مایوسی کی دھند اوڑھا دیتا ہے۔ اگر انسان ان خوابوں کو جستجو کا اشارہ سمجھے، تو ان کی تعبیر کے حصول کا سفر راہوں کو ہموار کر دیتا ہے اور منزل قریب تر ہو جاتی ہے۔ انجام خواہ جو بھی ہو خواب بننا اور ان کو حقیقت کا روپ دینے کی خواہش کرنا آدم کی فطرت اور اس کا حق ہے۔ خواب سے تعبیر تک کے سفر پر گامزن کچھ ایسے مسافروں کا قصّہ جنہیں آنکھوں سے زیادہ خواب پیارے تھے۔

آنکھ کو انتظار رہتا ہے ...... کون خوابوں کے پار رہتا ہے

قسط نمبر 4



''میں ٹھیک ہوں صوب..... مگر جوزی ٹھیک نہیں یار..... پلیز کم۔'' وجے کی پریشانی سے بھرپور آواز اسے تشویش میں مبتلا کر گئی۔

''کیا ہوا ہے جوزفین کو؟'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ اس کی تمام تر حسیات وجے کی طرف متوجہ تھیں۔ جس کا جواب سنتے ہوئے اس کا ذہن تیزی سے کچھ کیلکولیٹ کر رہا تھا۔

''پتا نہیں، اسے اینگزائٹی اسٹروک آیا ہے یا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ وہ اس وقت ایمرجنسی وارڈ میں ہے۔'' وجے کی اطلاع اسے فکرمندی میں مبتلا کر گئی۔ حواس جاگتے ہی وہ بستر پر اٹھ بیٹھا تھا۔ اور پھر اگلے بیس منٹ میں وہ وجے کے بتائے اسپتال میں موجود تھا۔

''اب کیسی ہے جوزفین۔ کیا سچویشن ہے؟'' وجے اسے اسپتال کے accident &)AE emergency) ڈیپارٹمنٹ کی لابی میں بیٹھا اونگھتا نظر آیا تو وہ تیز قدموں سے چلتا اس کے پاس جا رکا۔ وجے کے ہیلو کے جواب میں اس نے محض سر کو جنبش دینے پر اکتفا کرتے ہوئے متفکر انداز میں سوال کیا تھا۔

''اسے ہوش آ گیا ہے۔ مگر ابھی انڈر آبزرویشن ہے وہ۔'' وجے نے نیند سے چور نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''مگر اسے ہوا کیا تھا؟'' مصعب نے قدرے پرسکون ہوتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔

''پتا نہیں صوب، یہ تو اب ڈاکٹرز اس کی فیملی کو ہی بتائیں گے۔'' اس نے جمائی روکتے ہوئے لاعلمی کے اظہار کے طور پر گردن نفی میں ہلا دی۔

''تو اسے یہاں لایا کون... اور تمہیں کیسے پتا چلا کہ جوزی یہاں ہے؟''

''میں ہی لایا ہوں اسے۔ ان فیکٹ میری آج ائرپورٹ پر ڈیوٹی تھی، تمہیں تو پتا ہی ہے کہ میں ویک اینڈز پر وہاں نائٹ شفٹ لگاتا ہوں۔ میں اپنے آورز (گھنٹے) پورے کر کے پارکنگ میں اپنی کار کی طرف جا رہا تھا کہ میں نے جوزفین کو ڈیپارچر ایریا میں اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ غالباً وہ کسی کو ائرپورٹ ڈراپ کرنے آئی تھی۔ ابھی میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے اسے پکارنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک وہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے لہرائی اور میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر فرش پر گر گئی۔'' وجے نے اسے جواب میں تفصیل کہہ سنائی۔

''تم نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی؟'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں مگر جب کوئی بھی ترکیب کارگر نہ ہوئی تو مجھے مجبوراً ٹرپل نائن کو کال کرنا پڑا۔ اور اب مجھے یہاں آئے ایک گھنٹا ہونے کو ہے مگر ابھی تک کسی نرس یا ڈاکٹر نے آ کر کچھ نہیں بتایا۔''

''Paramedics نے وائٹلز چیک کیے تھے جوزفین کے، کیا ان کی کوشش سے بھی اسے ہوش نہیں آیا تھا؟'' وہ متفکر ہوا۔

''ہاں وائٹلز تو اسٹیبل تھے اس کے۔ البتہ اسے ہوش فوراً نہیں آ سکا تھا۔ اس لیے پیرامیڈکس اسے سیدھا اسپتال لے آئے۔ میں نے جوزی کی ماما کو کال کر کے انہیں انفارم کرنے کی کوشش کی مگر ان کا سیل آف تھا۔ لہٰذا پریشان ہو کر تمہیں کانٹیکٹ کرنا پڑا۔ تمہیں تو پتا ہے کہ اس نائٹ شفٹ سے پہلے میری چوہدری صاحب کے اسٹور پر پورے دس گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے اس کے بعد ائرپورٹ کی سیکورٹی جاب۔ اس وقت تو سمجھو میں نیند سے... بے ہوش ہونے کو ہوتا ہوں۔'' وجے نے تھکے، تھکے انداز میں اسے بتایا۔

''آئی انڈراسٹینڈ، تم نے آج کل کچھ زیادہ ہی ورک لوڈ لے رکھا ہے۔'' اس نے دلداری سے اس کا کندھا تھپکا۔

''کیا کروں یار، پاپا کو پیسے بھیجنا بہت ضروری ہیں، انہوں نے گھر گروی رکھ کر مجھے یہاں بھیجا تھا، اس کریڈٹ کی آخری انسٹالمنٹ اگلے مہینے ادا کرنا لازمی ہے ورنہ بیاج کی رقم میں دس ٹکا اضافہ ہو جائے گا یا پھر گھر lender کے نام کرنا پڑے گا۔'' وجے نے اپنی مجبوری بتائی تو وہ لب بھینچ کر اسے ہمدردی سے دیکھنے لگا۔

''جانتا ہوں میں۔ اسی لیے کہا بھی تھا کہ مجھ سے کچھ رقم لے لو۔''

''تم دل کے راجا ہو صوب مگر سچ تو یہ ہے کہ میں اس قرض سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔ میں نے یہاں آنے سے پہلے ماں کے سر کی قسم کھائی تھی کہ یہ تمام قرضہ میں اپنی کمائی سے چکاؤں گا۔ اور اوپر والے کی کرپا سے میری قسم پوری ہونے والی ہے۔ تمہارا یہ احسان ہی بہت ہے کہ تم نے چوہدری صاحب کے اسٹور پر جاب دلا دی مجھے۔ وہ اچھے پیسے دیتے ہیں، دل کے وہ بھی تمہاری طرح دریا لو ہیں۔'' وجے مشکور لہجے میں بولا۔

''اینی ویز، تم ان بیکار باتوں کو چھوڑو اور گھر جا کر آرام کرو نیند پوری کرو اپنی۔ یہاں میں رکتا ہوں۔ یوں بھی اب صبح ہونے کو ہے، ممکن ہے جوزی کی ماما اب کال ریسیو کر لیں۔ تم مجھے ان کا نمبر فارورڈ کر دو۔'' وجے کے تشکر بھرے الفاظ کو قصداً بے پروائی سے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے تحکم سے کہا۔

''لیکن......''

''لیکن ویکن چھوڑو...... اور گھر جا کر آرام کرو۔''

''آر یو شیور صوب؟ میں چلا جاؤں؟ تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا۔'' وجے کچھ متامل تھا۔

''آف کورس ناٹ، یوں بھی میری نیند پوری ہو چکی ہے۔'' اس نے وجے کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ کچھ مطمئن سا شکر گزاری سے مسکراتا اس سے مصافحہ کر کے اسپتال کے خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اور اپنے پیچھے مصعب کو اس سوال سے الجھتا چھوڑ گیا۔

''آخر ہوا کیا ہے جوزفین کو۔ ایسی بھی کیا بات ہو سکتی ہے جس نے اسے اس حد تک پریشان کر دیا۔ کیا کل اسمتھ کے گھر پر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو اس کے لیے اتنی exhausting رہی؟'' وہ اپنے آپ سے پوچھ رہا تھا۔

''آخر ایسا بھی کیا کہہ دیا تھا میں نے؟ نہ جانے کیوں لوگوں کو سچ برداشت نہیں ہوتا۔''

اس سوچ کے ساتھ ہی کئی شکنیں اس کے ماتھے پر در آئی تھیں۔ یہ سوچ اسے فکر مند کر گئی تھی۔

☆☆☆

شام کے سائے لمبے ہو کر رات کی تاریکی میں گم ہو چکے تھے۔ لونگ روم کی کھڑکیاں نیم وا تھیں اور اندر سنہری لائٹس کی مدھم روشنی دیواروں پر پھیل رہی تھی۔ شاداب منزل کی بالائی منزل میں عمر اور گڑیا کے کھیلنے کا شور رفتہ رفتہ خاموشی میں ڈھل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ تایا ابا سے بات کرنے کے لیے یہ وقت بہت موزوں ہے۔ لہٰذا وہ ہربل ٹی کی پیالی ٹرے میں رکھے لاؤنج میں آئی تو اوپر کی طرف جاتی بل کھاتی سیڑھیوں کی طرف نظر اٹھی۔

سفید ماربل کی سیڑھیاں یوں چمک رہی تھیں جیسے کسی نے ان پر چاندی چھڑک دی ہو۔ اس کے قدم سبک رفتاری سے سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ اپنے ذہن میں الفاظ کو ترتیب دیتی جا رہی تھی جو اسے تایا ابا کے سامنے دہرانے تھے۔ ہر قدم کے ساتھ دیوار کے ساتھ لگے لیمپس کی روشنی اس کے چہرے پر پڑتی اور پھر گزر جاتی۔

اوپر پہنچ کر وہ کچھ لمحے رکی۔ سامنے وہی کشادہ لابی تھی جس کی کھڑکیوں سے کراچی کی رات کے چراغ جھلک رہے تھے۔ نیچے لان سے فوارے کی ہلکی، ہلکی آواز آرہی تھی۔ اس نے کھڑکی کے پاس رک کر ہوا کے ساتھ اندر آتی ''رات کی رانی'' کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا اور تایا ابا کے کمرے کی طرف بڑھی مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہر بار کی طرح دائیں ہاتھ پر بنے ہادی کے کمرے کے دروازے پر اس کے قدم ٹھٹک گئے۔

جسے آج صفائی کے لیے کھولنے کے بعد وینٹی لیشن کی خاطر بند نہیں کیا گیا تھا۔

وہ بنا چاپ پیدا کیے بلا ارادہ ہی کمرے میں داخل ہو گئی۔ اندر سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا آج سے آٹھ نو سال پہلے تھا۔ کبھی یہاں چچا جی رہا کرتے تھے اور پھر ان کے بعد ہادی اس کمرے میں مقیم ہو گیا تھا۔ اور پھر ایک دن وہ بھی اس کمرے کو شاداب منزل کے مکینوں کے دل کی طرح ویران کر گیا، قسمت نے اسے بھی ان سے چھین لیا تھا۔ اب وہاں صرف اس کی کتابوں کے شیلف اور الماری میں رکھے اس کے کپڑے اس کی یادگار تھے۔ بڑے ابا کے حکم کے مطابق ہادی کی کوئی چیز بھی اس کی جگہ سے ہٹائی نہیں گئی تھی۔

اس نے کھلی کھڑکی کی طرف قدم بڑھائے اور کھڑکی سے باہر شاداب منزل کے بائیں جانب بنے پارک پر نظر ڈالی۔ پارک کا گراؤنڈ روشنی میں نہا رہا تھا۔ دن بھر یہ پارک کم عمر بچوں سے بھرا رہتا جبکہ اس وقت جوان لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے مگر آوازیں بہت دور لگ رہی تھیں۔

اچانک ہوا کے ایک جھونکے نے پردہ ہلایا تو ساتھ رکھی رائٹنگ ٹیبل پر دھری ایک پرانی فریم شدہ تصویر زمین پر گر گئی۔ اس نے جھک کر اٹھائی۔ تصویر میں دو چہرے تھے، ہادی اور ہنی کے چہرے۔

اس نے تصویر کو ہاتھوں میں لیا تو ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے پوری شاداب منزل سانس لینے لگی ہو، سارا منظر جیسے زندہ ہو گیا۔ کچھ پل ماضی سے ہاتھ چھڑا کر اس کے حافظے کی گلیوں میں چلنے پھرنے لگے تھے۔

"میں یہ سب نہیں پہنوں گی امی۔ آپ کو پتا تو ہے مجھے یہ لڑکیوں والے کپڑے کتنے برے لگتے ہیں، چبھتے ہیں مجھے۔" اس کے حافظے سے جھانکتا ایک چہرہ اسے کئی سال پیچھے کھینچ لے گیا۔

ایک بارہ سالہ بچی ہاتھ میں کرکٹ بیٹ پکڑے ماں سے بحث کر رہی تھی۔ جو اسے زبردستی سرخ کامدار جوڑا پہنانے پر مصر تھیں۔

"کوئی نہیں چبھتے۔ دیکھو تو کتنا نرم کپڑا ہے اس عروسی جوڑے کا۔"

"مجھے نہیں پہننا پھر بھی۔ میری ٹیم کا ٹی ٹوئنٹی میچ ہے آج بیک اسٹریٹ والوں سے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔ آپ نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کہ میں ہوم ورک کروں گی تو آپ مجھے میچ کھیلنے سے نہیں روکیں گی۔" بچی نروٹھے پن سے بول رہی تھی۔

"ہاں تو کھیل لینا میچ بھی۔ شام ہونے میں تو ابھی وقت پڑا ہے بیٹا۔ چلو شاباش میری پیاری بیٹی ہنی! اپنی امی کی بات نہیں مانو گی؟" امی کا دلار بھرا انداز ہمیشہ کا سا تھا۔

"مگر میں کیوں پہنوں یہ کپڑے نکاح تو ہادی بھائی کا ہو رہا ہے ناں۔ انہیں کہیں وہ تیار ہو کر دولھا بنیں۔ بس مجھے نہیں پہننے یہ کپڑے۔" حسین عروسی جوڑے کو گرم نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک عالم بیزاری میں کہا تھا اس نے۔

"ہاں تو ان کا نکاح تم سے ہی تو ہو رہا ہے۔" جواباً جو اطلاع اسے دی گئی وہ اسے حیران اور پریشان کر گئی۔

"کیا......؟" ایک دلدوز چیخ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ "مجھ سے؟"

"ہاں تم سے ہنی۔" امی نے نرمی سے کہا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔ میں ان سے شادی نہیں کروں گی۔ مجھے ہادی بھائی بالکل اچھے نہیں لگتے۔ آپ کو پتا ہے انہیں میرا ظفر کے ساتھ کرکٹ کھیلنا پسند نہیں۔ میرا سائیکل چلانا اور گلی کے لڑکوں کے ساتھ دوستی کرنا بھی ناپسند ہے۔ میں ان سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے ہٹ دھرم لہجے میں ماں کو صاف انکار کیا تھا۔

"کیوں نہیں کرو گی، کیا برائی ہے ہادی میں؟"

"افوہ......کوئی ایک برائی ہو تو کہوں۔ آپ نے دیکھا نہیں وہ مجھے پڑھاتے ہوئے کتنا ڈانٹتے تھے۔ میں تو

روز دعا کرتی تھی کہ ان کی جاب کسی دوسرے شہر میں ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لیے شاداب منزل سے دور چلے جائیں، اب اللہ، اللہ کر کے ان کی ایجوکیشن پوری ہوئی ہے اور جاب ملنے کی امید ہوئی ہے تو آپ کہہ رہی ہیں ان سے شادی کر لوں۔ ہرگز نہیں میں نہیں کروں گی ان سے شادی۔ اتنے تو بڑے ہیں وہ۔ یاد ہے ابھی دو مہینے پہلے ہی تو ان کی برتھ ڈے آئی تھی۔ پورے اکیس سال کے ہو گئے ہیں وہ۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہنی' شادی کی یہی تو عمر ہوتی ہے۔ آخر ہمیں تمہاری شادی بھی تو کرنی ہی ہے ناں۔''

''ہاں... لیکن میں صرف اپنے جیسے لڑکے سے شادی کروں گی۔ جسے میری طرح کرکٹ بہت پسند ہو، وہ sport lover ہو اور پڑھائی میں بھی اسے میری طرح کمزور ہونا چاہیے۔'' سر پر گھنگرالے بالوں کا گھونسلا لیے وہ ضدی پن سے کہہ رہی تھی۔

''چپ کرو ہنی، یہ کیا فضول باتیں ہیں۔'' جواباً تحمل سے بات کرتی امی نے غصے سے اسے ڈپٹ دیا تھا۔
''اپنے منہ سے اپنی شادی کی باتیں کرتے تمہیں شرم نہیں آتی۔''

''لو کمال ہے، آپ اور بڑے ابا میری شادی کر رہے ہیں اور میں اس بارے میں بات بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ ہنی ہی کیا جو لڑکیوں کی طرح بات کرے یا سوچ سمجھ کر منہ کھولے۔ کچھ تو اس میں بچپنا زیادہ تھا اور باقی رہی سہی کسر سارا، سارا دن لڑکوں کے ساتھ کھیل کود نے پوری کر دی تھی۔ وہ لڑکیوں والے کپڑے پہنتی تھی نہ ہی لڑکیوں والے کھیل کھیلتی۔ والدین کی اکلوتی بیٹی ہی نہیں وہ بڑے ابا کی بھی اکلوتی پوتی تھی اس لیے سب نے ہی لاڈ پیار کر کے اسے اچھا خاصا بگاڑ رکھا تھا۔ بچپن سے ہی چھوٹے بھائیوں اور کزنز کے ساتھ لڑکوں کی طرح رہتی رہی تھی۔ اور ایسے میں اپنا لڑکی پن ہی بھول گئی تھی۔

''بری بات ہے بیٹا، تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ لڑکیاں ایسی باتیں نہیں کرتیں۔''

''تو پھر کیسی باتیں کرتی ہیں لڑکیاں؟'' اس نے بیزاری سے سوال کیا۔ نظریں بار، بار وال کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں، جس کی سوئیاں تیزی سے دوڑ رہی تھیں۔

''جیسی ثنا کرتی ہے۔ وہ بھی تو تمہاری دوست ہے تم اس سے کچھ کیوں نہیں سیکھتیں۔'' امی نے پڑوس والی ثنا کی مثال دیتے ہوئے اسے تحمل سے سمجھایا۔

''ثنا اچھی لڑکی ہے امی۔ مگر ساتھ ہی وہ بہت بورنگ بھی ہے۔ آپ کو پتا ہے نہ وہ سائیکلنگ کرتی ہے نہ کرکٹ کھیلتی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''ہاں تو ٹھیک ہی تو کرتی ہے وہ۔ تم بھی اب بڑی ہو گئی ہو ہنی! لڑکیاں بڑی ہو جائیں تو انہیں ایسے منہ اٹھائے شتر بے مہار کی طرح نہیں گھومنا چاہیے بلکہ کچھ گھرداری اور سلیقہ سیکھنا چاہیے۔''

''مگر مجھے نہیں پسند یہ سب کرنا اور ہادی بھائی تو بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' منہ بنا کر انکار کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر ہادی یاد آ گیا تھا۔ ''آپ بڑے ابا سے کہیں ناں کہ وہ ان کی شادی ثنا سے کر دیں۔ آخر کو وہ کتنی اچھی ہے اور آپ کو پسند بھی ہے۔''

''بس اب خاموش رہو۔ مزید کوئی فضول بات مت کرنا۔ اور خبردار جو اب ہادی کو بھائی کہا تو۔'' امی نے گویا سر پیٹتے ہوئے اسے بے نقط سنائیں۔

''تو اور کیا کہوں انہیں۔ وہ میرے سگے چچازاد اور سگے خالہ زاد ہیں۔ آپ ہی نے تو کہا تھا انہیں بھائی کہا کروں۔'' اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''وہ پہلے کی بات تھی۔ آئندہ مت کہنا۔ سمجھیں اور اب چل کر شاور لو اور یہ کپڑے پہن کر ڈرائنگ روم میں

آجاؤ۔ آدھے گھنٹے میں قاضی صاحب بھی آنے والے ہیں۔"
"لیکن امی......"
"کوئی لیکن ویکن نہیں۔ وہی کرو جو میں نے کہا ہے۔ میری پیاری بیٹی۔" امی نے اس کے گھنگرالے بالوں کا گچھا ماتھے پر سے ہٹا کر اسے محبت سے چوم لیا۔
"دیکھنا شام کو میں تمہیں تمہاری پسند کا پزا منگوا کر دوں گی اور تمہارے لیے نئی کرکٹ کٹ بھی آرڈر کروں گی جس کی تم پچھلے کئی دنوں سے فرمائش کر رہی تھیں۔" اسے منانا تو امی کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ پچکار کر کہتے ہوئے اس کی پسندیدہ چیزوں کا نام لیا تو وہ بظاہر منہ بسورتی مگر دل ہی دل میں کرکٹ کی کٹ کا سوچ کر خوش ہوتی کمرے سے نکل گئی تھی۔
وہ بھی کیا وقت تھا جب چچا جی اور ہادی شاداب منزل میں رہا کرتے تھے۔ اور پھر اچانک ایک حادثے نے انہیں سب سے چھین لیا۔
"بس کرو عمر! اب ٹی وی بند کر دو۔" اچانک سمیع بھائی کے کمرے سے آتی مزنہ بھابی کی کرخت آواز نے اسے خود میں لوٹنے پر مجبور کیا۔
وہ چونک کر خیالوں کی دنیا سے واپس نکلی تو خود کو ہادی کے کمرے میں پایا جہاں آ کر وہ بہت کچھ بھول جاتی تھی اور بہت کچھ یاد بھی آ جاتا تھا۔ گہری سانس کھینچ کر اس نے تصویر کو واپس جگہ پر رکھا، دبے پاؤں کمرے سے نکلتے ہوئے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور تایا ابا کے لاؤنج کی طرف بڑھ آئی جہاں وہ صوفے پر نیم دراز ٹی وی آن کیے حسبِ معمول خبریں سننے میں مشغول نظر آئے۔
"السلام علیکم تایا ابا۔ یہ لیجیے آپ کی ہربل ٹی۔" چہرے پر ہاتھ پھیر کر کوئی تاثر تھا جو اس نے مٹانے کی کوشش کی تھی اور پھر حسبِ معمول اپنی آواز میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے ان کے پاس چلی آئی تھی۔
"پتا نہیں اوپری منزل پر آ کر میں ہر بار ایسا کیوں کرتی ہوں؟" سوال اس کے اندر گونج گیا تھا۔
"وعلیکم السلام، جزاک اللہ بیٹا۔ آج پھر گلے میں بڑی خراش محسوس ہو رہی ہے۔.. مجھے واقعی ضرورت تھی تمہاری اس ہربل ٹی کی۔" تایا ابا اسے دیکھ کر مسکرائے تو وہ شعوری کوشش سے تبسم لبوں پر سجا کر ان کے سامنے آ بیٹھی اور پیالی انہیں پکڑائی۔
"جی، تائی اماں نے مجھے بتایا تھا اس لیے میں یہ چائے آپ کے لیے بنا لائی۔"
"جیتی رہو، مجھے تمہارے ہربل علاج سے بہت افاقہ ہوتا ہے۔" ان کا انداز مشفق تھا جس پر وہ خوش دلی سے مسکرا دی۔
"ان شاء اللہ اس ہربل ٹی سے بھی فائدہ ہوگا آپ کو۔ کیونکہ اس میں ادرک ہے جو سوزش کم کرنے اور خون کو صاف رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے، صدیوں سے لوگ اسے استعمال کر کے بیماریوں سے لڑتے آئے ہیں۔ ساتھ میں شہد ہے۔ قدرت کا اینٹی بائیوٹک، یہ آپ کے گلے کو آرام دے گا اور جراثیم سے لڑے گا۔" اس نے اعتماد سے کہا۔
"یہ تو ہے۔ یہ تمام چیزیں بہت فائدہ مند ہیں۔"
"بالکل، اللہ نے ہمارے لیے پھلوں، سبزیوں اور مختلف جڑی بوٹیوں میں بہت افادیت رکھی ہے تایا ابا، اگر ہم ایک بیلنس ڈائٹ لیں تو ہمیں شاذ ہی دواؤں کی ضرورت پڑے۔ درحقیقت ہماری غذا میں ہی قدرت نے ہمارے لیے بہترین شفا چھپائی ہوئی ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں coffee instant کی طرح علاج بھی (فوری) چاہیے۔ جبکہ ہربل ٹریٹمنٹ کے لیے تھوڑے تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔" سر ہلاتے ہوئے تجزیہ پیش

کرتے ہوئے وہ کام کی بات کی طرف آنے کا سوچ رہی تھی۔

''ہم......م... یہ تو ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر کچھ بے صبرا ہے۔'' انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔

''ہاں مگر ہمیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے ناں کہ اس طریقۂ علاج کی سب سے اچھی بات یہ ہے اس کے سائڈ ایفیکٹس بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور اس پر خرچہ بھی کم آتا ہے۔'' اس کا انداز مدلل تھا۔

''اس میں تو خیر کوئی دو رائے ہو ہی نہیں سکتی جبھی میں تو چاہتا ہوں کہ تم اپنی اسٹڈیز مکمل کر کے اپنا ایک ہربل کلینک کھولو۔ جس کا سب سے پہلا مریض میں ہوں گا۔''

''اللہ نہ کرے آپ کبھی بیمار پڑیں تایا ابا۔ اللہ آپ کو ہمیشہ صحت مند اور سلامت رکھے۔'' اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''آمین ثم آمین۔'' تایا ابا اس کے یوں یک دم فکر مند ہو جانے پر محبت سے مسکرا دیے۔ تاہم ان کے جملے پر اسے اپنا مدعا عرض کرنے کے لیے راہ مل گئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے فوراً بولی۔

''ہاں البتہ یہ کلینک والا آئیڈیا اچھا ہے آپ کا۔ لیکن اس کے لیے مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔''

''سوری بیٹا، اس کے لیے میرے پاس بالکل پیسے نہیں ہیں۔'' جواباً وہ برجستہ بول کر خوش دلی سے ہنسے تو ان کی بذلہ سنجی اس کے لبوں پر خوشگوار تبسم پھیلا گئی۔

''آپ فکر مت کریں۔ میں ایسے کسی مسئلے میں نہیں پھنساؤں گی آپ کو۔'' ہنس کر انہیں جواب دیا اور پھر یک دم محتاط نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''میں دراصل اسی سلسلے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھی تایا ابا۔'' اب کے اس نے سنجیدگی سے کہا تو تایا ابا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نے لمحے بھر کو کچھ سوچا اور پھر ترتیب دیے ہوئے الفاظ ان کے سامنے دُہرا دیے۔

''ہم......م۔ تو یہ بات ہے۔'' تایا ابا نے گہری سانس بھر کر اس کی طرف کچھ سوچتے ہوئے دیکھا۔

''ویسے آفر تو اچھی ہے بچے۔ کیونکہ زیڈ اے ہاسپٹل سے میں واقف ہوں، وہ اپنی بہترین طبی سہولیات اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے واقعی قابلِ تعریف ہے۔'' تایا ابا کے ستائشی لہجے پر اس کی آنکھوں میں امید کی چمک لہرا گئی۔

''اس اسپتال میں انٹرن شپ کرنا تمہارے لیے ایک اچھا تجربہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اور ایم ایس کے ایڈمشن تک کی بریک کا ایک اچھا نعم البدل بھی۔'' تایا ابا اس کی بات سن کر خوش ہوئے تھے۔

''گویا آپ کے خیال سے مجھے یہ آفر قبول کر لینی چاہیے؟'' اس نے متفکر انداز میں پوچھا تو انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

''بالکل......صد فیصد۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتیں؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''جی، میں تو چاہتی ہوں اور اس لیے میں نے امی سے اس بارے میں بات بھی کی تھی کہ وہ ابا سے مجھے اجازت دلوا دیں مگر وہ بڑے ابا کی وجہ سے کچھ پس و پیش سے کام لے رہی ہیں۔'' اس نے قدرے مایوسی سے جواب دیا۔

''ہم......م...'' اس کے جواب پر وہ ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئے۔ اور چائے کا گھونٹ بھر کر اسے دیکھا۔

''کیا انہوں نے انکار کر دیا تمہیں۔'' چند سیکنڈز سوچتے رہنے کے بعد انہوں نے بھویں اچکا کر ایک اور سوال کیا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں... مگر ہامی بھی نہیں بھری۔ بلکہ مجھے یقین ہے انہوں نے ابھی تک ابا سے تذکرہ بھی نہیں کیا ہوگا۔'' اس

کے لہجے میں ناامیدی تھی۔

''اچھا تم اس کی فکر مت کرو۔ تمہارے ابا سے میں بات کرلوں گا۔'' یک دم انہوں نے فیصلہ کُن لہجے میں اسے تسلی دی تو وہ خوش ہونے کے باوجود فکرمندی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''اور بڑے ابا؟ ان سے کون اجازت دلوائے گا؟''

''تمہارے ابا ہی بات کریں گے ان سے۔ بہر حال تم جوائن کرنے کی تیاری رکھو بچے۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔'' تایا ابا نے محبت اور یقین سے کہا تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

تاہم ان کی یقین دہانی کے باوجود دل بہت مطمئن نہیں تھا۔ اسے بڑے ابا کے ساتھ، ساتھ امی کے تیور بھی راضی ہونے والے نہیں لگ رہے تھے اسی وجہ سے اس نے نشوئی کے مسلسل اصرار اور تین دن کے صبر آزما انتظار کے بعد بالآخر آج تایا ابا سے بات کر ہی ڈالی تھی۔

''اونہوں۔ کوئی منفی بات سوچنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا ناں کہ میں بات کرلوں گا تمہارے اماں، باوا سے۔ خاطر جمع رکھو۔ اور جاکر آرام کرو۔ میں ہینڈل کرلوں گا اس مسئلے کو۔'' اسے کسی سوچ میں ڈوبتا دیکھ کر انہوں نے اسے مخاطب کیا تو اس کی آنکھوں میں خوشی کا رنگ جھلکنے لگا۔

''تھینک یو سو مچ تایا ابا۔'' شکر گزاری سے لبریز لہجے میں اس نے کہا جس پر وہ بے دھیانی سے سر ہلاتے دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

''اے میرے اللہ! تایا ابا کی کوشش کو ناکام نہ ہونے دینا میرے رب۔'' سیڑھیاں ایک ردھم سے اترتے وقت اس کا دلِ محو دعا تھا۔

☆☆☆

''پلیز نشوئی، میری جان چھوڑو میں نہیں جارہی کہیں بھی۔''

''پیاری ہنی پلیز چلو ناں میرے ساتھ۔ کمال ہے یہاں لوگ چاند اور مریخ پر جارہے ہیں اور تمہیں میرے ساتھ ایک ریسٹورنٹ جانے میں نخرے ہورہے ہیں۔'' نشوئی نے محبت بھری دھونس سے کہا۔

''بات تمہارے ساتھ یار ریسٹورنٹ جانے کی نہیں ہے نشوئی بلکہ رافع بھائی اور تمہارے بیچ کباب میں ہڈی بننے کی ہے۔ پلیز ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ۔ بھلا میرا کیا کام ہے تم دونوں کے درمیان... میں کیا کروں گی وہاں جاکر۔''

''تم ہم دونوں کی نظر اتارنا اور ہوسکے تو کچھ صدقہ وغیرہ بھی دے دینا۔'' نشوئی نے کمال اطمینان سے مشورہ دیا۔

''ماشاء اللہ...... کیا کہنے ہیں۔ صدقے جاؤں تمہاری اس عقل کے جو گھاس چرنے چلی گئی ہے۔'' اس نے چڑ کر اسے گھورا۔

''مان جاؤ ہنی، ہیلپ کرو میری۔ رافع مجھ سے ملنا چاہتا ہے اور تم تو جانتی ہو مما مجھے اس سیل بند پیکنگ سے نکلنے کی اجازت اس وقت تک نہیں دیں گی جب تک تم میرے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہوجاتیں۔'' نشوئی اس کے انکاری تیور دیکھ کر منتوں پر اتر آئی تھی۔

''پلیز پیاری، وہ کیا کہا ہے حالی صاحب نے......

''کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر''

معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''نشوئی کی بچی۔ اپنے مطلب کے وقت کتنی بھاری دلیلیں اور حسبِ حال اچھے، اچھے شعر یاد آتے ہیں ناں تمہیں۔'' وہ زچ سی ہوگئی۔

''ٹرسٹ می، لکھوا لو مجھ سے۔تمہاری باری میں اس سے بھی اعلیٰ پائے کے اشعار نکال کر لاؤں گی میں دیوانوں سے مگر اس بار ہاں کر دو دیوانی!'' نشوئی پر اس کے تیوروں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، مزے سے یقین دہانی کرائی۔

''انکار مت کرو ہنی بیٹا۔چلی جاؤ اس کے ساتھ...تمہیں سبیکہ کا تو پتا ہی ہے۔وہ اسے یوں اکیلے میں رافع سے ملنے کی اجازت نہیں دے گی۔'' درخشاں ممانی گرم، گرم چائے کے مگ اٹھائے لونگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ہنس کر بولیں تو وہ چونک کر ان کی جانب متوجہ ہوئی جو ساتھ بنے کچن میں ان دونوں کے درمیان جاری بحث کافی دیر سے سن رہی تھیں۔

''جی درخشاں آنٹی میں سمجھتی ہوں۔مگر مجھے بہت آکورڈ سا لگے گا۔'' وہ متذبذب تھی۔

''کیا ہو گیا بیٹا ہنی! تم نشوئی کی صرف دوست نہیں ہو۔اس کی بہن جیسی ہو۔وی آر لائک فیملی...تو پھر کیوں آکورڈ لگے گا۔تم یہ فکریں چھوڑ دو، البتہ اگر مسئلہ گھر سے اجازت لینے کا ہے تو وہ میں بات کر لیتی ہوں تمہاری امی سے۔'' درخشاں شفقت سے بولیں اور اس کے انکار کے سارے راستے مسدود کر دیے تھے۔

''نہیں، نہیں آنٹی...ایسی بات نہیں۔امی سے اجازت ملنے کا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے گہری سانس بھر کر نیم رضامندی سے کہا تھا۔سمجھ میں نہیں آیا کہ انہیں کیا دلیل دے کر اپنے انکار کے لیے قائل کرے۔

انٹرن شپ کے لیے تایا ابا سے سفارش کروانے کے بعد اب وہ اس کام کے لیے درخشاں ممانی کو امی سے بات کرنے کے لیے نہیں کہہ سکتی تھی۔جو پہلے ہی تایا ابا کو اس معاملے میں شامل کرنے پر اس سے کچھ خفا سی تھیں۔صبح ناشتے کی ٹیبل پر ہی اسے ان کے موڈ کا اندازہ ہو گیا تھا۔اس لیے گھبرا کر نشوئی کی طرف چلی آئی۔سوچا تھا اس سے اپنے مسئلے کے بارے میں مشورہ کرے گی مگر یہاں تو دوسرا مقدمہ چل پڑا تھا۔

''چلو بس پھر ٹھیک ہے۔میں سبیکہ کو بتا دیتی ہوں۔وہ مطمئن ہو جائے گی۔تم ساتھ ہو گی تو وہ اسے ڈنر پر بھی جانے دے گی۔دراصل رافع کو کسی امپورٹنٹ میٹنگ کی وجہ سے لنچ کے لیے ٹائم نکالنے میں مشکل ہو رہی تھی۔''

درخشاں نے اس کے حامی بھرنے پر سکون کی سانس لی۔

''دیٹس لائیک مائی رئیل فرینڈ۔'' درخشاں ممانی کی بات پر اس کی خاموشی رضامندی کی دلیل تھی، جس پر نشوئی یک دم اس کے گلے لگ گئی۔لہجہ تشکر سے لبریز تھا۔جواب میں وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

☆☆☆

''مس جوزفین احمد کے ساتھ آپ ہیں؟'' اسے یہاں آئے ایک گھنٹا ہونے کو آیا تھا۔ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا اسے اسمتھ کو مطلع کرنا چاہیے یا نہیں کہ اس اثنا میں سامنے UTC سے نیلے یونیفارم میں ملبوس ایک نرس برآمد ہوئی۔اس وقت ویٹنگ ایریا میں اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔نرس نے متلاشی نظریں ادھر اُدھر دوڑانے کے بعد براہ راست اسے مخاطب کیا تھا۔

''جی۔''

''مگر پہلے تو یہاں کوئی اور تھا۔''

''وہ ہمارا کامن فرینڈ تھا۔مگر اس کا جانا ناگزیر تھا۔اس لیے اب میں یہاں ہوں۔'' اس نے رسماً مسکرا کر جواب دیا۔

''او کے۔''

''جوزفین اب کیسی ہے؟ اسے ہوا کیا تھا؟''

''وہ اب بہتر ہیں۔میڈیسن کا اوور ڈوز ہو گیا تھا، جو الیکٹرولائٹ کی کمی کی وجہ سے بے ہوشی کا سبب بنا۔'' نرس

نے پیشہ ورانہ لہجے میں جواب دیا۔
''میڈیسن کا اوور ڈوز؟'' اس کے لیے یہ اطلاع بہت حیران کن تھی۔ جوزفین کوئی میڈیسن بھی لیتی ہے یہ بات اس کے علم میں بالکل نہیں تھی۔ ''کون سی میڈیسن؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔
''ویٹ لوس میڈیکیشن (وزن گھٹانے والی ادویات) آپ کی پیشنٹ ریگولر یہ میڈیسن لیتی ہیں۔ جس کا ری ایکشن ہوگیا تھا۔'' نرس نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا تو اس کی دی گئی اطلاع کے سبب مصعب کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔
''کیا میں مل سکتا ہوں اس سے؟''
''جی..... مگر ابھی ان کی آئی وی ڈرپ ختم نہیں ہوئی ہے۔ ابھی آپ انہیں گھر نہیں لے جا سکتے۔'' نرس مختصر جواب دے کر آگے بڑھ گئی تو وہ اس کی تقلید میں ایمرجنسی ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا جس کے بڑے سے ہال کے تیسرے ''ٹریٹمنٹ کیوبکل'' میں جوزفین کو ڈرپ لگی ہوئی تھی۔
''ہیلو جوزفین، کیا حال ہے؟'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی آنکھیں موندے لیٹی جوزفین کو پکارا تو اس نے چونک کر نہ صرف آنکھیں کھول دیں بلکہ سر کو تکیے سے اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
''صوب تم..... تم یہاں کیسے؟'' جوزفین کی آنکھوں اور لہجے سے یک دم خوشی جھلکنے لگی تھی۔ وجے کے بجائے مصعب کا یہاں موجود ہونا اس کے چہرے کے کینوس کو مسرت سے رنگ گیا تھا۔ جس پر کمزوری کے آثار نمایاں تھے۔
''وجے نے مجھے کال کر کے بلایا تھا۔ بہر حال، اہم یہ نہیں کہ میں یہاں کیسے ہوں، اصل سوال یہ بنتا ہے کہ تم یہاں کیوں ہو؟ یہ سب ہوا کیسے؟'' اس نے جوزفین کے سوال کا مختصر جواب دے کر یک دم استفسار کیا تھا جس پر اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر مصعب کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی۔
جس پر ایسی فکر مندی درج تھی، جو کسی بھی مریض کے لیے ہو سکتی ہے۔ جوزفین کوئی غیر معمولی تفکر یا تاثر اس کی آنکھوں میں ڈھونڈنے میں ناکام رہی تو گہری سانس بھر کر اس نے سر کو تکیے پر ڈال دیا۔
''الیکٹرولائٹس کی کمی کی وجہ سے ویک نیس ہوگئی تھی مجھے۔ بس اس لیے۔'' جوزفین نے نظر چراتے ہوئے کہا تو مصعب کے ماتھے کی شکنیں دگنی ہوگئیں۔ اس کے جھوٹ نے مصعب کو غصہ دلا دیا تھا۔
''تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے جوزفین کہ یہ وزن گھٹانے والی ڈرگز کتنی خطرناک ہو سکتی ہیں۔ خاص کر جب انہیں کسی ماہر ڈاکٹر یا فارمسسٹ کے مشورے کے بغیر استعمال کیا جائے۔'' وہ سخت لہجے میں بولا تو جوزفین نے ندامت سے اس کی طرف دیکھا۔
''کس کی تجویز کردہ تھی یہ میڈیسن؟'' اس کا اگلا سوال اور بھی ناراض لہجے میں تھا۔
''کسی کی نہیں، میں نے آن لائن لی تھی۔'' اس بار جوزفین کا انداز پشیمانی لیے ہوئے تھا۔
''اوہ مائی گاڈ۔ کیا تم سیریس ہو جوزفین؟'' اس نے حیرت سے بھرے سخت لہجے میں سوال کیا تو جوزفین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔
''بس کرو صوب، اپنی غلطی بھگت تو رہی ہوں .... ہوگئی غلطی مجھ سے .... کیا معلوم تھا کہ stomach flu ہو تو یہ میڈیسن نہیں لینی چاہیے۔'' محض طبیعت کی خرابی ہی اس کے چڑچڑے پن کی وجہ نہیں تھی۔ بلکہ سچ تو یہ تھا کہ مصعب کے فاصلے قائم رکھنے کی روایت نے بھی اسے مایوس کیا تھا۔
ابھی کل ہی تو اس نے مصعب سے اپنے دل کی بات کہی تھی اور لاشعوری طور پر وہ کچھ اور امید رکھتی تھی مگر آج بھی اسے مصعب کے انداز میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنے خول میں بند تھا۔
جوزفین کے افسردگی بھرے لہجے نے اسے یک دم احساس دلایا کہ اسے اس وقت جوزفین کے ساتھ سختی سے

پیش نہیں آنا چاہیے۔ اس وقت جوزفین کو دلاسا یا حوصلہ دینے کی ضرورت تھی۔

''ایسی میڈیسنز ویسے بھی نہیں لینی چاہیے جوزفین۔ وزن گھٹانے کا یہ شارٹ کٹ بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔'' جوزفین کا انداز اس کے غصے کے گراف کو نیچے لانے کا سبب بنا تھا۔ ''بہرحال نرس نے بتایا کہ آئی وی ختم ہو جائے تو تم گھر جا سکتی ہو۔'' اس بار اس نے نرمی سے کہا تو جوزفین بے ساختہ مسکرا دی۔

''ہم......م۔تم مجھے گھر ڈراپ کردو گے صوب؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں، آئی وی ختم ہو جائے تو بتانا، میں کیب کال کر لوں گا۔تب تک میں ویٹنگ ایریا میں بیٹھتا ہوں۔'' مصعب نے رسانیت سے کہا تو جوزفین نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پُرسکون ہو کر پلکیں موند لیں۔ ایسے میں یک دم اس کے سیل پر بیل بجی تو وہ رابطہ بحال کرتا باہر نکل گیا۔

''ہیلو، میں مس لورین بات کر رہی ہوں۔آپ کون ہیں۔ پچھلے ایک گھنٹے میں آپ نے مجھے تین بار کال کی؟ بتایئے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔'' اپنے تعارف کے بعد سوال ہوا تھا۔

وجے کے دیے ہوئے جوزفین کی ممی کے سیل نمبر پر اس کی تیسری کال کے جواب میں بالآخر کال بیک کر لی گئی تھی۔

''گڈ مارننگ مس لورین، میں جوزفین کا گروپ فرینڈ مصعب ہاشم اسپتال سے بات کر رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ کو جوزفین سے متعلق خبر دینی ہے۔'' جواب میں اس نے اپنے تعارف کرانے کے ساتھ ہی اصل مدعا عرض کر دیا۔

''واٹ؟ کیا ہوا ہے جوزی کو؟'' لورین کی آواز میں یک دم تشویش جھلکنے لگی تھی۔ ''وہ کہاں ہے؟'' لورین نے پے در پے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''وہ کچھ گھنٹے پہلے ائرپورٹ کی پارکنگ میں اچانک بے ہوش ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے ایمرجنسی میں اسپتال لانا پڑا۔ مگر اب وہ ہوش میں آ چکی ہے اور اس وقت اسے انفیوژن دی جا رہی ہے۔'' اس نے مختصر الفاظ میں صورت حال بتائی۔

''مگر اسے ہوا کیا تھا؟ وہ کیوں بے ہوش ہوئی؟'' لورین اس اطلاع سے مزید فکر مند ہو گئی تھی۔

''شاید کسی میڈیسن کا سائڈ افیکٹ ہوا ہو۔ بہرحال آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ اب گھر جا سکتی ہے۔'' اس نے رسانیت سے کہتے ہوئے اصل بات نہیں بتائی۔ مارک سے اسے پتا چلا تھا کہ جوزفین کے اپنی ماں کے ساتھ تعلقات کبھی خوشگوار نہیں رہے تھے۔ لہٰذا درست یہی سمجھا کہ مختصر بات کی جائے۔

''لگتا ہے ویٹ لاس کی یہ نئی ڈرگز اسے سوٹ نہیں کر رہیں۔ میں نے اسے کئی بار منع بھی کیا ہے مگر وہ کسی کی کب سنتی ہے۔'' اس کے مدھم لہجے میں کہے گئے خدشے پر لورین نے گہری سانس بھر کر جیسے خود کلامی کی تھی۔ اس کا انداز تشویش سے بھرپور تھا۔ وہ جواب میں کیا کہتا، خاموش رہا۔

تاہم اسے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ جوزفین کے اس معمول سے ماں بھی واقف ہے۔ گویا یہ سلسلہ پرانا ہے جبکہ اس کے لیے یہ نئی اطلاع تھی۔ تین سال ہوئے اس کی جوزفین سے پہلی ملاقات مارک کے ذریعے ہوئی تھی اور اسے دیکھ کر مصعب کو نہیں لگا کہ وہ کبھی موٹاپے کا شکار رہی ہو گی۔ جس جوزفین سے وہ ملا تھا وہ ایک نہایت متناسب قد و قامت والی شخصیت تھی۔

''بہرحال خدا کا شکر ہے کہ وہ اب ٹھیک ہے۔ اور آپ کا شکریہ مصعب کہ آپ نے مجھے بروقت اطلاع دی۔ میں اس وقت شہر سے باہر ہوں مگر میں یہاں سے فوراً نکلنے کی کوشش کرتی ہوں۔ لیکن مجھے لندن پہنچنے میں کچھ گھنٹے

لگ جائیں گے۔'' اس کی خاموشی پر لورین خود ہی بولی تھی۔

''اٹس او کے، کوئی مسئلہ نہیں۔ یوں بھی آپ کچھ دیر میں جوزفین سے کال پر بات کرسکیں گی۔'' اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہہ کر الوداعی کلمات ادا کیے اور رابطہ منقطع کر دیا۔

گھڑی پر نظر ڈالی، ساڑھے سات بج چکے تھے، نرس کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق جوزفین کی ڈرپ بھی ختم ہونے کو تھی۔ لہٰذا اس نے کیب بک کرنے کے لیے نمبر ڈائل کر دیا۔

☆☆☆

''بائی داوے ہنی! ہم ریسٹورنٹ آئے ہیں یا کسی تختِ دار پر؟ آخر تمہارے منہ پر یہ بارہ کیوں بج رہے ہیں؟''

پورٹ گرینڈ کے ایک ریسٹورنٹ کے دروازے کے پاس پہنچتے ہوئے نشوئی نے فکرمندی سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا جو گھر سے نکلنے سے لے کر اب تک خاموش تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم پریشان مت ہو۔ اور رافع بھائی کو ڈھونڈو۔'' اس پر نئے سرے سے گھبراہٹ سوار ہو گئی تھی۔ اس طرح نشوئی کے ساتھ آنا اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ رافع نے اسے تو نہیں بلایا تھا۔ بنا دعوت کا مہمان اس پر مستزاد کباب میں ہڈی بننا اسے سخت ناگوار گزر رہا تھا مگر درخشاں ممانی کے سامنے اس سے انکار نہیں ہو سکا تھا۔

''میرے خیال سے ہمیں رافع کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، اصولاً و قاعدتاً تو موصوف کو ہمارا استقبال کرنے کے لیے مین اینٹرنس پر دیدہ و دل فرشِ راہ کیے کھڑا ہونا چاہیے۔'' نشوئی نے مسکرا کر فلسفہ بگھارا تو وہ اس کی بات پر سر ہلاتی اس کے معیت میں دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

کراچی کے اس پُرسکون مقام پر واقع ریسٹورنٹ شام کے وقت کسی خواب کی طرح جگمگا رہا تھا۔ جو باہر سے دیکھنے پر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی یورپی کیفے کا ٹکڑا کراچی کی فضا میں اتر آیا ہو۔ پتھروں کی دیواروں پر نرم سنہری روشنی جھلملا رہی تھی۔ منقش لکڑی کے خوب صورت دروازے کے فریم سے لپٹی بیل ہوا کے ساتھ سرگوشیاں کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

نشوئی کے کہنے کے مطابق رافع واقعی دروازے کے قریب انہیں اپنا منتظر ملا۔

''السلام علیکم لیڈیز۔ thanks for being here'' رافع کی خوش آمدید مسکراہٹ ہی نہیں اس کے چہرے کے خوشگوار تاثرات بھی گواہ تھے کہ نشوئی کی آمد اس کے لیے کتنی اہم تھی۔

''وعلیکم السلام، thankyou for having us۔'' نشوئی نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ تو رافع نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''بلکہ مجھ جیسے بن بلائے مہمان کو جبراً برداشت کرنے کا تو ایکسٹرا تھینکس بنتا ہے رافع بھائی۔'' نشوئی کے اظہارِ تشکر پر ہنی کے دل کی بات زبان پر آ گئی۔

''ایسا بالکل نہیں ہے مس رومائزہ، آپ بن بلایا مہمان ہرگز نہیں ہیں...... بلکہ آپ کا میزبان بننا میرے لیے باعثِ شرف ہے۔'' جواباً رافع نے خندہ پیشانی سے جواب دیا تو نشوئی نے اسے ''سن لو'' والی تفاخر بھری نظروں سے دیکھا۔ تو ہنی اس قدر افزائی پر متشکر سی مسکرا دی۔

''یوں بھی مجھے فارینہ نے بتایا کہ آپ نشوئی کی بہت کلوز فرینڈ ہیں۔ لہٰذا آپ سے ملنا بھی ضروری تھا۔ اینی ویز... آپ لوگ اس طرف آئیے، ہماری ٹیبل اس طرف ریزروڈ ہے۔'' رافع خوش اخلاقی سے کہہ کر ان کی رہنمائی کرتے ہوئے دائیں جانب بڑھا تو وہ ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے اس کی تقلید میں چلی آئیں۔

ریسٹورنٹ کے ڈائننگ ایریا میں قدم رکھتے ہی کوئلے پر بنے باربی کیو کھانوں کے ساتھ وہاں موجود افراد کے

ملبوس سے اٹھنے والی پرفیومز کی خوشبو ہوا میں تیرتی محسوس ہوئی۔ ریسٹورنٹ کا ماربل سے بنا چمکتا فرش فانوس کی روشنی کو منعکس کر رہا تھا۔ دیواروں پر لٹکے فن پارے اور مدھم روشنی والے لیمپ ایک سکون بھرا منظر تخلیق کر رہے تھے۔ پس منظر میں مدھم فرانسیسی موسیقی ماحول کو رومانوی بنا رہی تھی۔

کھڑکی کے پار کراچی کی رات سمندر کی نمی لیے ہوئے تھی۔

"please have a seat and make yourself comfortable"۔ میز کے پاس پہنچ کر رافع نے شائستہ لہجے میں کہا تو وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

"اور سنائیے آپ کیسی ہیں۔ یہاں تک آنے میں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی۔" ویٹر کو مینیو کارڈ لانے کا اشارہ کر کے رافع نے ان دونوں کو مخاطب کیا تھا۔

"یہ ہمارا اپنا شہر ہے مسٹر عباسی۔ مشکل شاید آپ کو ہوئی ہوگی پاکستان آتے ہوئے۔" نشوئی نے مزے سے جواب دیا تو رافع نے ایک دم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر مسکرا کر گویا ہوا۔

"بالکل بھی نہیں۔ یہ میرا اپنا ملک ہے۔ ویسے بھی میری کمٹمنٹ تھی پاپا کے ساتھ کہ میں فارم ڈی کرنے کے بعد یہاں آ کر ان کے ساتھ رہوں گا۔ سو آئی ایم ہیر۔" رافع کا انداز پُراعتماد تھا۔

"گویا کمٹمنٹ کے پکے ہیں آپ؟" نشوئی نے بے اختیار استفسار کیا۔

"آزمائش شرط ہے۔" جواب برجستہ تھا۔ جس پر نشوئی کے لبوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی۔

رافع کی خوش اخلاقی اور اس کا دوستانہ انداز ان دونوں کی گھبراہٹ کو جذب کر گیا تھا۔

"دیٹس گریٹ رافع بھائی... تو پھر اتنے عرصے کے بعد پاکستان آ کر کیسا لگ رہا ہے آپ کو۔ ہمارے شہر نے مایوس تو نہیں کیا!" ہنی نے سادگی سے کہا تھا۔ اس کے انداز میں مرعوبیت تھی۔

"ویل آف کورس! بہت اچھا لگ رہا ہے۔ اپنے آبائی شہر کی محبت انسان کی زندگی میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ میں پانچ سال کا تھا جب یہاں سے گیا تھا مگر پاکستان میرے اندر سے کبھی نہیں جا سکا۔" اس کے سوال پر رافع خوش دلی سے ہنس کر بولا تھا۔

"حیرت کی بات ہے ورنہ اکثر لوگ تو یہاں واپس آنے کا سوچتے تک نہیں۔" اس بار نشوئی بے اختیار کہہ گئی تھی۔ جس پر رافع نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔

"انسان کے ہر فیصلے کے پیچھے کوئی نہ کوئی reason یا incentive (محرک) ضرور ہوتا ہے نشوئی، ممکن ہے اکثر لوگوں کے پاس لوٹ آنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہتی ہو...... جبکہ میرے پاس تھی۔" کرسی کی بیک سے کمر لگاتے ہوئے رافع نے نشوئی کے چہرے کو فوکس میں لیتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا تو نشوئی کے چہرے پر گلابی رنگ دوڑ گیا۔

جبکہ ہنی کی گہری نظریں رافع کے چہرے کو چھو کر گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر آ جمی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح کچھ دیر کے لیے وہ اپنے اردگرد سے کٹ سی گئی۔ نشوئی نے مینیو کارڈ پکڑاتے ہوئے اسے متوجہ کیا تو وہ چہرے پر تبسم سجانے میں بمشکل کامیاب ہو سکی۔

کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ جس کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی چلتی رہی۔ زیادہ تر رافع ہی بولتا رہا۔ اس کی گفتگو بہت دلچسپ اور انداز دوستانہ تھا۔ بالآخر ڈیزرٹ کے بعد ہنی نے رافع کو مخاطب کیا۔

"اتنے اچھے ڈنر اور خوب صورت کمپنی کے لیے بہت، بہت شکریہ رافع بھائی!"

"مائی پلیژر۔" وہ اخلاق سے مسکرا کر بولا تھا۔

"اب اگر آپ دونوں کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر کے لیے باہر جا کر low light فوٹوگرافی کا لطف لینا...

چاہوں گی۔ تب تک آپ دونوں ایک دوسرے کی کمپنی انجوائے کریں۔'' میز پر رکھا سیل فون اٹھاتے ہوئے اس نے شائستہ انداز میں ان دونوں سے کچھ دیر کے لیے رخصت چاہی۔

''لیکن...... کیوں؟'' نشوئی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''بھئی اس طرح میں اپنا me time اور آپ دونوں ٹی ٹائم انجوائے کرلیں گے۔'' اس نے نظروں ہی نظروں میں نشوئی کو کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا آپ ہمارے ساتھ چائے نہیں پئیں گی؟'' رافع نے بے ساختہ سوال کیا تھا۔

''نہیں رافع بھائی، ان فیکٹ میں ڈنر کے بعد چائے پیتی ہوں اور نہ کافی۔'' اس نے شائستہ لہجے میں معذرت کی۔

''رئیلی؟'' رافع کو حیرت سی ہوئی۔

''جی، دراصل یہ dietitian (ماہر غذائیت) صاحبہ ڈنر کے بعد صرف ہربل یا گرین ٹی پینے کی عادی ہیں۔'' نشوئی نے ہنس کر بتایا۔

''کیا بلیک ٹی اور کافی سے کوئی ناراضی ہے آپ کو؟'' رافع نے اس بار دلچسپی سے سوال کیا تھا۔

''نہیں، یہ بات نہیں۔ بلکہ رات کے کھانے کے بعد کافی یا چائے پینے کے کچھ نقصانات ہوتے ہیں۔ اس سے آئرن جذب ہونے میں رکاوٹ آتی ہے اور ان میں موجود caffeine نیند کے توازن کو بگاڑ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے acidity بھی ہوسکتی ہے۔'' جواب میں وہ رسانیت سے بتانے لگی تو رافع کے چہرے پر سنجیدہ مگر پُراثر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''لہٰذا اگر ڈنر کے بعد واقعی کچھ پینا ہو تو میں سبز قہوہ یا ہربل انفیوژن کو ترجیح دیتی ہوں۔ وہ جسم کو سکون دیتا ہے اور بوجھل نہیں کرتا۔''

''اگریڈ۔ ویسے رومائزہ آپ کی بات مجھے میرے پروفیسر کی یاد دلاگئی جو کہا کرتے تھے کہ اگر انسان کا حاصل شدہ علم اس کی شخصیت اور لائف اسٹائل کا حصہ نہ بنے تو ادھورا رہ جاتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ پاپا نے آپ کو ہمارے اسپتال میں انٹرن شپ آفر کی۔ آپ یقیناً ہمارے اسپتال کے پیرامیڈیکل اسٹاف میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔'' اس کا انداز ستائشی تھا۔

''hopefully۔'' جواباً وہ پھیکے پن سے مسکرادی۔ ابھی گھر والوں سے اجازت ملنے کا مرحلہ باقی تھا۔

''تو پھر کب سے جوائن کررہی ہو؟ کیا ارادے ہیں؟'' نشوئی کی تو بن آئی تھی رافع کے سامنے فوراً ہی اس سے پوچھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی خفگی تیرگئی۔

''نیک ہیں...... بہرحال اس وقت میں آپ دونوں سے کچھ دیر کے لیے رخصت چاہوں گی۔ ملتے ہیں تھوڑی دیر میں۔'' نشوئی کو تنبیہی نظروں سے دیکھ کر اس نے رخ رافع کی طرف پھیرا اور ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ کر وہاں سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

گو کہ رافع کے رویّے نے اسے یہ باور نہیں کرایا تھا مگر پھر بھی..... اسے اپنا آپ ان دونوں کے درمیان بہت مس فٹ لگ رہا تھا۔ رافع، نشوئی سے ملنے آیا تھا جبکہ وہ خوامخواہ کباب میں ہڈی بن رہی تھی۔ یوں بھی اسے اندازہ تھا کہ اس کی موجودگی کے باعث وہ دونوں کھل کر باتیں نہیں کرسکتے تھے۔ اس لیے لو لائٹ فوٹوگرافی کا بہانہ بنا کر کچھ دیر کے لیے منظر سے غائب ہوگئی۔

''سب ٹھیک ہے ناں نشوئی؟ رومائزہ کو کچھ برا تو نہیں لگ گیا؟'' رافع نے اس کے جانے کے بعد سنجیدگی سے

سوال کیا تھا۔
''ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ان فیکٹ وہ ہمیں اسپیس دینا چاہ رہی تھی۔'' نشوئی مطمئن تھی۔
''fair enough'' رافع نے قائل ہونے والے انداز میں سر ہلا کر کہا اتنے میں ویٹر کافی لے آیا تھا۔
''ویسے یہ کیا آپ کی چوکیداری کے لیے آئی ہیں۔'' اب کی بار رافع نے شوخی سے سوال کیا۔
''نہیں، انفیکٹ میں اس کی ذمّے داری پر آئی ہوں۔''
''مطلب؟''
''مطلب یہ کہ بغیر سکیورٹی کے تو میں کسی انجان شخص سے ملنے نہیں چل پڑتی ناں۔'' بظاہر سنجیدگی سے جواب دیتی نشوئی کی آنکھوں میں شرارت تیر رہی تھی۔
''آئی سی...... تو اگر خدانخواستہ مجھ سے آپ کو کوئی خطرہ ہو تو یہ محترمہ کیا کریں گی؟'' دوسری جانب سے بھی اسی کے انداز میں سوال کیا گیا۔
''وڈیو بنا کر وائرل کردے گی، ویسے یہ میمز بھی بہت اچھی بنالیتی ہے۔'' نشوئی نے پُراعتماد انداز میں مسکرا کر جواب دیا تو رافع بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
''ویری انٹرسٹنگ، کافی دلچسپ گفتگو کرتی ہیں آپ۔'' اسے ستائشی نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے وہ بولا تو لمحے بھر کے لیے نشوئی کی ساری خوداعتمادی اڑنچھو ہونے کے درپے ہوگئی۔ جسے بمشکل بحال کرتے ہوئے اس نے چہرے پر سنجیدگی طاری کی۔
''شکریہ... چلیے اب آپ بتائیں کہ مجھ سے مل کر کون سا معما حل کرنا چاہتے تھے آپ؟'' کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اس نے رافع کی آنکھوں میں براہ راست دیکھا۔ سوال اس کا گمبھیر نوعیت کا تھا، جس کا اثر اسے رافع کے چہرے پر نظر آنے لگا تھا۔
''دراصل نشوئی! میرے نزدیک ہسبینڈ اور وائف کے اس رشتے میں انڈراسٹینڈنگ اور compatibility کی بہت اہمیت ہے۔ اسی لیے میں شادی سے پہلے آپ کو تھوڑا جاننا چاہتا ہوں۔''
''تو اس ایک گھنٹے کی ملاقات میں آپ مجھے کتنا جان سکے؟'' اس بار نشوئی کے انداز اور لہجے میں سنجیدگی تھی اور چہرے پر متانت طاری تھی۔
''میں نہیں سمجھتا کہ صرف ایک ملاقات میں کسی کو سمجھا یا جانا جاسکتا ہے نشوئی۔'' رافع نے بھویں سکوڑ کر جواب دیا۔
''بالکل۔ ایسا ہی ہے۔ میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں۔ درحقیقت کسی کو سمجھنا، اسے جاننا ایک تسلسل ہے۔ کبھی کبھی تو پوری لائف بھی لگ سکتی ہے اس کوشش میں۔'' اس کا جواب خاصا فلسفیانہ تھا۔
''ہم......م...... گویا آپ کو سمجھنے کے لیے پوری لائف آپ کے ساتھ رہنا ہوگا؟'' رافع نے کافی کے مگ سے اٹھتی بھاپ کے پار اسے یوں دیکھا جیسے دھند میں کوئی خواب ابھر آیا ہو۔ اس کے سوالیہ لہجے میں نرمی اور گہرائی تھی۔
''اب یہ تو انسان کی ذہانت پر منحصر ہے کہ وہ کتنا وقت لیتا ہے۔ بائی داوے آپ کا آئی کیو کتنا ہے؟'' نشوئی کا اگلا سوال بہت برجستہ تھا جس پر رافع ایک بار پھر کھل کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

''تھینکس صوب! میں بہت شکرگزار ہوں۔'' جونہی کیب اسپتال کے احاطے سے نکل کر مین روڈ پر آئی، جوزفین نے ساتھ بیٹھے مصعب کو مخاطب کیا تھا۔ اس کی آواز میں کچھ نقاہت تھی۔
''شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم دوست ہیں جوزی، اتنا کرنا تو بنتا ہی ہے۔ یوں بھی تمہیں وجے نے

اسپتال پہنچایا تھا۔ میں نے نہیں، اصل شکریے کا حقدار تو وہ ہے۔'' اس نے سڑک پر مرکوز نظریں جوزفین کی طرف موڑ کر متانت سے جواب دیا۔

''میں اسپتال پہنچانے کی نہیں، اتنی فکر جتانے کی بات کر رہی ہوں صوب۔'' جوزفین بلاتوقف بولی تو اس نے بھویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''میں ایک پروفیشنل فارماسسٹ ہوں جوزفین! کسی بھی دوا کے غلط استعمال کے نقصانات تم سے بہتر جانتا ہوں۔ لہٰذا تمہیں سمجھانا میرا فرض تھا۔ اور بحیثیت ایک دوست، فکر جتانا بھی۔'' اس کا فاصلہ جتاتا لہجہ عود آیا تھا۔ جس پر جوزفین کے نقاہت زدہ چہرے پر ایک بار پھر مایوسی کے رنگ چھا گئے۔

''آج تمہارا ''وائٹ کوٹ سیریمنی'' کا دن نہیں ہے صوب جو تم اپنا oath of pharmacist دُہرا رہے ہو۔'' وہ قدرے افسردگی سے گویا ہوئی تھی پھر یک دم کچھ سوچ کر امید افزا لہجے میں سوال کیا۔

''سچ کہو، کیا تم اپنے ہر پیشنٹ کو ایسے ہی اسپیشل فیل کراتے ہو؟'' وہ یقیناً اس سے کچھ کہلوانا چاہتی تھی۔ کچھ خاص سننا چاہتی تھی۔

''میرے لیے اسپتال میں آنے والا ہر پیشنٹ بہت اسپیشل ہوتا ہے جوزفین۔''

''اور زندگی میں آنے والا؟'' اس کے نپے تلے جواب کے نتیجے میں جوزفین کا برجستہ سوال ایک سیکنڈ کے لیے اسے چپ کرا گیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ گہری سانس بھر کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''کسی کا ہماری زندگی میں آنا، دل میں آنے جیسا نہیں ہوتا جوزفین۔ دل تک پہنچنے کا راستہ بہت پُرپیچ ہوتا ہے۔ کوئی تو اسے ایک پل میں طے کر لیتا اور کسی کے لیے تمام عمر بھی یہ فاصلہ پاٹنا ممکن نہیں ہو پاتا، ایک زندگی بھی کم پڑ جاتی ہے۔'' اس کا انداز فلسفیانہ تھا۔

''تم سے باتوں میں جیتنا مشکل ہے صوب۔ لیکن مجھے تمہارا دل جیتنا ہے۔ اس تک جانے کا راستہ بتاؤ۔'' جوزفین نے اس بار اصرار سے کہا تھا۔

''وہ مجھے خود نہیں پتا...... بہرحال فی الحال اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔ اس ٹاپک پر پھر کبھی بات ہوگی۔''

''آج کیوں نہیں صوب؟'' جوزفین نے اس کو اس موضوع سے پہلوتہی برتتے دیکھ کر دل شکستگی سے سوال پوچھا۔ تو مصعب نے کھڑکی سے باہر کے منظر پر نظر دوڑاتے ہوئے اس کا استفسار نظرانداز کر دیا۔

''ہم ''گرین وڈ'' کے ایریا میں داخل ہونے والے ہیں جوزفین، تم اپنا ایڈریس بتاؤ۔''

مصعب کی ہدایت پر جوزفین نے بھی سڑک پر نظر ڈالی اور کیب ڈرائیور کو اپنا ایڈریس بتایا پھر اپنا رخ کھڑکی کی طرف کر کے باہر دیکھنے لگی۔ یقیناً وہ دل گرفتہ تھی۔ کچھ دیر کے لیے کیب میں خاموشی چھائی جسے محسوس کرتے ہوئے مصعب نے اسے قصداً مخاطب کیا۔

''تم اب گھر جا کر آرام کرنا جوزفین۔۔ اور کچھ چاہیے ہو تو بتا دینا۔ ویسے کچھ دیر میں تمہاری ماما بھی آ جائیں گی۔''

''ماما آئیں گی؟ یہ تم سے کس نے کہا؟'' اس کی اطلاع پر جوزفین نے جھٹکے سے اس کی طرف مڑ کر طنزیہ حیرت سے پوچھا تھا۔

''وجے نے مجھے تمہاری ماما کا نمبر دیا تھا۔ ان سے بات ہوئی ہے میری کچھ دیر پہلے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لندن سے باہر گئی ہوئی ہیں۔ اس لیے آنے میں کچھ دیر لگ جائے گی انہیں۔'' جوزفین کے انداز پر مصعب نے کچھ متعجب ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''ہونہہ، انہیں آلریڈی بہت دیر ہو چکی ہے۔ یوں بھی وہ کیوں آئیں گی یہاں؟'' جوزفین ایک بار پھر

استہزائیہ انداز میں بولی تو مصعب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ اپنے نئے بوائے فرینڈ کے ساتھ آج کل ٹور پر گئی ہوئی ہیں۔۔تو بھلا ایسی خوشگوار زندگی کے حسین دن چھوڑ کر وہ یہاں کیوں آئیں گی۔ وہ بھی جوزفین احمد علی کے پاس؟ جسے دیکھ کر انہیں اس بے وفا احمد علی کی یاد آجاتی ہے جس نے انہیں دھوکا دیا۔ جس بیٹی کی وجہ سے ان کی دوسری شادی بھی ناکام ہوئی۔" کٹیلے لہجے میں طنز کی آمیزش لیے جوزفین بولنا شروع ہوئی تو رکی نہیں۔ اس کے الفاظ سے عیاں ہوتی تلخ حقیقت نے مصعب کو لمحہ بھر کے لیے خاموش کر دیا۔

"تمہاری وجہ سے؟"

"ہاں میری وجہ سے۔۔۔کیونکہ ان کا شوہر مجھے ہراساں کرتا تھا اور پھر ایک بار اس نے نشے کی حالت میں میرے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی، جس کے باعث میں نے اس پر مقدمہ کر دیا۔ ماما چاہتی تھیں کہ میں اسے معاف کر دوں مگر میں ایسا نہ کر سکی۔ اور یہ مقدمے بازی ماما کی طلاق پر منتج ہوئی۔" جوزفین تلخی سے بتاتی چلی گئی۔

"اپنی دوسری شادی کی ناکامی نے انہیں مجھ سے اور بھی دور کر دیا اور یوں ہم دونوں اپنی، اپنی دنیاؤں میں مگن ہوتے چلے گئے۔ اب تو بس اتفاقیہ طور پر ہی کبھی کبھار گرینڈ ڈیڈ کے گھر ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ بھی کرسمس یا گرینڈ ڈیڈ کی سالگرہ پر۔" بظاہر سپاٹ لہجے میں بولتی جوزفین کی افسردگی اس کی گوری رنگت میں گھلنے والی زردی سے ہویدا تھی۔

مصعب کے لیے یہ خبریں کچھ نئی نہیں تھیں، یورپ کے تقریباً ہر دوسرے گھر کی یہی کہانی تھی مگر جوزفین کی زبانی یہ سب سننا اسے کچھ حیران کر گیا تھا۔ جوزفین کی خود اعتماد شخصیت کو دیکھ کر اسے کبھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ بھی ان حالات سے گزری ہو گی۔ اسے جوزفین کی تلخ مزاجی کے اصل محرکات اب سمجھ میں آئے تھے۔

"آئی ایم سوری، مجھے بہت افسوس ہوا یہ سب جان کر۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ خود کو بمشکل کچھ کہنے کے قابل کر سکا۔

"تم کیوں افسوس کرتے ہو صوب۔ جب میرے والدین کو کوئی احساس نہیں۔ وہ دونوں مجھے اس دنیا میں لا کر اپنی، اپنی زندگیوں میں مگن ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس میرے لیے وقت ہے نہ ہی انہیں میری ذات سے کوئی لگاؤ ہے۔" جوزفین نے بے حسی سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا جن میں ترحم کے جذبات ابھر رہے تھے۔

"لیکن انہیں تمہارے ساتھ ایسا نہیں کرنا......"

"پلیز صوب! مجھے کسی کے ترس یا ہمدردی کی ضرورت نہیں۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی جوزفین نے قطع کلامی کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تو مصعب یک دم چپ ہو کر سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ سب میرے لیے اتنا اہم نہیں۔ میں اب اس رویے کی عادی ہو چکی ہوں صوب۔ اگر ان کی زندگی میں میری جگہ نہیں رہی ہے تو کمی مجھے بھی محسوس نہیں ہوتی ان کی۔ بہر حال، تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے اتنا وقت نکالا میرے لیے۔۔۔ تھینکس۔" جوزفین کے سرد لہجے میں کہے گئے آخری جملے نے مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی ختم کر دی۔

تاہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ دل سے مسکرائی تھی۔ جس پر اس کی براؤن آنکھوں میں خوشی کا احساس رنگ بھرتا نظر آیا تھا۔

اس دوران کیب جوزفین کے بتائے ہوئے پتے پر، وڈ گرین کے علاقے میں ایک چھ منزلہ عمارت کے سامنے آرکی۔

جوزفین ایک متوسط علاقے میں رہتی ہے، یہ بات کم از کم اس کے علم میں نہیں تھی۔ اسمتھ جیسے صاحبِ ثروت شخص کی نواسی کا اس علاقے میں رہائش پزیر ہونا شاید اسے تعجب میں مبتلا کر دیتا مگر آج جوزفین کی زبانی اس کی کہانی سننے کے بعد اسے جو تھوڑی بہت حیرت نے گھیرا اس کا اظہار کرنا اس نے مناسب نہ سمجھا۔

''تمہیں شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں جوزفین... مجھے خوشی ہے کہ میں مدد کر سکا۔ لیکن اب ایک مدد تمہیں خود اپنی بھی کرنی ہے اور وہ یہ کہ تم آج سے اپنی ڈائٹ کا خیال رکھو گی اور بجائے ادویات استعمال کرنے کے ورک آؤٹ کے ذریعے خود کو فٹ رکھنے کی کوشش کرو گی۔ یہ وزن گھٹانے والی ادویات بغیر ڈاکٹر کے مشورے کے لینا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے وہ تو آج دیکھ ہی لیا تم نے۔'' کیب ڈرائیور کو بل ادا کرتے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں اسے سمجھایا تھا۔

''ہم......م...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔'' جوزفین واقعی نادم تھی۔

''اصل میں ان دواؤں سے وقتی طور پر وزن کم تو ہو جاتا ہے مگر دل، جگر اور بلڈ پریشر پر برا اثر پڑنے کے ساتھ، ساتھ ان کی لت لگنے اور وزن دوبارہ بڑھ جانے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم ان ڈرگز کا استعمال ترک کر دو۔'' اس نے نرم لہجے میں مزید سمجھایا تو جوزفین نے سر ہلا کر متفق ہونے کا اشارہ دیا۔

''آئندہ کوئی دوا استعمال کرنی ہو تو پہلے مجھ سے کنسلٹ کرنا۔ میری تشخیص کردہ دوائیں تمہیں کم از کم نقصان نہیں پہنچائیں گی۔'' ہلکی سی مسکراہٹ سمیت ایک اور نصیحت اس کے حوالے کی تو جوزفین کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔

''جانتی ہوں صوب، تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا مجھے بہت سے خساروں سے بچا لے گا۔'' جوزفین کے گہرے لہجے میں کچھ تھا جس نے ایک لمحے کے لیے مصعب کے دھیان کو مرتکز کیا تھا تاہم اگلے لمحے وہ سر جھٹک کر مروتاً مسکراتا ایک اور مرتبہ جوزفین کے اس واضح اظہار کو نظر انداز کر گیا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم۔'' رافع نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی بلند اور خوشگوار انداز میں سلام کیا تو ٹی وی پر کسی ڈاکومینٹری فلم دیکھنے میں مصروف زبیر عباسی اور فارینہ نے یک دم مڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ تاہم جواب صرف زبیر صاحب نے دیا تھا۔

''وعلیکم السلام برخوردار۔''

''اور کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے باپ کو متبسم نظروں سے دیکھتے ہوئے خفگی کا مظاہرہ کرتی فارینہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ متانت سے مسکرا دیے۔

''بھئی تمہارے انتظار میں ٹی وی دیکھا جا رہا ہے۔''

''آئی سی، ویسے بڑے افسوس کی بات ہے فاری تم نے میرے آنے کا نہ صرف نوٹس نہیں لیا بلکہ سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ سب ٹھیک تو ہے۔'' قصداً شرارت بھرے لہجے میں سوال کرتا وہ فارینہ کے پہلو میں بیٹھا تو فارینہ نے غصے سے اپنا دوپٹا کھینچ لیا جسے وہ اسے ستانے کے لیے ہاتھ پر لپیٹنے لگا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں مجھے آپ جیسے مطلبی انسان پر سلامتی بھیجنے کی۔'' فارینہ خفگی سے بولی تھی۔

''او ہو بیٹا! اب ایسا بھی کیا ہو گیا۔ کیوں ناراض ہو بھائی سے۔'' زبیر صاحب نے بیٹی کو محبت سے دیکھا۔

''کیوں نہ خفا ہوں میں ان سے... آپ کو پتا ہے پاپا! آج انہوں نے جان بوجھ کر اپنا سیل آف کیا ہوا تھا تاکہ میں کچھ پوچھ نہ سکوں۔ حالانکہ یہ meet up آج میں نے ہی ارینج کرایا تھا۔ خاص ان کے لیے۔'' اس نے شاکی لہجے میں باپ کو مخاطب کیا۔

"اور انہوں نے مطلب پورا ہوتے ہی مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکا۔" بھائی کو سخت نظروں سے دیکھتی وہ شاکی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"مکھی کی طرح بھن، بھن کرتی ہو اس لیے ایسا کرنا پڑا۔ ایک تو پہلے ہی مس نشوئی اپنے ساتھ ایک گارڈ لیے تشریف لائی تھیں۔ اب میں نشوئی سے بات کرتا یا تمہیں فون پر حالتِ حاضرہ کی رپورٹ پیش کرتا۔" رافع نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا تو فارینہ اپنی ناراضی بھول کر بے ساختہ مسکرا دی۔

"تو کیا نانی مسلسل آپ دونوں کے ساتھ بیٹھی رہی؟" شریر لہجے میں چھیڑنے والے انداز میں سوال کیا تو رافع نے گہری سانس بھری۔

"نہیں، وہ کافی سمجھدار لڑکی ہے۔ خود ہی کسی بہانے سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔"

"ویٹس گڈ۔ تو پھر بات ہوئی نشوئی سے آپ کی۔ کیسی لگی وہ؟" فارینہ تجسس کے ہاتھوں سارے گلے شکوے بھلا کر دلچسپی سے بولی تو وہ بے اختیار مسکرا دیا

"ویل، کافی انٹرسٹنگ لڑکی ہے نشوئی۔" اس نے اختصار سے کام لیتے ہوئے ایماندارانہ رائے دی۔

"ہم......م...... گویا ہمارے صاحبزادے کو ہماری بہو بیگم پسند آ گئی ہیں۔" اس کی بات پر زبیر صاحب نے خوش دلی سے باتوں میں حصہ لیا تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"مطلب...... آپ نے اسے اپنی بہو تسلیم کر لیا ہے؟" اس نے زبیر صاحب کے بہو کہنے پر بے ساختہ سوال کیا۔

"تو کیا آپ نے نہیں کیا؟" زبیر صاحب سے پہلے فارینہ بول پڑی تھی۔

"یہ تو میں نے نہیں کہا۔ مگر محض ایک بار کی ملاقات کے نتیجے میں اتنا بڑا فیصلہ کر لینا آسان نہیں فاری۔" اس بار رافع نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا تھا پھر... باپ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیوں پاپا، آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا اتنی جلدی کوئی کسی کو انڈر اسٹینڈ کر سکتا ہے؟"

"بھئی ہم اپنے خیال کا کیا اظہار کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہماری باری میں تو تمہارے دادا جان نے ہمیں ایک بار بھی تمہاری مما سے one on one ملاقات کا موقع نہیں دیا تھا۔ بس ایک بار بلا کر فیصلہ سنایا اور پھر ایک مہینے کے اندر، اندر شادی بھی کرا دی۔" انہوں نے مسکرا کر دوستانہ لہجے میں کہا تو وہ دونوں تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

"رہ گئی انڈر اسٹینڈ نگ کی بات تو کسی انسان کے compatible ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اس کے ساتھ رہے بغیر نہیں کیا جا سکتا بیٹا۔ شادی سے پہلے ہم زیادہ سے زیادہ کسی کی نیچر اور پسند ناپسند کے بارے میں ہی جان سکتے ہیں۔ مگر ایزاے پارٹنر وہ کیسا ثابت ہوگا اس کا فیصلہ وقت اور ہمارا وہ سلوک کرتا ہے جو ہم اس سے روا رکھتے ہیں۔" زبیر صاحب رسانیت سے بولے تو ان کو بغور سنتی فارینہ سے رہا نہ گیا۔ بے اختیار سوال کیا۔

"کیا مطلب پاپا؟ ہمارے سلوک سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے؟ جو جیسا ہے وہ ویسا ہی رہے گا۔" فارینہ کی رائے اپنی جگہ مستحکم تھی۔

"فرق پڑتا ہے بیٹا۔ بالکل پڑتا ہے۔ کبھی، کبھی ہم اپنے درشت رویے سے ایک اچھے خاصے انسان کو اپنے لیے incompatible بنا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ رشتہ خلوص، دیانت داری اور معاملہ فہمی کا متقاضی ہے۔ دو طرفہ صبر اور سمجھوتے کے بغیر ایک شادی کو کامیاب بنانا تقریباً ناممکن ہے۔ رہ گئی دو انسانوں کے درمیان ہم آہنگی تو اس کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ یہ instant coffee نہیں کہ چند منٹوں میں بن جائے گی۔"

"پھر بھی پاپا، آج کے دور میں ایسی blind marriage کا نتیجہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ آپ لکی رہے کہ آپ کو مما جیسی سمجھدار پارٹنر ملیں جو آپ کو اچھی طرح انڈر اسٹینڈ کرتی تھیں۔ سوچیں ذرا اگر ان سے آپ کا ذہن نہ ملتا تو

کیا ہوتا آپ کا۔'' رافع نے گہری سانس بھر کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔
''مگر ہم ہمیشہ سے ایک دوسرے کے لیے compatible نہیں تھے رافع! سچ تو یہ ہے کہ پہلے پہل تو ہمیں بھی ایک دوسرے کو سمجھنے میں مشکل پیش آئی۔ کیونکہ ہم دونوں بہت ینگ تھے، ایموشنل تھے۔ مگر پھر تم دونوں کے زندگی میں آجانے کے بعد ہم نے لائف کو دوسرے perpective (زاویۂ نگاہ) سے دیکھنا شروع کیا۔ اور پھر آپس میں مشترک قدریں تلاش کر کے ہم ایک مضبوط رشتہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔'' زبیر صاحب نے رسانیت سے جواب دیا۔
اس وقت ان کے دونوں بچے اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں انہیں اپنا گھر بسانے کے لیے فیصلے کرنا تھے۔ ایسے میں انہیں اپنے لیے زبیر صاحب جیسے باپ کی رہنمائی کی ضرورت تھی۔
''تو آپ کو نہیں لگتا کہ اگر آپ نے مما کو شادی سے پہلے تھوڑا جان لیا ہوتا تو بعد میں آپ دونوں کے لیے ایک دوسرے کو سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا۔'' رافع نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا تو زبیر عباسی مسکرا دیے۔
''ممکن ہے۔'' ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر انہوں نے بیٹے کو معنی خیز نظروں کے فوکس میں لیا۔ ''خیر تم یہ بتاؤ کہ آج نشوئی سے مل کر کیسا لگا تمہیں؟''
''اچھا... کافی اچھا لگا۔'' اس نے مسکرا کر صاف گوئی سے جواب دیا۔
''پھر...... کیا جان سکے اس کے بارے میں؟'' فارینہ نے رغبت سے استفسار کیا۔
''آج کی ملاقات میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بہت دلچسپ باتیں کرنے والی خاصی کانفیڈینٹ لڑکی ہے۔ جبکہ پہلی ملاقات میں اس کا بہت الگ امپریشن پڑا تھا مجھ پر۔'' اس نے سنجیدگی سے اپنا موقف بیان کیا تو فارینہ کھل سی گئی۔
''دیکھا میں نے کہا تھا ناں آپ سے کہ اس کا مزاج بہت دوستانہ ہے۔ اچھی بنے گی آپ کی اس سے۔''
''ان شاء اللہ۔'' زبیر صاحب نے متانت سے کہا۔
''لیکن میں اس سے ایک، دو بار اور ملنا چاہتا ہوں پاپا۔ آج کی ملاقات بہت رسمی تھی۔ وہ اور میں رومائزہ کی موجودگی کے باعث فارمل رہے۔ گو کہ بعد میں اس نے ہمیں اکیلے بات کرنے کا موقع بھی دیا مگر تھوڑی دیر میں ہی اس کے گھر سے کالز آنے لگی تھیں، جس کی وجہ سے نشوئی کو جانا پڑا۔'' رافع نے کچھ جھجکتے ہوئے بالآخر اپنا نقطۂ نظر والد کے سامنے پیش کر دیا۔
''دیکھو بیٹا مسز سبیکہ ایک روایت پرست خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے یہاں اس طرح شادی سے پہلے لڑکے، لڑکی کا ملنا جلنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔''
''لیکن اس میں غلط کیا ہے پاپا۔ جن دو افراد کی شادی ہو رہی ہوتی ہے ان میں انڈرسٹینڈنگ ہونا بھی تو ضروری ہے۔''
''اور اگر دو تین ملاقاتوں کے بعد بھی تم دونوں کی انڈرسٹینڈنگ نہ ہو سکی تو پھر؟ کیا تم یہ نسبت توڑ دو گے۔'' اس بار زبیر صاحب نے سنگین لہجے میں سوال کیا تو جواب میں رافع عباسی کا انداز مؤدب مگر دوٹوک تھا۔
''نسبت کا ٹوٹ جانا شادی ٹوٹنے سے بہتر ہوتا ہے پاپا۔ کائنڈلی آپ میرے پوائنٹ آف ویو کو سمجھیں اور سبیکہ آنٹی سے اس بارے میں بات کریں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میں اور نشوئی ایک wavelength پر ہیں بھی یا نہیں۔ پلیز پاپا۔'' اس کا انداز قائل کر لینے والا تھا جس نے زبیر صاحب سمیت فارینہ کو بھی سوچ میں ڈال دیا۔
زبیر صاحب کے نزدیک ان کے بیٹے کا مطالبہ بے جا نہیں تھا۔ وہ اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ یورپ کے مغرب زدہ معاشرے میں گزار کر آیا تھا۔ جہاں گھروں کو روز ٹوٹتا بکھرتا دیکھتا رہا تھا۔ اور اس مشاہدے نے اسے اس معاملے میں بہت محتاط اور کسی حد تک حساس بنا دیا تھا۔

زبیر صاحب کچھ دیر بیٹے کی بات پر غور کرتے کچھ سوچتے رہے۔ بالآخر انہوں نے سر اثبات میں ہلایا تو فارینہ نے خوش ہوتے ہوئے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ جس پر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ رافع کے لبوں پر پھیل گئی۔

☆☆☆

”منی پھپھو! آپ کو بڑے ابا اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔“

گھر واپس آ کر اس نے کپڑے تبدیل کر کے سب سے پہلے عشا کی نماز پڑھی اور ابھی مصلے پر بیٹھی دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھانے ہی لگی تھی کہ عمر ہاتھ میں بال اچھالتا بڑے ابا کا حکم نامہ لیے چلا آیا۔

”مجھے؟“ اس کا دل یک دم دھڑکا تھا۔ بے اختیار سوال کیا۔

”جی، کافی دیر سے آپ کا ویٹ کر رہے تھے وہ۔ لگتا ہے کوئی ضروری بات کرنی ہے انہیں آپ سے۔“ عمر نے بال کو دیوار پر مار کر کیچ کرتے ہوئے بے پروائی سے بتایا۔

”تمہیں کیسے پتا؟“ اس نے ماتھے پر شکن ڈالتے ہوئے رعب سے پوچھا تو عمر نے مزے سے آنکھیں نچائیں۔

”کیونکہ گھر کے سب بڑے ان کے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ یقین نہ آئے تو جا کر دیکھ لیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ آج آپ کی کلاس لگنے والی ہے۔“ عمر نے سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

”عمر! بیکار باتیں کرنے کے بجائے اپنے ہوم ورک کی فکر کرو۔ میتھس کا کام مکمل کیا تم نے؟“ اس نے مصلیٰ سمیٹتے ہوئے اپنی گھبراہٹ دانت دکھاتے عمر پر اتاری تو ہوم ورک کا سنتے ہی اس کا منہ بن گیا۔

”جی، بس وہی کر رہا تھا ابھی کہ ابو نے آپ کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔“ عمر نے عالم بیزاری میں جواب دیا تھا۔

”کیا سمیع بھائی بھی ہیں بڑے ابا کے کمرے میں؟“ عمر کی اطلاع پر اس کی فکر دو چند ہو گئی۔

صبح امی کے چہرے کے گمبھیر تاثرات دیکھ کر اسے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ واپسی پر کم و بیش ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا ہو گا مگر امی، ابا کے ساتھ سمیع بھائی بھی اس انٹرن شپ والے معاملے میں صاحبِ رائے بنائے جائیں گے یہ اس نے بالکل نہیں سوچا تھا۔

”جی ابو بھی وہیں ہیں۔ دادی نے کہا تھا کہ آپ سے چائے بنانے کا بھی کہہ دوں۔“ عمر نے دوسرا پیغام بھی پہنچایا۔ پھر اس کے قریب آ کر رازداری سے بولا۔

”میری مانیں پھپھو... چائے میں بہت ساری چینی ڈال کر لے جایئے گا۔ شاید اس طرح سب بڑوں کا موڈ میٹھا ہو جائے آپ کے ساتھ۔ ورنہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ آج ضرور ڈانٹ پڑنے والی ہے آپ کو۔“ عمر چہرے پر شرارتی مسکراہٹ سجائے بن مانگے مشورے سے نواز رہا تھا جس پر اس نے جلالی نظروں سے اسے گھورا۔

”بس بہت ہوا...... زیادہ مسخرہ پن کرنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ برہمی سے بولی تو وہ ڈانٹ پڑنے کے خوف سے زبان دانتوں تلے دبا گیا۔

”چلو اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔ کمرے میں جا کر ہوم ورک کمپلیٹ کرو اپنا۔ پھر تجمل بھائی سے چیک کروانا۔“ اس نے رعب سے کہا۔

”تجمل چاچو تو گھر پر نہیں ہیں۔“ عمر نے خوش دلی سے اطلاع دی۔

”کیوں، وہ کہاں گئے ہیں؟“ وہ کچن کی طرف جاتے جاتے پلٹی۔

”ان کے فرینڈ کی شادی ہے آج۔ وہیں گئے ہیں۔“ عمر نے خوشی سے جواب دیا اور مزے سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

''اوہ میرے اللہ، کسی کی دوست کا شادی کے لیے بر دکھوا ہے، تو کسی کو دوست کی شادی میں جانا ہے۔ گھوم پھر کر کیا بس ایک یہی کام رہ گیا ہے شاداب منزل والوں کو کہ دوسروں کی شادیاں نبٹاتے رہیں۔ وہ بھی اپنے کام چھوڑ کر۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کچن کی طرف بڑھی۔ ذہن پر فکر سوار تھی کہ پتا نہیں بڑے ابا نے کیا فیصلہ کیا ہوگا۔

نہ جانے اسے انٹرن شپ کرنے کی اجازت ملے گی بھی کہ نہیں۔ ابھی یہ سوچتے ہوئے وہ کچن میں داخل ہو ہی رہی تھی کہ اندر کپوں میں چائے انڈیلتی مزنہ بھابی کو دیکھ کر قدم دروازے پر ہی ٹھٹک گئے۔

مزنہ بھابی اور اس وقت کچن میں جھانک لیں۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ رات کے کھانے کے فوراً بعد وہ بچوں کو سلانے کا عذر تراشتی سمیع بھائی کو لے کر اوپر اپنے کمرے میں چلی جاتی تھیں۔ اور یوں وہ اور امی ابا، سمیع بھائی سے کتنی ہی باتیں کرنے کا سوچتے رہ جاتے۔

''یہ لونی، یہ چائے بڑے ابا کے کمرے میں لے جاؤ۔ میں نے سب کے لیے بنادی ہے۔'' اس کی آمد پر مزنہ بھابی نے مڑ کر اسے مسکرا کر دیکھا تو وہ مزید حیرت زدہ رہ گئی۔ آج ہوائیں نہ جانے کس رخ پر چل رہی تھیں۔ مزنہ بھابی کا خوشگوار موڈ اسے اچنبھے میں ڈال گیا۔

''بہت شکریہ بھابی۔'' وہ اپنے تحیر کو چھپا کر چہرے کو بمشکل مسکراہٹ سے آراستہ کرتی دو قدم بڑھا کر ان کے پاس چلی آئی جو ٹرے میں کپوں کے ساتھ شہد اور شکر دانی رکھ رہی تھیں۔ وہ ان کی اس مہربانی کی وجہ جاننے سے قاصر تھی۔

''سمیع کا آج گرین ٹی پینے کا موڈ ہے، میں نے بڑے ابا کے ساتھ ان کے لیے بھی بنائی ہے۔ تم بھی گرین ٹی ہی لوگی ناں؟'' قہوہ کپوں میں ڈالتے ہوئے وہ اس سے بھی پوچھنے لگی تھیں۔

''نہیں شکریہ بھابی! میرا موڈ نہیں ہو رہا۔'' اس کے دماغ پر فکر سوار تھی۔ شائستہ لہجے میں انکار کیا تو مزنہ اس کے متفکر چہرے کو دیکھ کر دوستانہ انداز میں بولیں۔

''ٹیک اٹ ایزی آنی، اب اتنا پریشان ہونے والی بھی کوئی بات نہیں۔ آج تایا ابا نے بات کی تھی پھوپا جی سے تمہارے لیے۔'' انہوں نے ابا کا ذکر کرتے ہوئے بتایا۔

''مجھے امید ہے کہ وہ منا لیں گے بڑے ابا کو...... سمیع کو بھی میں نے سمجھایا ہے کہ وہ تمہارا ساتھ دیں۔ اتنے بڑے اسپتال میں انٹرن شپ مل جانا کوئی معمولی بات نہیں، یہ تمہارے کیریئر کے لیے بہت بڑا بریک ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر وہ لوگ درخشاں آنٹی کے جاننے والے بھی ہیں۔ اس لیے فکر مند ہونے والی بھی کوئی بات نہیں ہوگی۔'' مزنہ بھابی نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے تازہ پیش رفت سے آگاہ کیا تو اس نے امید بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آر یو شیور بھابی؟''

''بالکل۔'' مزنہ نے اعتماد سے کہا۔ ''لیکن اپنا کیس تمہیں خود بھی لڑنا ہوگا نی۔ بڑے ابا تمہارے لیے بہت حساس ہیں، تمہارے معاملے میں ہم میں سے کسی کی بھی بات کو وہ اہم نہیں گردانتے مگر تمہاری بات اور ہے۔ وہ تمہیں انکار نہیں کر پاتے۔ گراؤنڈ تو ہم نے تیار کر دیا ہے اب باقی کا کام تمہارا ہے۔ تمہیں خود بھی بڑے ابا کو کنونس کرنا ہوگا۔'' مزنہ نے بڑی مہارت اور نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ گہری سانس بھر کر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

''اینی ویز، اب تمہیں بڑے ابا کے پاس چلے جانا چاہیے اس سے پہلے کہ یہ چائے اور گفتگو دونوں ٹھنڈی ہو جائیں۔'' مزنہ بھابی نے اسے فکر کی لپیٹ سے نکالتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر حال میں واپس آئی اور پھر متشکر نظروں سے بھابی کو دیکھتی ٹرے اٹھا کر بڑے ابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر چند لمحے رک کر گہری سانس لی اور اندر داخل ہو گئی۔

''السلام علیکم۔'' سلام کرتے ہوئے اس کی طائرانہ نظر سب کے چہروں پر سے پھسلتی سمیع بھائی کے چہرے پر آ کر رک گئی تھی۔ جس پر تحریر حوصلہ افزا تاثرات اسے پرسکون کر گئے۔ تاہم امی اور ابا کی طرف دیکھنے سے اس نے گریز کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمت اللہ۔" بڑے ابا کی مشفق آواز سب میں نمایاں تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا بڑے ابا؟" وہ سب کو چائے دے کر ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔ دھڑکتے دل سے سوال کیا۔

"ہاں، تمہارے ابا اور تایا نے مجھے بتایا کہ تم کسی اسپتال میں جاب کرنا چاہتی ہو۔ کیا واقعی ایسا ہے بیٹا؟" بڑے ابا نے کھنکھار کر تمہید باندھے بغیر بات شروع کی تو وہ ایک لمحے کو کچھ بول ہی نہ سکی۔

"جاب نہیں بڑے ابا، انٹرن شپ...... یہ ایک عارضی تربیتی کورس ہوتا ہے جس میں طالب علم کسی کمپنی یا ادارے میں وقتی طور پر کام کرتا ہے تاکہ وہ اپنی پڑھائی سے متعلق عملی تجربہ حاصل کر سکے یعنی ہنر اور مہارت دونوں سیکھ سکے۔" سمیع بھائی نے اس کی طرف سے جواب دیا۔

"ہاں مگر اس کے لیے گھر سے باہر کسی جگہ جا کر کام تو کرنا ہی پڑے گا ناں۔ وہ کوئی تعلیمی ادارہ تو نہیں ہے۔" وہ تفکر سے بولے۔

"جی، آپ صحیح کہہ رہے ہیں بڑے ابا، لیکن یہ میرا خواب ہے۔ آپ پلیز مجھے اسپتال میں ڈائٹیشن انٹرن شپ کی اجازت دے دیں۔ یہ میری اسٹڈیز کے لیے بہت اچھا رہے گا۔" بالآخر اس نے ہمت کر کے اپنا مافی الضمیر...... ان کے سامنے ظاہر کیا۔ اور کچھ حتی المقدور پر اعتماد بنانے کی کوشش کی۔

"مگر ہنی بیٹا! اسپتال کا ماحول تمہارے لیے بہت سخت ہوگا۔ مریضوں کے ساتھ براہ راست واسطہ رکھنا، کام کا دباؤ...... کیا تم یہ سب کر سکو گی؟" بڑے ابا کی اپنی فکریں تھیں۔

"میری پوری کوشش ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ ایکسپیرینس حاصل کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے بڑے ابا۔ جس کے ذریعے میں کتابوں سے حاصل شدہ علم کو عمل میں لا سکوں گی۔" اس نے انہیں راضی کرنے کے لیے مضبوط دلیل دی۔

"تم ابھی کم عمر ہو بیٹا۔ اتنے بڑے کام کی ذمے داری کیسے سنبھال سکو گی؟" اس نے دیکھا بڑے ابا کی آنکھوں میں فکر کی دھند تھی۔

"میں نے دن رات محنت کر کے پڑھا ہے بڑے ابا، امتحانات دیے ہیں۔ اسائنمنٹس کیے ہیں۔ اپنی ڈگری کے ہر مرحلے میں دل لگا کر کام کیا ہے۔ کیا یہ سب ثابت نہیں کرتے کہ میں ذمے داری سنبھال سکتی ہوں؟" اس بار ناز سے سوال کیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے...... مگر اسپتال میں لوگوں کی صحت اور زندگی کا معاملہ ہے۔ وہاں غلطی کی گنجائش کم ہے بیٹا۔" بڑے ابا کی آواز میں حقیقی فکرمندی تھی۔ وہ لاجواب سی ہو کر سمیع بھائی کو دیکھنے لگی تو انہوں نے ہلکے سے مسکرا کر اسے تسلی دی۔

"لیکن غلطی کے خوف کی وجہ سے سیکھنے کے موقع کو ضائع کرنا بھی تو عقلمندی نہیں بڑے ابا۔" سمیع بھائی نے قائل کر لینے والے انداز میں نکتہ اٹھایا۔ "یوں بھی ہر کامیاب پیشہ ور اپنے پہلے تجربے کے دوران غلطیاں کرتا ہے۔ یہی سیکھنے کا اصل پراسس ہے۔ بس آپ بھروسا رکھیں، میری بہن آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔" بات کے اختتام پر سمیع بھائی نے اسے اعتماد سے دیکھا۔

"لیکن سمیع بیٹا میں نہیں چاہتا کہ ہماری نازوں پلی بچی بیمار ہو جائے یا تھک جائے۔ یہ کام بہت سخت ہے۔"

"ٹرسٹ می بڑے ابا! میں بہت محتاط رہوں گی۔ اپنی صحت کا بھی خیال رکھوں گی۔ میں اپنے علم کو صرف کتابوں تک محدود نہیں رکھنا چاہتی بلکہ اسے عملی دنیا میں آزمانا چاہتی ہوں۔ اور اس کے لیے یہ ایک سنہری موقع ہے۔"

"اور تمہارا ماسٹرز؟ اس کا کیا ہوگا؟"

"میری کلاسز اگلے سمسٹر سے شروع ہوں گی بڑے ابا۔ ابھی چھ ماہ باقی ہیں سمسٹر اسٹارٹ ہونے میں۔" اس

نے مؤدب لہجے میں انہیں مطلع کیا تو ان کی چہرے پر گہری سوچوں کی لکیر کھنچ گئی۔

''اور ویسے بھی ہنی کو وہاں کون سا مریضوں کا آپریشن کرنا یا انہیں دوائیں تجویز کرنی ہیں۔اس کا کام مریضوں کو محض ڈائٹ پلان بنا کر دینا ہوگا ابا جی۔ آپ کوئی اندیشہ نہ رکھیں یہ کر لے گی۔'' سب کی گفتگو سننے کے بعد بالآخر ابا اس کی طرفداری میں بولے تو بڑے ابا نے لب بھینچ کر ہنی کی طرف دیکھا۔

''پریشان تو نہیں ہو جاؤ گی بیٹا'' ان کے لہجے میں محبت بھرے خدشے بول رہے تھے۔

''ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا بڑے ابا...اور اگر ہوا تو آپ سب ہیں ناں میرے پاس۔'' اس نے آہستہ سے ہاتھ ان کی کلائی پر رکھ کر نرمی اور مان سے کہا۔

''میں وہاں ڈائٹ پلاننگ سیکھنے جا رہی ہوں۔ مجھ پر کوئی بڑی ذمے داری نہیں ہوگی۔ میں ان شاء اللہ سب اچھی طرح مینیج کرلوں گی اور آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔''

''مجھے تم پر یقین ہے بیٹا۔'' اس کے لمس کے ساتھ ہی بڑے ابا کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی چمکی تھی جسے انہوں نے پلک جھپک کر چھپا لیا تھا۔

''میں آپ کے اس یقین کو ٹوٹنے نہیں دوں گی بڑے ابا۔ آپ میرا فخر اور ہمت ہیں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

جواب میں وہ.... کچھ لمحے اسے دیکھتے رہے۔ان کی نگاہوں میں ہچکچاہٹ، محبت اور شکست ماننے کا ملا جلا رنگ پھیل گیا تھا۔

''ٹھیک ہے، کرلو اپنا شوق پورا۔'' آخر کار تھک ہار کر وہ راضی ہو ہی گئے۔اس کی امید بھری نگاہوں کو مایوسی سے بھر دینا بہت دشوار تھا ان کے لیے۔

''تھینک یو سو مچ بڑے ابا، آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ بہت اچھے ہیں۔'' خوشی سے اس کی آواز بوجھل ہوگئی تھی۔ وہ بے اختیار ان کا ہاتھ آنکھوں سے لگا گئی۔

''اچھا اب بس بھی کرو لڑکی...... اتنا مکھن بھی نہ لگاؤ۔ دیکھا نہیں بڑے ابا مان چکے ہیں۔'' مسیح بھائی نے اس کے گھنگرالے بالوں والا سر ہلکے سے تھپک کر شوخی سے کہا تو وہ جھینپ کر ہنس دی۔ امی کی طرف دیکھا، وہ بھی خوش لگ رہی تھیں۔اس کے دل سے بوجھ جیسے اتر گیا۔

''اے میرے اللہ! میری ہنی کی ہنسی کو سچی خوشی کے رنگوں سے بھر دے۔اس کا ہر دکھ دور کر دے اے میرے مالک۔'' بڑے ابا کا رواں رواں دعا گو تھا۔اور ان مناجات کے ساتھ ایک بار پھر ہادی کی یاد ان کے دل کو دکھ سے معمور کر گئی۔

☆☆☆

وہ جس وقت اپنے مطلوبہ اسٹیشن پر اترا شام ڈھلنے کو تھی۔ ٹیوب اسٹیشن کے آہنی دروازے خود کار سلائیڈ کے ساتھ کھلے تو باہر قدم رکھتے ہی لندن کی ٹھنڈی نم آلود اور ہلکی سی خوشبو لیے ہوا نے اس کا چہرہ چھو لیا، جو سڑک کے کناروں پر ایستادہ درختوں کے پتوں کو چھو کر گزرتی تو جیسے کوئی دھن چھیڑ دیتی تھی۔ بارش ابھی چند لمحے پہلے ہی تھمی تھی۔

اوپر کی طرف جاتی سیڑھیوں پر کئی بوندیں اب بھی چمک رہی تھیں۔ جن پر پڑنے والی نیون لائٹس کی روشنی انہیں چھوٹے چھوٹے رنگین چراغوں کی طرح جگمگا رہی تھی۔ باہر فٹ پاتھ پر لوگ چھتریاں ہاتھوں میں تھامے، کوٹ کے کالر اوپر کیے جلدی جلدی اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ سڑک پر برق رفتاری سے گزرتی سرخ بسوں اور گاڑیوں کے گیلے ٹائر جب پانی پر پھسلتے تو ایک ''شرر، شرر'' کی آواز پورے ماحول کو موسیقی سے آراستہ کر دیتی۔ سامنے کچھ فاصلے پر ایک چمکتا ہوا چرچ تھا جس کی سفید دیواریں بارش کے بعد اور بھی نکھری نکھری لگ رہی تھیں۔

ہوا میں خزاں کے ابتدائی رنگ تھے۔ درختوں کے پتے ہوا سے کانپ رہے تھے کچھ سڑک پر گرے تھے اور گزرتی ٹریفک کی آواز میں ہلکا سا ''کرچ، کرچ'' شامل کر رہے تھے۔ دائیں طرف چھوٹے یورپی کیفے اپنے لکڑی

کے بورڈ پر بھاپ اڑاتی کافی کے خاکے بنائے ایک گرم سا منظر پیش کر رہے تھے تو بائیں جانب کتابوں کی دکان کے شیشوں پر بارش کی بوندیں اندر کا منظر دھندلائے دے رہی تھیں۔

اور پھر دو موڑ مڑنے کے بعد وہ روڈ آگئی جہاں قائم ''کارڈ موم ریسٹورنٹ'' اس کی منزل مقصود تھا۔ شہر کی بھیگی اینٹوں اور پرانی عمارتوں کے بیچ بنا یہ ریسٹورنٹ لندن کا وہ پاکستانی کیفے تھا جو باہر سے دیکھنے میں یورپی اسٹائل کا لگتا مگر اندر قدم رکھتے ہی دل سیدھا پاکستان کی گلیوں میں اتر جاتا تھا۔

جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سگنل کے گرین ہونے کا انتظار کرنے کے لیے رکا تو اتنے میں جیب میں رکھا سیل فون گنگنا اٹھا۔ رافع کی کال تھی۔ اس نے رابطہ بحال کیا۔

''السلام علیکم رافع، کیا حال ہے بھئی۔'' اس کے لہجے میں خوشگواریت رچی ہوئی تھی۔ شاید موسم کا اثر تھا۔

''حال تو تم بتاؤ اپنے مریض کا جو کہتا ہے کہ......

دے کوئی طبیب آ کے ہمیں ایسی دوا بھی
لذت بھی رہے درد کی، مل جائے شفا بھی''

جواب میں رافع نے بڑے انداز سے شعر پڑھا۔ اس کے لہجے میں ہنسی دبی ہوئی تھی۔

مصعب کو بات سمجھنے میں کچھ سیکنڈ لگے۔ نتیجتاً ایک بے فکر مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھوٹ پڑی تھی۔

''مل گئی تمہیں اطلاع رافع عباسی۔ تم فارمسٹ ہو یا سی آئی ڈی کے کوئی ایجنٹ؟'' اس نے خوشگوار موڈ میں پوچھا تھا۔

سگنل گرین ہو گیا تھا اس نے نم آلود سڑک کو عبور کیا۔

''فارمسٹ ہونے کے ساتھ میں تمہارا دوست بھی ہوں۔ فکر رہتی ہے تمہاری۔ مگر تم سے اتنا نہ ہوا کہ اپنی رومینٹک اسٹوری کے اس latest ایپی سوڈ میں ہونے والی ڈویلپمنٹ کا مجھ سے ذکر ہی کر دیتے۔'' رافع نے دوستانہ لہجے میں اپنی اہمیت جتائی اور ساتھ ہی شکوہ بھی کیا۔

''اس کام کے لیے تم نے اپنے مؤکل چھوڑے ہوئے تو ہیں۔ تمہیں کچھ بھی بتانے کی بھلا ضرورت ہی کیا ہے مجھے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا تھا۔

''اب مؤکلوں کا دور نہیں رہا پیارے۔ اس کام کے لیے status دیکھنا ہی کافی ہوتا ہے۔ جوزی کا اسٹیٹس دیکھا تو پتا چلا۔'' رافع نے ہنس کر جواباً کہا تھا۔

''بہت فارغ بندے ہو تم۔ اپنی شادی اور ڈرگ کی لانچ کی تیاری جیسی مصروفیات میں سے ان بیکار کاموں کے لیے وقت کیسے نکال لیتے ہو تم؟'' وہ واقعی حیران ہوا تھا۔ رافع یہاں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہونے کے باوجود خاصا باخبر تھا۔

''ارے ہم یاروں کی پروا کرنے والے دل کے بادشاہ بندے ہیں مصعب صاحب! آپ کی طرح بے پروا نہیں، جسے ساتھ بیٹھے بندے کے حال کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہ ہماری محبت ہے۔'' رافع نے لتاڑا۔

''بائی دا وے اس عادت کو عرفِ عام میں محبت نہیں بلکہ snooping (چھپ چھپ کر جاسوسی کرنا) کہا جاتا ہے۔'' دوسری طرف سے برابر کا حملہ کر کے شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تو رافع ڈھیٹ پن سے ہنس پڑا۔

''بھئی جس کی فکر ہوتی ہے اسی کا ذکر ہوتا ہے۔ بہر حال تم مجھے ان بیکار باتوں پر مت ٹرخاؤ اور اپنی مریضِ عشق، جوزفین کا حال بتاؤ جس کی عیادت آج کل بڑے زور شور سے کی جا رہی ہے۔'' رافع کے ہاتھ ایک اور شاندار موقع آ گیا تھا اسے زچ کرنے کے لیے۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ جوزی کے اسٹیٹس سے تو تمہیں اس کے بیمار ہونے کا پتا چلا ہوگا، تو اب اس میں میری

تمارداری کا قصہ کہاں سے نکل آیا؟'' اس نے پتے کی بات کی تھی۔

''ارے گھامڑ انسان' میں نے جوزی کو اس کی طبیعت پوچھنے کے لیے کال کی تو اس نے مجھے بتایا، حالانکہ یہ بات تو مجھے تم سے پتا چلنی چاہیے تھی۔ سخت خفا ہوں میں تم سے۔'' رافع نے گلہ آمیز انداز میں کہا تو اس نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

''کہیں تم پر کسی دوا کا سائڈ افیکٹ تو نہیں ہو گیا رافع عباسی، جو اتنی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔''

''دوا کا سائڈ افیکٹ تو جوزفین علی احمد پر ہوا ہے۔ کمال ہے یار مجھے وہ بھی... اتنی بیوقوف نہیں لگی کہ ایسی ڈرگز استعمال کرے گی وہ بھی ویٹ کم کرنے کے لیے۔ حالانکہ وہ تو اوور ویٹ بھی نہیں ہے۔'' رافع اب جوزفین کے موضوع کی طرف آ گیا تھا۔

''ہم...... مجھے خود بھی اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ جوزفین کو emotional eating کا مسئلہ ہے۔ ایسے لوگ اسٹریس، ڈیپریشن یا بوریت میں زیادہ کھانے لگتے ہیں۔ ایسی ادویات انہیں اپنی craving کنٹرول کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ٹین ایج میں اوور ویٹ رہی ہو۔ اور شارٹ کٹ کے لیے ایسی ڈرگز استعمال کرتی ہو۔ دراصل body shaming سے بچنے کے لیے بھی اکثر لڑکیاں ان ادویات کے چکر میں پڑ جاتی ہیں۔'' اس نے سنجیدہ لہجے میں تجزیہ پیش کیا۔

''صحیح کہتے ہو، پرابلم یہ ہے کہ صبر بھی تو آج کل مارکیٹ سے شارٹ ہو گیا ہے۔ instant gratification (فوری نتائج کی خواہش) کی وجہ سے بھی لوگ ایسی ڈرگز کو روٹین بنا لیتے ہیں۔'' رافع نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔

''حالانکہ یہ کتنا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔'' اس نے چھوٹی سڑک کا موڑ مڑتے ہوئے کہا تھا۔

''افسوس کہ تم جیسے فارمسسٹ دوست پلس محبوب کے ہوتے ہوئے جوزفین نے یہ نادانی کی۔'' رافع ایک بار پھر شرارت بھرے انداز پر لوٹ آیا تھا۔ چھیڑنے والے لہجے میں کہہ کر ہنسا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''بہت ہی فضول گو ہو تم۔''

''وہ تو میں ہوں۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ تم کس آسمان پر ہو اس وقت۔ مزاج گرامی خاصا خوشگوار ہے آج۔ لگتا ہے کہیں جا رہے ہو تم۔'' رافع نے اس کے گرد ہوا ٹریفک کے شور پر غور کرتے ہوئے تشکیک بھرے لہجے میں سوال کیا تو وہ دل ہی دل میں اس کی زیرک مزاجی کی داد دیے بنا نہ رہ سکا۔

''رافع عباسی! تم اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے فی الحال میری جان چھوڑو۔ میں کسی ضروری کام سے نکلا ہوں۔ ایک گھنٹے میں کال بیک کرتا ہوں تمہیں۔'' مبہم مسکراہٹ سمیت رسانیت سے کہا۔

''ایسا کون سا ضروری کام ہے پیارے! جس نے موصوف کے لہجے میں کلیاں کھلا رکھی ہیں؟ کہیں سرخ گلابوں والا بکے اٹھائے جوزی کی عیادت کے لیے اس کے گھر کی طرف تو روانہ نہیں ہو؟'' رافع کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''بنتے رہو، نئی، نئی کہانیاں کسی بی کلاس فلم کے رائٹر کی طرح۔ ویسے آپس کی بات ہے کافی بے تکے رائٹر ہو تم۔ اینی ویز یہ سب چھوڑو اور ڈرگ مینوفیکچرنگ لائسنس کے بارے میں بتاؤ، کیسی رہی میٹنگ؟'' اس نے قصداً موضوع بدلا تھا۔

جس پر رافع نے بھی سنجیدگی اختیار کی۔

''بہت اچھی رہی۔ اصل میں تو یہی بات ڈسکس کرنے کے لیے کال کی تھی میں نے۔ مگر تم شاید ابھی بزی ہو۔ اینی ویز میں تمہیں میٹنگ کے منٹس بھیجتا ہوں۔ تم دیکھ لو پھر اپنی رائے دینا۔''

''ضرور...... گھر واپسی پر تمہیں کال کروں گا۔ مگر ابھی کے لیے بائے۔ پھر بات ہوگی۔'' جواباً وہ دوستانہ لہجے میں کہتا رابطہ منقطع کر گیا تھا۔

جانتا تھا کہ رافع کے ذہن کی پٹاری میں مزید فضول خیالات سر اٹھاتے رہیں گے اس لیے کال بند کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ریسٹورنٹ کی طرف بڑھتے اس کے قدموں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا جس کی کھڑکیوں سے سنہری روشنی باہر چھن، چھن کر گر رہی تھی۔ اگلے لمحے وہ ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ شیشے کا دروازہ کھولتے ہی سب سے پہلے گرم قہوے اور چائے کے ساتھ باربی کیو کی اشتہا انگیز خوشبو اور ہیٹر کی گرمائش نے اس کا استقبال کیا تھا۔

اندر کا ماحول حد سے زیادہ روشن تھا نہ بالکل مدھم، بس اتنا کہ ہر گوشہ کسی یاد کی طرح آشنا سا لگ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی دائیں جانب والی دیوار پر وادیٔ ہنزہ کی بڑی فریم شدہ تصویر تھی تو دوسری طرف لاہور قلعہ اور بادشاہی مسجد کی طلائی رنگ والی تصویریں آویزاں تھیں۔ جن کے ساتھ ہی گرم سنہری روشنی بکھیرتی چھوٹی، چھوٹی لالٹینیں لٹک رہی تھیں۔

اس ریسٹورنٹ سے اس کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ جس سال وہ لندن پڑھنے کے لیے یہاں آیا، غمِ روزگار اسے چودھری رشید کے ''کارڈموم ریسٹورنٹ'' تک لے آیا تھا جن کے انسان دوست رویّے نے اسے جیسے خرید ہی لیا۔ پردیس کے اولین دنوں میں بنا تجربے اور واقفیت کے جاب حاصل کرنا اس کے لیے بہت دشوار ہو رہا تھا، ایسے میں چودھری رشید نے اس پر بھروسا کر کے اپنے پاس جاب دی تھی۔ ان کا یہ احسان وہ آج تک نہیں بھولا تھا، اور سب سے بڑھ کر وہ دوسرے ریسٹورنٹ مالکان کی طرح اسٹوڈنٹس کا استحصال بھی نہیں کرتے تھے، گورنمنٹ کے طے شدہ فی گھنٹا اجرت سے کبھی ایک پیسہ کم نہیں دیا۔ رافع کے گروپ سے اس کی پہلی ملاقات بھی یہیں ہوئی تھی۔ گویا اس ریسٹورنٹ سے اسے محض روزگار ہی نہیں بلکہ بہت اچھے دوست بھی ملے تھے۔ اور ایک اعتبار کرنے والا آجر بھی۔ رشید ملک صاحب کے مشفق رویّے کی وجہ سے یہاں کام کرنے والا ہر ورکر انہیں احتراماً چچا رشید کہتا تھا۔

اسے یہاں آ کر ہمیشہ کی طرح ایک ناسٹیلجیا نے گھیر لیا۔

لکڑی کی گہرے مہاگنی رنگ کی میزوں پر پھول پتیوں کے دیسی نقش کندہ کیے گئے تھے۔ جن پر چھت سے لٹکتے شفاف فانوس کی روشنی پڑ کر انہیں مزید نکھار رہی تھی۔

پچھلے کونے میں رکھے ڈیجیٹل جیوک باکس سسٹمز سے ابھرتی ہلکی آواز میں ''تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا'' کی قوالی کی دھیمی تان ہر طرف پھیل رہی تھی۔

بریڈ فورڈ اور مانچسٹر سے آنے والی پاکستانی فیملیز، چند نوجوان طلبہ اور کچھ انگریز جنہیں بٹر چکن اور سیخ کباب نے اس جگہ کا عاشق بنا دیا تھا وہ گرم ذائقے دار کھانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

مصعب کی نگاہیں کاؤنٹر کی طرف اٹھیں جس پر ہمیشہ کی طرح جگنو جیسی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ اور اس کے اوپر لگے چھوٹے سے بورڈ پر لکھا فقرہ: ''پیار سے بولیے، چائے مفت بھی ہو سکتی ہے'' پڑھنے والے کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

سب کچھ ویسا ہی تھا مگر...... بس ایک کمی تھی۔

آج Amelia کاؤنٹر پر موجود نہیں تھی۔

وہ اپنی جگہ پر ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ کاؤنٹر کی خالی جگہ نے یکایک ریسٹورنٹ کے شور کو مدھم کر دیا، جیسے میوزک سے کوئی اہم نوٹ اچانک غائب ہو گیا ہو۔

اس کی نظریں بے اختیار ایمیلیا کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔

(جاری ہے)

ڈھلتی شام کے بدلتے رنگ

ماورا سلمان

آج کل کی مصروف ترین زندگی اور اس کے تقاضوں پر مبنی چشم کشا تحریر



کالج سے واپسی پر گھر کے اندر داخل ہوتے ہی وہ سیدھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ کندھے سے بیگ اتار کر اس کی مخصوص جگہ پر رکھ کر وہ بیڈ کی پائتی کی طرف بیٹھی اپنے پیروں سے جوتے اتار رہی تھی جب امی ماتھے پر بل ڈالے سامنے آکھڑی ہوئیں۔

”کتنی بار سمجھایا ہے جب گھر میں داخل ہو تو سب سے پہلے دادی کے کمرے میں جا کر انہیں سلام کیا کرو پھر اپنے کمرے کا رخ کیا کرو مگر تم تو ٹھہریں سدا

کی بدتمیز، تمہیں بھلا میری باتوں سے کہاں فرق پڑتا ہے۔" غصے سے لال پیلی ہوتی ہوئی امی نے کسی کٹہرے .... میں کھڑے ملزم کی طرح اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ جبکہ وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔ دوپٹا ایک طرف اچھال کر وہ خاموشی سے باتھ روم میں گھس گئی تو وہ مزید مشتعل ہوگئیں۔

"میں تم سے بات کر رہی ہوں دیواروں سے نہیں۔" اس نے بے پروائی سے زوردار آواز سے دروازہ بند کر دیا جبکہ امی دم سادھے بند دروازے کو تکتی رہ گئیں اور کڑھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"ایک تو صبح صبح اٹھ کر کالج جاؤ اور جب تھک ہار کر واپس آؤ تو ان کی جلی کٹی سننے کو ملتی ہیں۔" باتھ روم سے نکلتے ہی آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ "بھلا دادی کو کیا ہونا ہے جو آتے ہی پہلے ان کی سلامی کی جائے۔" اپنے کمرے سے نکلتے ہی وہ دادی کے کمرے میں چلی آئی۔ جانتی تھی کہ اگر وہ وہاں نہیں جائے گی تو والدہ ماجدہ کا پارہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگتا۔ جھوٹے منہ مسکراتے ہوئے دادی کے پاس جا کر ادب سے سلام پیش، کیا رسمی سا احوال دریافت کیا گویا قضا ہوتی نماز کا خیال آتے ہی جھٹ سے اس کو پڑھنے کا فرض ادا کیا ہو۔ اور اب وہ خود کو اگلے لائحہ عمل کے لیے تیار کرتے ہوئے بھیگی بلی کی طرح چلتے ہوئے دبے پاؤں کچن میں چلی آئی۔

"اِدھر آؤ بدتمیز تمہیں ذرا شرم نہیں کہ ماں کے ساتھ کیسے پیش آیا جاتا ہے۔" اسے کچن میں گھستا دیکھ گویا ان کا خون جوش مارنے لگا۔ پیروں سے چپل اتار کر اس کی جانب اچھالی تو وہ یکا یک اچھل کر دوسری جانب بھاگی۔

"آپ جانتی ہیں پاکستانی قوم آج تک ترقی کیوں نہیں کر پائی؟" اس کے اس عجیب سوال پر ان کی بھویں تن گئیں۔ "کیونکہ آپ جیسی ظالم ماؤں سے یوں چھتر کھانے کے بعد بھلا کس کی عقل قائم رہ سکتی ہے۔" اس کے معصومیت سے دیے جانے والے اس جواب پر انہوں نے شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا۔ بات تو ماننے والی تھی کہ اس کو موقع پر بات پلٹنی آتی تھی مگر آج اس کا دن نہیں تھا۔ کیونکہ آج اس کا چھتر کھانے کا دن تھا انہوں نے دوسرے پیر میں موجود چپل اتار کر اسے دے ماری۔ اس بار ان کا نشانہ بالکل صحیح جگہ لگا تھا وہ کراہتی ہوئی ایک طرف ہوئی۔

"پاکستانی قوم اس لیے بیکار ہوگئی ہے کیونکہ یہاں تم جیسے بہت سے نافرمان جو پیدا ہوگئے ہیں۔" دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے انہوں نے گویا حساب برابر کرتے ہوئے کہا اور برآمدے میں پڑے صوفے پر بیٹھ گئیں تو اس نے سکون سے گہری سانس لی اور اپنا کھانا اٹھا کر باہر صوفے پر ان سے ذرا فاصلے پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ خاموشی سے نوالے توڑنے میں مصروف ہو گئی اور وہ جلی کٹی سنانے کے ساتھ، ساتھ ہمیشہ کی طرح اس کو نصیحتیں بھی کرنے لگیں۔

☆☆☆

فون پر بات کرتے ہوئے وہ صحن میں چکر لگائے جا رہی تھی۔ شام، رات میں ڈھل رہی تھی۔ ہوا میں خنکی محسوس کرتے ہوئے دادی نے ایک نظر اپنی پوتی کو صحن میں چکر کاٹتے دیکھا اور اپنے ساتھ پڑی اسٹک اٹھائی اور اس پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا کہ شاید اب وہ ان کی توجہ کا مرکز بنیں مگر دوسری جانب بلا کی بے نیازی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن جو صحن میں کھیل رہی تھی اس سے ٹکرائی تو زونی اس پر بھڑک اٹھی اسے ڈپٹ کر وہاں سے بھگا دیا اور پھر فون کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"زونی...... زونی بیٹا مجھے اندر لے جاؤ۔" ان کے دو چار بار بلانے پر جب اس کی توجہ ان کی جانب مبذول ہوئی تو وہ ان کے پاس آئی۔

ایک ہاتھ سے اپنی لاٹھی پر مٹھی سے گرفت مضبوط کرتے ہوئے اور دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ڈالے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے اپنے کمرے تک آئی تھیں۔ وہ اب بھی فون پر گپیں

ہانکنے میں مشغول تھی۔ انہیں بستر پر بٹھا کر وہ پھر سے باہر نکل گئی۔ دادی نے افسردگی سے اسے جاتے دیکھا اور ریک پر رکھے پانی کے خالی گلاس کو پھر اس کو اٹھانے کی کوشش میں آگے کی جانب بڑھی ہی تھیں کہ اگلے ہی لمحے اُن کا پیر پھسلا اور وہ زمیں بوس ہو گئیں۔ ان کے یوں اچانک گرنے کی آواز پر سب سے پہلے زونی کی امی ہی کمرے میں آئی تھیں انہیں یوں زمین پر گرا دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہوئے تھے۔ جبکہ زونی بھی بھاگ کر ان کے پاس آئی تھی۔ ان کو سہارا دیتے ہوئے دونوں نے دادی کو بیڈ پر لٹایا۔ جبکہ وہ درد کی شدت سے ہائے، ہائے کرتی رہیں۔ ان کے گھٹنے اور کہنی پر چوٹ آئی تھی۔

”یہ سب کیسے ہوا زونی..... تم کہاں چلی گئی تھیں جو اماں کو یوں چوٹ لگ گئی۔ اب تمہارے ابو دیکھیں گے تو ناراض ہوں گے اور اماں کو تکلیف الگ سہنی پڑے گی یہ سب تمہاری بے پروائیوں کا نتیجہ ہے۔“ اماں کے گھٹنے پر مرہم لگاتے ہوئے انہوں نے ساتھ کھڑی زونی کو جھڑکا تو وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑی رہی۔

”بس کرو نائلہ، بچی کو نہ ڈانٹو اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔“ درد سے کراہتے ہوئے انہوں نے ایک نظر سر جھکائے کھڑی زونی کے سپید ہوتے چہرے پر ڈالی اور جھٹ سے کہا۔

”بس کریں اماں، اس کی زیادہ سائڈ مت لیا کریں آپ کی انہی حماقتوں نے اس کا دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔“ نائلہ بیگم نے ان کے گھٹنے پر گرم پٹی لپیٹتے ہوئے کہا۔

”غلطی میری تھی، مجھے اسے آواز لگانی چاہیے تھی۔“ انہوں نے اپنی پوتی کے جھکے سر کو دیکھ کے کہا۔ تو اس نے سر اٹھا کر ایک نظر خفیف انداز میں ان کا چہرہ دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی در آئی وہ کس طرح اس کا دفاع کر رہی تھیں چند لمحوں کے لیے وہ بس ان کا چہرہ دیکھے گئی۔

”اب جب تک تمہاری دادی ٹھیک نہیں ہو جاتیں تب تک تم انہی کے کمرے میں سوؤ گی۔“ مزید اسے

یہ لاہور شہر ہے

چاہت بھرا وطن بھی یہ لاہور شہر ہے
اِک حسن کا گگن بھی یہ لاہور شہر ہے
لوگوں کا یاں مزاج بڑا خوشگوار ہے
کھلتا ہوا چمن بھی یہ لاہور شہر ہے
تاریک راستوں میں لیے علم کے چراغ
انمول سا رتن بھی یہ لاہور شہر ہے
اِک دوسرے کے دکھ بھی یہاں بانٹتے ہیں لوگ
پردیس میں سجن بھی یہ لاہور شہر ہے
داتاؒ سے فیض لینے جو آتا ہے اِک جہاں
یوں فیض میں مگن بھی یہ لاہور شہر ہے
بنیاد میں ہے اس کی جو اجداد کا لہو
اسلاف کا جتن بھی یہ لاہور شہر ہے
زندہ دلان شہر کی بابت نہ پوچھیے
ہر شخص کوہ کن بھی یہ لاہور شہر ہے
منہ توڑ دشمنوں کو یہ دیتا ہے یوں جواب
اِک معرکہ کٹھن بھی یہ لاہور شہر ہے
محبوب کی طرح یہ ہے مجھ کو عزیز تر
الفت کا ایک دھن بھی یہ لاہور شہر ہے
خانم دعا ہے دل سے، یہاں رونقیں رہیں
ہر دم رہے امن بھی یہ لاہور شہر ہے

از فریدہ خانم، لاہور، پاکستان

چند ضروری ہدایات دیتی وہ کمرے سے چلی گئیں۔ تو اس نے بھی بغیر کوئی مزاحمت کیے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی اور پلنگ کے دوسرے سرے پر ٹک کر سو گئی۔

دادی کی طبیعت کے پیشِ نظر اسے کالج سے بھی چھٹی کرنی پڑی تھی اور سارا دن ان کے پاس بیٹھ کر خدمت کرنی پڑتی اور رات میں بھی جب ان کو واش روم جانا ہوتا تو اسے اٹھنا پڑتا۔ وہ دن اور رات کی اس تھکا دینے والی روٹین سے خاصی بیزار ہو چکی تھی اور اس سے بڑھ کر دادی کے خراٹوں نے اس کی زندگی اجیرن کر دی تھی..... اگر اس کو اپنے والد کا خوف نہ ہوتا تو وہ دادی کے کمرے میں سونے کے بجائے مر جانے کو ترجیح

دیتی۔ مگر زونی کی قسمت میں امی کی ڈانٹ اور دادی کے خراٹوں کو برداشت کرنا لکھا تھا سو جو کام اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا تھا بھلا اس سے وہ فرار کیسے پا سکتی تھی۔ وہ جو گھنٹوں سہیلیوں سے فون پر گفتگو کیا کرتی تھی اور انسٹاگرام پر ریلز دیکھا کرتی تھی اب یک دم اس روٹین میں تبدیلی آچکی تھی جس کے باعث وہ دادی سے مزید اکتانے لگی تھی۔ ہر وقت کی دادی کی ہائے، ہائے اور امی کے طعنوں نے اس کی زندگی دوبھر کر دی تھی۔

''اے اللہ یہ دادی کی خدمتوں سے کب میری جان چھوٹے گی اور سکون میسر ہوگا۔'' اس نے دادی کے گھٹنوں پر مالش کرتے ہوئے سوچا اور پھر گرم پٹی ان کے گھٹنے کے گرد لپیٹی اور پائنچہ نیچے ٹخنے تک کھینچا۔ وہ آرام سے لیٹ گئیں تو اس نے ان کے اوپر چادر ڈال دی۔ اس کے قریب دادی کی خدمت کرنا، کسی ناکردہ گناہ کی سزا کے طور پر بھگتنا پڑ رہی تھی۔ جبکہ وہ ہمیشہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر رہ جاتیں۔ چڑھتے سورج کو ڈھلتی شام کے کرب سے کیا لینا وہ تو بس اپنے عروج کے غرور میں مگن ہوتا ہے۔ اسے ڈھلتی شام کے بدلتے رنگوں سے سروکار نہیں ہوتا۔ اس کی دلی کیفیات سمجھتے ہوئے بھی وہ خاموش رہا کرتی تھیں اور اس کوشش میں رہتیں کہ اسے کم سے کم زحمت ہو۔

''اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، ہمیشہ سلامت رہو جیتی رہو!'' دادی نے اسے دل سے دعائیں دیں اور وہ مسکراتی رہی اور دل ہی دل میں دادی سے ہم کلام ہوئی۔

''ان دعاؤں کے بدلے اللہ آپ کو جلدی ٹھیک کرے تاکہ میری جان چھوٹے آپ سے......'' اس نے جبراً مسکرا کر دادی کو دیکھا۔

☆☆☆

چند روز ضرور لگے مگر بالآخر جب دادی ٹھیک ہو گئیں تو اسے اپنے کمرے میں سونے کی اجازت بھی مل گئی اور کالج جانے کی بھی شکر کے کلمات ادا کرتے ہوئے وہ بالآخر اپنے کمرے میں آکر پرسکون نیند سوئی اور اگلے روز کالج بھی چلی گئی۔ اپنی سہیلیوں سے مل کر وہ بہت خوش تھی مگر یہ خوشی کے لمحات محض چند لمحوں کے لیے تھے جب اس کی سہیلیوں نے کالج کے لمبے چوڑے اسائمنٹس کے بارے میں بتایا تو اس کی خوشی ہوا ہوئی۔

''لو بھئی دادی کی ڈھیروں خدمتیں کرنے کے بعد اب یہ کام بھی میری گردن میں ہی فٹ ہو گیا۔'' جلتی کڑھتی سلگتی وہ بھسم ہو رہی تھی۔

اپنی ہی سوچوں میں مگن وہ سڑک کنارے... چل رہی تھی کہ سامنے سے تیز رفتار موٹر سائیکل سوار سے اس کی ٹکر ہو گئی۔ ٹکراؤ اتنا اچانک اور زوردار تھا کہ وہ سنبھل ہی نہ سکی اور وہیں سڑک پر گر گئی۔ درد کی شدت اور تکلیف سے وہ رونے لگی، سڑک کنارے چلنے والے لوگوں نے اس کی مدد کی اور اسپتال لے کر گئے۔ اسپتال پہنچنے پر ایکسرے میں آیا کہ اس کی ایک ٹانگ کی ہڈی متاثر ہوئی تھی اور بازو فریکچر ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے مکمل بیڈ ریسٹ کی ہدایت دی تھی۔ گھر اطلاع کرنے پر ابو پہنچ گئے تھے اس کو یوں زخمی دیکھ کر سب کو تشویش ہوئی۔ دادی اپنا دل پکڑ کر بیٹھ گئیں اور امی کے گویا پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

اب اپنے کمرے میں قید وہ کسی معذور انسان کی طرح بستر سے لگی ہوئی تھی۔ تکلیف، اکیلا پن اور سب کے باہر بیٹھ کر ہنسی مذاق کرنے پر اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ درد کی اذیت سے زیادہ اکیلے پن کی تکلیف سے دوچار تھی۔ اس کی سہیلیاں جن سے وہ سارا، سارا دن فون پر گپیں ہانکتی تھی انہوں نے پہلے پہل اسے دو ایک بار فون کیا تھا مگر اس کے بعد انہوں نے اس سے رابطہ کر کے اس کی خیریت معلوم کرنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔ وہ شدت سے تنہائی جیسی اذیت کا شکار ہو رہی تھی۔ چھوٹے بہن بھائی کی اس نے کبھی پروا نہیں کی تھی مگر وہ پھر بھی اس کا احوال دریافت کرنے دن میں کئی بار ضرور اس کے کمرے میں آتے تھے۔ ابو صبح دفتر جانے سے پہلے اور رات میں بھی اس کے پاس بیٹھتے تھے مگر یہ اس کے لیے کافی نہیں تھا۔ امی سارا دن گھر

کے کاموں میں اس قدر الجھی رہتیں کہ اس کے چیخنے چلّانے پر ہی اس کے کمرے میں آتیں اور اس کی ضرورت پوری کرتیں۔ ایک ٹھیک ٹھاک دن بھر گھومنے اور ہر حال میں اپنی مرضی کرنے والا انسان اگر بستر سے لگ جائے تو اس کے لیے یہ تنہائی کے لمحات کاٹنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

اس سب میں صرف دادی ہی تھیں جو اپنی اسٹک کے سہارے چلتے ہوئے اس کے کمرے میں آجاتیں اور گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی اسے تسلیاں دیتیں۔ اس کے لیے خلوصِ نیت سے دعائیں کرتی۔ اس پر قرآن پاک کی آیات پڑھ کر پھونکتی رہتیں اور تب اس کا دل ندامت اور شرمساری کے احساس سے ڈوبنے لگتا۔

''امی، امی مجھے پیاس لگی ہے... پانی دے دیں۔'' اس نے باہر کی آوازوں سے اکتا کر بلند آواز میں کہا کچھ وقفے کے بعد امی کمرے میں آئیں۔

''کیا ہے زونی، کیوں چلّا رہی ہو؟'' انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی قدرے ناگواری سے اسے گھور کے کہا۔

''امی مجھے پانی چاہیے۔ پیاس لگی ہے۔'' امی نے پہلے اسے اور پھر اس کے ساتھ رکھے ریک پر پڑے پانی کے جگ اور گلاس کو دیکھا اور پھر اسے گھور کر دیکھا۔

''یہ ساتھ ہی تو رکھا ہے تمہارے۔ خود بڑھ کر نہیں پی سکتیں؟''

''نہیں پی سکتی اسی لیے تو آپ کو بلایا ہے۔'' ان کے یوں جھڑکنے پہ اسے کو رنج ہوا اور وہ بھی پھٹ پڑی۔

''بستر سے لگ گئی ہو مگر زبان اب بھی وہی کاٹ دار ہے تمہاری کچھ عقل سے کام لو، میں اتنی فارغ نہیں بیٹھی جو سارا دن گھر کے کام بھی کروں تمہارے بہن بھائیوں کو بھی دیکھوں ابو کو اور دادی کو بھی دیکھوں اور پھر تمہارے پیچھے، پیچھے بھی بھاگتی رہوں، اب یہ پانی تو یہاں سے اٹھا کر تم خود بھی پی سکتی ہو مگر نہیں ماں کو ذلیل کرنا ہی کرنا ہے۔'' غصے سے کہتے ہوئے پاؤں پٹختی وہ اس کے قریب آئیں اور جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر اس کے سامنے کیا تو وہ ان کے اس سخت اور دوٹوک انداز پر دل برداشتہ ہونے لگی۔ صدمے اور غم سے اس کی آنکھیں اشکبار ہونے لگی۔ ان کی اتنی جھڑکیاں کھانے کے بعد اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ ان سے یہ کہہ سکے کہ وہ اپنی مدد آپ اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتی بہت ہمت اور کوشش کے باوجود بھی وہ خود سے اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتی تھی اسے یوں لاچار اور بے بس دیکھ کر امی کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اور اب سے کچھ دیر پہلے اس پر کیے جانے والے غصے پر انہیں سخت ندامت ہوئی آخر کو وہ ان کی اولاد تھی نافرمان ہی صحیح مگر اولاد تو تھی۔

انہوں نے اسے سہارا دے کر بٹھایا اور پانی کا گلاس بھر کر اس کے سامنے کیا تو اس نے خاموشی سے گلاس تھام کر لبوں سے لگا لیا۔ وہ بھی انسان تھیں۔ سارا دن گھر کے کام کاج کر کے تھک جایا کرتی تھیں ہزاروں جھمیلوں میں اب اس کی مکمل ڈیوٹی بھی انہی کے سر تھی ماں، بیٹی کو یوں بے بس دیکھ کر دادی کے دل کو ٹھیس پہنچی تو پوتی کی تمام تر ذمے داریاں اپنے سر لے لیں۔

نائلہ بیگم کے لاکھ منع کرنے کے باوجود انہوں نے ان کی ایک نہ سنی اور مسلسل زونی کے کمرے میں رہنے لگیں جس سے زونی کی خاصی ڈھارس بندھی۔ دادی سارا وقت اس کے ساتھ ٹک کر بیٹھی رہتیں تو نائلہ بیگم بھی گھر کے کام سکون سے کر لیا کرتی اور فراغت پانے کے بعد اسی کے کمرے میں آکر بیٹھ جاتیں۔

دادی سارا دن اسے پرانی کہانیاں اور قصے سنا کر اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔ اسے دوائیاں دیتی اس کا خیال کرتیں وہ بھی بغیر ماتھے پر بل ڈالے اور برا منہ بنائے... اپنے ہاتھوں سے نوالے توڑ، توڑ کر اس کے منہ میں ڈالتیں تو ایک عجیب سا احساسِ جرم سے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ تب اسے یاد آتا کہ دادی کی بیماری میں وہ ان سے کس طرح بیزار ہوتی تھی اور دن رات ان کی صحت کی دعائیں مانگا کرتی تھی تاکہ اس کی ان سے جان چھوٹ جائے اور وہ ان کے

لیے کیا تھی اور دادی اس کے لیے کیا تھیں یہ محسوس کرتے ہی اسے اپنا آپ بہت مطلبی اور منافق لگتا تھا۔

وہ اب ہر چیز کو بہتر انداز میں سمجھنے لگی تھی جو کام الفاظ نہیں کر سکتے تھے وہ احساس کر رہا تھا۔ دادی جیسی تنہائی اور اکیلا پن جب وہ خود اپنی ذات پر محسوس کر رہی تھی تو اس کو احساس ہونے لگا تھا کہ تنہائی جیسی اذیت اور معذوری جیسی تکلیف سے اللہ سب کو محفوظ رکھے۔

دادی کی اس کے کمرے میں موجودگی کی وجہ سے جیسے ایک نیا جہان اس کے کمرے میں آبسا تھا۔ اس کے بہن بھائی جو فقط چند منٹ آکر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے اب گھنٹوں اس کے کمرے میں بیٹھے رہتے۔ رات گئے تک گفتگو ہنسی مذاق پرانے قصوں کا سلسلہ جاری رہتا۔

اپنوں کے سنگ زندگی کے رنگ کتنے حسین ہوتے ہیں یہ اس نے اب محسوس کیا تھا اور ایک دن جب دادی نے اس کے بازو کی مالش کرتے ہوئے پی لیپٹی تو اس کی آنکھوں میں آنسو... امنڈ آئے اور وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔ اسے یوں اچانک روتا بلکتا دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

''مجھے معاف کر دیں دادی، میں بہت غلط تھی، میں آپ سے تنگ آکر آپ سے دور بھاگتی تھی۔ میری نیت خراب تھی میں صرف ابو کی ناراضی اور امی کے خوف سے آپ کی خدمت کرتی تھی اسی لیے اللہ پاک نے مجھے اس آزمائش میں ڈالا تا کہ میں سمجھ سکوں کہ آپ ہمارے لیے کتنی بڑی نعمت ہیں۔'' ہچکیوں سے روتے ہوئے آج وہ اپنا آپ انہیں دکھا کر ان سے معافی مانگ رہی تھی۔ وہاں بیٹھے سب کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے جبکہ وہ ان سے لپٹی روتی رہی اور وہ اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اس کو خاموش کرواتی رہیں۔

''تم یوں رو کر خود کو ہلکان نہ کرو زونی، تمہیں احساس ہو گیا یہی کافی ہے۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' دادی نے اسے چپ کروانے کی کوشش کی۔

''نہیں اماں، سارا قصور ہمارا ہے۔ ماں، باپ اگر سختی کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے بجائے پیار اور محبت سے اپنی اولاد کو سمجھائیں تو وہ سمجھ جاتی ہے۔ نائلہ نے ہمیشہ زونی پر سختی کی ہے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر سمجھایا ہے تبھی وہ باغی ہو گئی، ہر انسان کا ایک سا مزاج اور سوچ نہیں ہوتی اور یہی بات میں ہمیشہ سے نائلہ کو سمجھاتا تھا۔'' اس کے ابو نے یاسیت سے بیگم کا چہرہ دیکھ کر کہا تو وہ سر جھکا گئیں۔

''اب بس کر دو تم لوگ زونی کو اپنے کیے پر پچھتاوا ہے یہی کافی ہے ہمارے لیے۔'' دادی نے دونوں میاں بیوی میں ہونے والی مزید تکرار سے قبل ہی موضوع بدلا۔ بڑے صرف نام کے بڑے نہیں بلکہ ظرف کے بھی بڑے ہوتے ہیں وہ اپنی اعلیٰ ظرفی سے کبھی اپنے بھٹکے ہوئے بچوں کو بھی شرمساری میں مبتلا نہیں ہونے دیتے۔''

''نہیں اماں...... یہ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں، میں نے واقعی زونی کو کبھی پیار سے نہیں سمجھایا۔ ہمیشہ اس پر سختی کر کے ڈانٹ ڈپٹ کر ہی سمجھایا ہے اسی لیے یہ... خود سر ہو گئی اس کی خودسری میں اس سے زیادہ میرا قصور ہے۔'' نائلہ بیگم نے سر جھکائے خفیف سے انداز میں اعتراف کیا تو زونی نے دادی سے الگ ہوتے ہوئے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا۔

''آپ سب ایک دوسرے کو الزام مت دیں، اللہ پاک نے مجھے اسی طرح سمجھانا تھا تو یہ سب ہو کر ہی رہنا تھا اس میں کسی... کا قصور نہیں، یہ میرے اپنے اعمال ہیں جو میرے سامنے آرہے ہیں مگر میں آج اعتراف کرتے ہوئے دل سے آپ سب سے معافی مانگتی ہوں۔ مجھے سمجھ آگئی ہے کہ ہمیں اپنے بزرگوں سے اکتانے اور دور بھاگنے کے بجائے ان کی قربت اختیار کر کے ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور ان سے بہت کچھ سیکھنا چاہیے جو آگے جا کر ہمارے ہی کام آتا ہے۔'' کہتے ہی وہ دادی سے لپٹ کر پھر سے رو دی۔ اس کے امی ابو بھی اس کے پاس آکر اس کی دل جوئی کرنے لگے۔



ناولٹ

بدشگون

نزہت جبیں ضیا

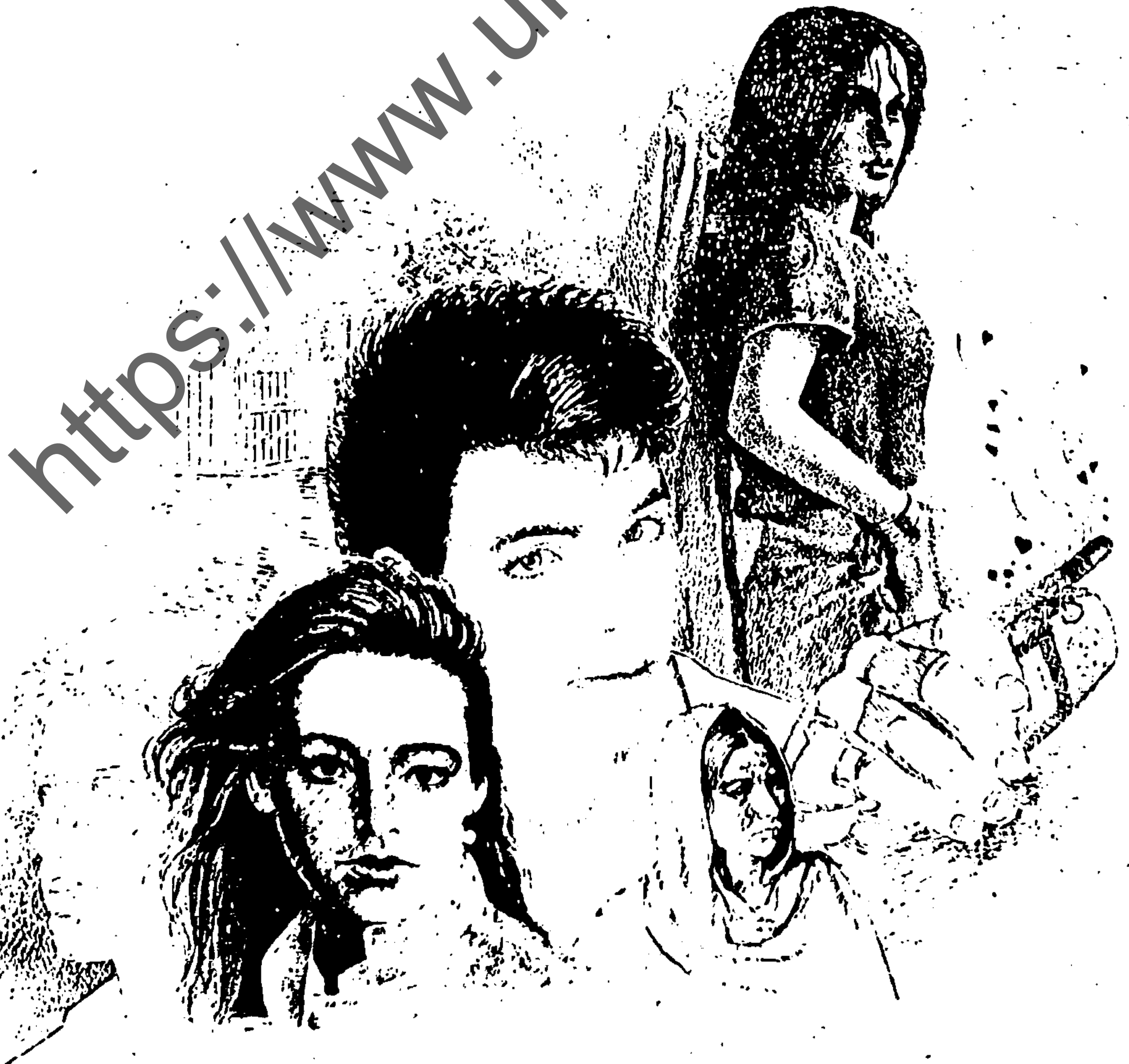
کشور بیگم نے گلی کے نکڑ پر آن لائن بلائی گئی گاڑی کے پاس پہنچ کر بنا کچھ کہے بدک کر پینترا بدلا اور دونوں بیٹیوں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں واپس لوٹنے کا اشارہ کیا۔

''ہائیں.....یہ اچانک آپ کو کیا ہوگیا اماں؟''

بڑی بیٹی نے حیرت سے ماں کو دیکھ کر کہا۔

''ہم.....م'' کشور بیگم نے دانت بھینچ کر آنکھیں نکالیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے دونوں بیٹیوں کو گھور کر دیکھا۔ اپنے منہ پر انگلی رکھ کر انہیں چپ کروایا، اور اپنے ناتواں وجود کا پورا زور لگاتے ہوئے دونوں کو گھسیٹا تو دونوں بیٹیوں کا احتجاج اور ڈرائیور کی جھنجلائی ہوئی غصے بھری آوازیں بھی کشور بیگم کو اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکیں۔ انہوں نے واپس گھر میں داخل ہو کر بیٹیوں کو آزاد کیا، اپنی چادر اتار کر پلنگ پر پھینکی اور سیدھا غسل خانے کی سمت دوڑیں۔ تین کلیاں کر کے باہر آئیں۔ راحمہ اور سامیہ بیچ صحن میں حیران و پریشاں کھڑی تھیں۔

''اماں، کیا مسئلہ ہے؟ کچھ بولیں بھی، پتا بھی ہے، جمیلہ خالہ ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی، آگے اقصیٰ کے گھر والے بھی منتظر ہوں گے، کیوں واپس آگئیں



آپ اور وہ ڈرائیور بھی برا بھلا کہہ رہا ہوگا۔اب بلانے کے پیسے لے کر ہی جائے گا؟'' راحمہ کو اماں کی حرکت پر تھوڑا غصہ بھی آرہا تھا۔آگے دو گھرانے ان لوگوں کے منتظر تھے۔

''اری چپ کر۔دیکھا نہیں تھا کہ ہمارا راستہ کالی بلی نے کاٹ لیا تھا۔اور یہ کتنا بدشگون ہے،توبہ،توبہ، استغفراللہ۔'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے پلپلے اور ناتواں گالوں کو پیٹا،اور دوبارہ گویا ہوئیں......''میں تو کسی حال میں اس لڑکی کو بہو نہیں بنا سکتی جس کو دیکھنے جاتے وقت ہی ایسی بدشگونی ہو جائے......تم جمیلہ کو کال کر کے بول دو کہ......ہمیں یہ والی لڑکی نہیں دیکھنی۔کوئی اور لڑکی دکھائے ہمیں۔'' کشور بیگم نے جھرجھری لیتے ہوئے اپنی چادر اتار کر کھونٹی پر ٹانگتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا۔

''اماں! حد ہوگئی ہے،اتنی سی بات پر آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔'' راحمہ نے اپنا سر پیٹتے ہوئے کہا۔

''ہائیں اماں! یہ کون سی تک ہے بھلا؟ یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی کہ ایک بیکار سی چیز کو جواز بنا کر آپ نے جانے سے ہی انکار کر دیا......اماں......کس منہ سے منع کریں ہم جمیلہ خالہ کو۔اگلے گھر والے راہ دیکھ رہے ہوں گے......کچھ نہ کچھ اہتمام تو کیا ہوگا ناں انہوں نے۔'' سامیہ نے کہا۔

''جس منہ سے ہم نے جانے کا کہا تھا......اسی منہ سے اب منع بھی کرنا ہے......اور مجھے سکھانے، سمجھانے کی ضرورت نہیں، میں جانتے، بوجھتے آنکھوں دیکھی مکھی تو نہیں نگل سکتی۔بھاڑ میں جائے ایسا بدشگونی رشتہ......اب میرا دل نہیں مانتا اس رشتے کے لیے، اگلوں نے کون سا دیگیں چڑھا دی ہوں گی ہمارے لیے۔اب تم دونوں میری اماں مت بنو، آئی سمجھ!'' کشور بیگم کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''اماں......! آپ جانتی ہیں کہ اقصیٰ، بھائی کی پسند بھی ہے۔'' سامیہ نے ایک بار پھر بھینس کے آگے بین بجانے کی ناکام کوشش کی۔

''آخر تم لوگ اتنی حمایتی کیوں بن رہی ہو؟ میں اس کی پسند کے آگے اس قدر مجبور نہیں کہ جان بوجھ کر اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر کو برباد کرلوں۔''

راحمہ اور سامیہ جانتی تھیں کہ وہ دونوں اب لاکھ سر پٹخ لیں، اماں جیسی ضدی خاتون کی نہ......ہاں میں نہیں بدل سکتی۔

''اماں! آپ تو جانتی ہیں......عادل کی امی کی طبیعت کی وجہ سے میرے لیے بار، بار یہاں آنا ممکن نہیں، لاحول پڑھ کر اللہ کا نام لے کر چلتے ہیں۔اللہ بہتر کرنے والا ہے۔'' راحمہ نے منمناتے ہوئے آخری کوشش کی۔

''واہ بی بی واہ! یہ بھی خوب کہی۔اپنے بیٹے کو محض تمہاری بڑھیا ساس کی بیماری پر قربان کر دوں؟ اگر تم نہیں آسکتی ہو تو کوئی بات نہیں۔میں اور سامیہ چلے جائیں گے۔بات آگے بڑھی تو تم بھی آجانا۔''

''لو بھئی......اماں نے تو بات ہی ختم کر دی۔'' گویا ان پر راحمہ کے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

''اماں، آپ بھی نہیں بدلیں گی۔'' راحمہ نے تاسف سے اماں کی جانب دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

کشور بیگم شروع سے ہی وہمی خاتون تھیں۔ہر بات میں کوئی نہ کوئی الٹی منطق نکالنا ان کی عادت تھی۔والدین کی وفات کے بعد بیوہ نانی نے پرورش کی ذمے داری اٹھائی، روپیہ پیسہ تھا نہ کوئی جائداد......نانا کا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔وہ تو بھلا ہو نانا کا کہ ان کی گورنمنٹ جاب تھی اسی حوالے سے پنشن آجاتی اور دونوں نانی نواسی کا گزر ہو جاتا۔جب کشور بیگم، نانی کے پاس آئیں تو ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ددھیال کی جانب سے پشت در پشت یہ خاندان وہمی اور الٹی سیدھی باتوں پر یقین کر لینے والا تھا۔یہی وجہ تھی کہ کشور بیگم کی رگوں میں بھی یہ بیماری خون کے ساتھ مکمل طور پر قبضہ کیے بیٹھی تھی۔اس کے ساتھ، ساتھ وہ تیز، طرار، خودسر اور حجتی بھی تھی۔شروع سے پڑھائی میں دل تو نہیں لگتا تھا بلکہ اسکول میں کلاس کی بچیوں سے لڑ کر آتی، شکایتیں

گھر تک آتیں۔نانی بیچاری پریشان ہو جاتیں۔لاکھ سمجھاتیں لیکن کشور کی منطق ہی نرالی ہوتی۔

''نانی! آج فیروزہ کلاس میں میرے برابر میں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی تھی۔میں نے منع کیا کہ نحوست آتی ہے.....مگر وہ نہیں مانی۔اور اس کی نحوست مجھے لگ گئی۔مس نے مجھے بلاوجہ مارا۔پھر میں نے بھی فیروزہ کی جم کے دھنائی کر دی۔'' کبھی وہ کہتی۔''نانی! گٹے کھیلنے سے مفلسی آجاتی ہے مگر پھر بھی حمیدہ اور نجمہ دونوں کلاس میں کھیل رہی تھیں۔میں نے دونوں کو روکا،نہیں مانیں تو.....دونوں کو دو،دو تھپڑ لگا دیے۔تو منحوس ماریوں نے مس سے شکایت لگا دی۔''

''اری، تجھے کیا ضرورت ہے اپنی منطق لگانے کی،کوئی کچھ بھی کرے۔'' نانی اس کو جھڑک دیتیں۔

''یہ کیا بات ہوئی نانی.....میں تو چپ نہیں رہنے والی،ساری کی ساری بدشگونیاں پھیلاتی رہتی ہیں جماعت میں۔'' وہ بھی کمر پر ہاتھ رکھ کر اکڑ دکھاتی۔

آخر کار تنگ آ کر اور روز، روز کی لڑائیوں سے پریشان نانی نے اسے اسکول سے ہی اٹھوالیا.....کشور کو کون سی پڑھائی سے دلچسپی تھی.....وہ تو خوش ہوگئی۔اب اس کا زیادہ وقت محلے کے گھروں میں گزرتا،ادھر کی باتیں اُدھر لگانے میں کشور کو بڑا مزہ آتا۔ایسے میں نانی کی صلواتیں بھی سننی پڑتی۔

''اری کم بخت، کچھ لڑکیوں والے کام بھی کر لیا کر، اگلے گھر جائے گی تو ناک کٹوا کے رکھ دے گی۔دنیا میرے منہ پر تھوتھو کرے گی کہ بڑھیا نے نواسی کو تمیز،سلیقہ،ادب کچھ بھی نہیں سکھایا۔چل اٹھ ہانڈی روٹی کر اور کپڑے دھو۔اری حمیدہ تو نے میرے بوڑھے ناتواں کاندھوں پر کیسا بوجھ ڈال دیا خود تو چلی گئی۔'' کبھی، کبھی نانی کا پارہ ہائی ہوتا تو کشور کی شامت آجاتی...... نانی کی پھٹکاریں سننے کے بعد مارے باندھے الٹی سیدھی ہانڈی پکا کر چھت کی طرف بھاگتی جہاں،اس کی ہم عمر پڑوسن محلے کی کسی مسالے دار خبر کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی ہوتی۔اس وقت اوپر جانے کی خوشی ہی کچھ اور ہوتی لیکن...... یہ خوشی بھی بس کچھ ہی دنوں کی تھی۔کیونکہ نانی نے اس کے سر پر غیر متوقع بم پھاڑ دیا۔

''کشور شام کو نہا کر صاف ستھرے کپڑے پہن لینا۔'' ہمیشہ سے نہانے کے نام سے اس کی جان نکلتی تھی تب ہی ناک چڑھا کر نانی کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوگیا ہے نانی؟ ابھی جمعے کو تو نہائی تھی۔تین دن پہلے۔'' بیزار لہجے میں کہا تو نانی نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''لاحول ولاقوۃ! اتنی سڑی گرمی میں تین دن پہلے نہائی تھی۔لڑکی ہوش کے ناخن لے.....اب تو ننھی بچی نہیں،ماشاء اللہ سے سولہ سال کی ہو چکی ہے،کل کو اگلے گھر جائے گی تو وہاں یہ سب نہیں چلنے والا۔''

''کل کو جاؤں گی ناں؟ تو پھر آج کیوں نہاؤں۔کل نہالوں گی۔'' کشور نے بھی ڈھٹائی میں ڈپلوما لے رکھا تھا۔

''کل کو ہی جائے گی لیکن......اس کل تک پہنچنے کے لیے تیاری آج ہی کرنی ہوگی،آج رشیدہ کے ساتھ تجھے دیکھنے کوئی عورت آرہی ہے،شام کو تیار ہو جانا اور.....ان لوگوں کے سامنے،الٹی سیدھی حرکت اور اپنی منطق مت جھاڑنا۔'' وہ بھی اسی کی نانی تھیں،سخت لہجے میں کہا۔

''ہائے نانی.....اتنی جلدی؟ ابھی تو میری کھیلنے کودنے کی عمر ہے نانی،ابھی سے مجھے ذمے داریوں میں جکڑ دینا چاہتی ہو۔'' کشور نے برا سا منہ بنا کر احتجاج کیا۔

''اتنی جلدی مطلب؟ زیادہ فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔تمہاری عمر میں، میں دو بچوں کی ماں بن گئی تھی۔عزیز میاں نیک شریف ہیں، کچھ عرصہ یہ لوگ رشیدہ کے مکان میں کرایے پر رہ کر گئے ہیں۔رشیدہ لڑکے اور اس کے گھر والوں کی گارنٹی لے رہی ہے۔کنبہ بھی بڑا نہیں ہے،اب میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، میں اپنی ذمے داری سے آزاد ہونا چاہتی

ہوں۔ اس لیے جیسا کہتی ہوں چپ کر کے عمل کر لے۔" نانی نے حاکمانہ لہجے میں کہا تو کشور کے دل میں عزیز میاں کے نام سے گدگدی ہونے لگی۔ گلی کے تیسرے مکان میں کچھ عرصہ کرایے پر رہ کر وہ یہاں سے گئے تھے، سیدھے، معصوم اور شریف انسان تھے گلی میں آتے جاتے کشور نے ان کو دیکھا تھا۔ وہ تو نظریں جھکا کر گزر جاتے لیکن...... کشور ضرور ان کو تاڑتی تھی۔ اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا اور...... نانی اس کی سعادت مندی پر خوش کم، حیران زیادہ تھیں۔

عزیز میاں کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ بس ایک بڑے بھائی شفیق، بھاوج شہناز اور ایک بھتیجا ارقم تھا...... کیونکہ شفیق صاحب کا تبادلہ ملتان ہو گیا تھا اور وہ فیملی سمیت شفٹ ہونے والے تھے، ان کے جانے سے عزیز میاں اکیلے ہو جاتے، گھر میں عورت کا ہونا ضروری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے مصداق کشور بیاہ کر عزیز میاں کے دو کمروں کے چھوٹے سے گھر میں آ گئی۔ عزیز میاں انتہائی شریف النفس، کم گو اور سلجھے ہوئے انسان تھے۔ کشور تو بہت خوش تھی۔ شادی کے ہفتے بعد تک شہناز نے دیورانی کے لاڈ اٹھائے اور رسم کے مطابق کشور سے کھیر پکوا کر، گھر اور عزیز میاں کو اللہ پاک کے بعد کشور بیگم کے حوالے کیا اور رختِ سفر باندھا۔

اب چھوٹا سا گھر، گھر کے امور شوہر سمیت...... بلا شرکتِ غیرے کشور بیگم کی دسترس میں تھے۔ گو کہ عمر میں چھوٹی تھیں لیکن تیز، چالاک اور خودسری کی وجہ سے بہت اچھی طرح سے سب کچھ سنبھال لیا تھا۔

دن ماہ و سال میں گزرتے چلے گئے۔ گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ اللہ پاک نے انہیں اولاد کی صورت میں ایک بیٹا زیرک اور دو بیٹیوں راحمہ اور سامیہ سے نوازا تھا۔ گھر میں مکمل حکومت کشور بیگم کی تھی۔ میاں کے ساتھ بچے بھی ان کے احکامات پر سرِ تسلیم خم کرتے۔ گھر میں کیا آئے گا کیا نہیں، کیا پکنا ہے؟ عید پر بچوں اور عزیز میاں کے کیسے اور کتنے کپڑے بنانے ہیں؟ کس وقت جاگنا ہے؟ کس وقت سونا ہے؟ زندگی میں کون، کون سی چیزوں پر سختی سے عمل درآمد کرنا ہے اور کس چیز سے نحوست یا بدشگونی کے امکانات ہیں، یہ فیصلے بھی کشور بیگم ہی کرتیں۔ زمانہ اس قدر ترقی کر گیا تھا...... وقت کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ بچے بڑے ہو گئے تھے۔ زیرک نے پڑھائی کے بعد جاب کر لی تھی۔ راحمہ اور سامیہ کالج میں آ گئی تھیں۔ شفیق میاں دوبارہ کراچی آن بسے تھے۔ شفیق میاں کے ارقم کے بعد ایک اور بیٹا صائم بھی تھا، ارقم نے ایم بی اے کر لیا تھا اور بہت اچھی جاب کر رہا تھا۔ شفیق میاں کی فیملی مالی لحاظ سے عزیز سے مستحکم تھی۔ لیکن اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی کشور بیگم کے توہمات اور شکوک و شبہات نہ صرف اپنی جگہ موجود تھے بلکہ وقت کے ساتھ، ساتھ ان میں شدت پسندی آ گئی تھی۔ کچن کا بیشتر کام آج بھی وہ خود ہی کرتیں، عمر کے ساتھ، ساتھ گھٹنوں کی تکلیف بڑھی تو عزیز میاں سے کہہ کر ایک چولہا کچن میں نیچے لگوا لیا اور بیٹھ کر پکانے لگیں۔

"اے لڑکی کتنی بار کہا ہے جب میں باورچی خانے میں کچھ تل رہی ہوتی ہوں تو یوں میرے سر پر آ کر مت کھڑی ہو جایا کرو، دگنا تیل خرچ ہو جاتا ہے۔" کڑی پکوڑا کے لیے پکوڑے تل رہی تھیں کہ کسی کام سے سامیہ کچن میں آئی تو کشور بیگم نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ کر کہا، ایسی باتیں اپنے بچپن سے بچے سنتے چلے آ رہے تھے۔ سامیہ جز بز ہو گئی۔

"دو وقت ملنے کے وقت چھت پر کیوں گئے تھے تم، پتا بھی ہے کہ اس وقت پریاں آسمان سے اترتی ہیں۔" جوان بیٹے کو کسی کے بھی سامنے ٹوک دیتیں۔

"اچھا ہے ناں اماں اپرستان کی کوئی پری مجھ پر عاشق ہو جائے تو ہمارے دن بدل جائیں گے۔" زیرک بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کرتا۔

"ہائے، اللہ نہ کرے کیسی بدفال نکال رہے ہو۔

میری اماں بتاتی ہیں ان کے کسی رشتے دار پر ایسے ہی پری عاشق ہوگئی تھی اور......ان کو لے کر غائب ہوگئی تھی آج تک وہ لاپتا ہیں۔ خبردار جو آئندہ اس وقت چھت پر گئے۔'' اب ان کو کیسے سمجھاتے کہ گرمیوں کی شامیں بیشتر لوگ چھت پر ہی گزارتے ہیں۔

کبھی اچانک ہی چپل کھینچ کر صحن میں دری پر بیٹھ کر پڑھتی ہوئی راحمہ کے پیر پر دے مارتیں کہ راحمہ بلبلا جاتی۔ ''کیا ہوگیا اماں؟'' متاثرہ پیر کو سہلاتے ہوئے خونخوار نظروں سے گھورتی اماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھتی۔

''نحوست پھیلا رہی ہو پیر پر پیر دھرے بیٹھی ہو۔'' دانت پیس کر جواب آتا۔

''عزیز میاں تم بھی کسی بچے سے کم نہیں ہو قسم سے پچھلے تیس سال سے یہی بات سمجھا سمجھا کر تھک گئی کہ چپل الٹی مت رکھو مگر تمہارے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ اولاد بھی تم پر ہی گئی ہے۔'' کبھی اگر غلطی سے عزیز میاں کی چپل الٹی نظر آتی تو ان کی بھی کلاس ہو جاتی۔ وہ بیچارے کھسیانی ہنسی ہنس دیتے۔

''رات میں جھاڑو لگانے سے گھر میں ہی جھاڑو پھر جائے گی، تنگی و مفلسی آجاتی ہے.....گھر سے باہر نکلتے وقت پیچھے سے آواز نہیں دینا......'' کبھی، کبھی کسی بھی بات پر عزیز میاں، بیگم کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔

''نیک بخت! ایسے توہمات نہیں پالتے۔ سارا کچھ اللہ پاک کی مرضی سے ہوتا ہے، یہ سب نصیبوں کے کھیل ہیں۔'' شوہر کی بات پر کشور بیگم کو پتنگے لگ جاتے۔

''واہ میاں جی! یہ بھی خوب کہی۔ یعنی ہمارے بڑے، ہمارے اجداد پاگل تھے جو ہمیں یہ سب باتیں بتا کر منوں مٹی نیچے جا کر سو گئے، تم مانو یا نہ مانو، میں تو مرتے دم تک اپنے بڑوں کے کہے کی لاج رکھوں گی، آئی سمجھ!'' کشور بیگم شوہر کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لیتیں۔ عزیز میاں کو بحث کی عادت نہیں تھی وہ سر جھکا کر رہ جاتے......ان کی حیثیت رفتہ، رفتہ گھر میں کم سے کم ہوتی چلی گئی۔

کشور بیگم کی فطرت کی وجہ سے شفیق میاں وغیرہ بھی کم، کم آتے تھے۔ ارقم کو چچا سے خاص انسیت اور زیرک سے اچھی دوستی تھی اس وجہ سے وہ اکثر و بیشتر چکر لگا لیا کرتا۔

یونہی آتے جاتے نہ جانے کب اور کیسے ارقم اور راحمہ غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بن گئے۔ اس بات کی خبر سامیہ کو تھی اور وہ بہت خوش تھی کیونکہ ارقم بھائی اسے بھی بہت اچھے لگتے اور ارقم بھی سامیہ کو بالکل چھوٹی بہن کی طرح سمجھتا تھا۔

''آپا! ارقم بھائی سے کہو ناں کہ وہ تائی امی اور تایا ابا کو لے کر ہمارے گھر آجائیں باقاعدہ رشتہ لے کر، بڑا مزہ آئے گا۔'' اس روز رات کو دونوں بہنیں سونے کے لیے لیٹیں تو سامیہ نے کہا۔ راحمہ کے لبوں پر میٹھی مسکان پھیل گئی۔

''ارقم نے تائی امی سے بات کرلی ہے، بس میرے پیپرز ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''واہ بھئی! ہماری ناک کے نیچے سب کچھ چل رہا ہے اور بات کافی آگے تک چل پڑی ہے۔'' سامیہ نے شرارتی لہجے میں کہا تو راحمہ مسکرا دی۔

اسی دوران محلے کی ایک خاتون نے کسی شادی میں راحمہ کو پسند کرلیا اور اچانک اپنے بھتیجے کے لیے راحمہ کا پروپوزل لے آئیں۔

راحمہ بری طرح گھبرا گئی۔ اتفاق سے ارقم اور شفیق کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھے۔ رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تو قسمت سے لڑکے کو دیکھنے اور فائنل کرنے کا مرحلہ شفیق میاں اور شہناز کی رضامندی کے بعد طے ہوا۔ اور راحمہ کی جان میں جان آگئی۔

شفیق میاں اور ارقم کی واپسی کی اطلاع ملی تو عزیز میاں نے ان سے راحمہ کے رشتے کے حوالے سے بات کی......ابھی گھنٹا بھی نہ گزرا ہوگا کہ......شفیق میاں اور شہناز بھاگم بھاگ دوڑے چلے آئے۔

''عزیز میاں! شروع سے ہی میرا اور تمہاری

بھاوج کا ارادہ تھا راحمہ اور سامیہ دونوں ہمارے گھر کی بہویں بنیں، بس اسی لیے چپ تھے کہ ارقم کی اچھی جاب ہو جائے اور...... راحمہ اپنی پڑھائی مکمل کر لے تو باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے۔ اب ایسی صورت حال بن گئی ہے کہ ہمیں ارجنٹلی یہ نیک کام کرنا پڑ گیا۔ سامیہ تو ابھی چھوٹی ہے، فی الحال راحمہ اور ارقم کی بات طے کر لیتے ہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی اگر...... گھر کی بچیاں گھر میں ہی رہیں۔''

''بالکل کشور، گھر کی بچیاں بھی گھر میں رہیں گی۔ ارقم کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو، ماشاء اللہ جاب بھی اچھی ہے۔ ان شاء اللہ ہمارے بچے بہت خوش و آباد رہیں گے...... ہمیں یقین ہے کہ تم لوگوں کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' شفیق میاں نے دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے بات ختم کی تو شہناز بیگم نے بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے دیورانی کا ہاتھ تھام کر پُر یقین لہجے میں کہا۔ دونوں میاں بیوی کی نظریں عزیز میاں اور کشور بیگم کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔ بھائی، بھاوج کی بات پر عزیز میاں کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ دوسرے لمحے انہوں نے کشور بیگم پر نظر ڈالی...... کشور بیگم کے چہرے پر عجیب سی ناگواری تھی۔ جیسے ان کو جیٹھ جیٹھانی کی بات بالکل اچھی نہیں لگی۔

''بھائی! بالکل یہ تو بہت اچھی بات ہوگی......''

عزیز میاں کے لبوں سے بے ساختہ نکلا...... دوسرے ہی لمحے انہوں نے بیگم کی جانب دیکھا...... اور ٹھٹک گئے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ بچی کے رشتے کے معاملے میں اتنے اتاؤلے نہیں ہو جاتے۔ سو بکھیڑے ہوتے ہیں۔ یوں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمائی جاتی...... اور شہناز بھابی، شفیق بھائی رشتے داری اپنی جگہ...... اور رشتہ بنانے کے اصول و طور طریقے اپنی جگہ...... ہم سوچ کر جواب دیں گے۔'' کشور بیگم نے پہلے شوہر اور پھر جیٹھ جیٹھانی کو دیکھتے ہوئے سرد مہری سے کہا تو عزیز میاں نے خجل ہو کر پہلو بدلا۔

''ہاں، ہاں کشور...... ہمیں بھی جلدی نہیں ہے، تم لوگ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔'' شہناز بیگم کو اندازہ تھا کہ کشور بیگم فوری ہاں تو کریں گی نہیں...... اسی لیے مسکراتے ہوئے اور عزیز میاں کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپا! تایا ابا نے بات چھیڑ دی ہے۔'' اِدھر بات شروع ہوئی اُدھر سامیہ دوڑ کر راحمہ کو بتانے چلی گئی۔

''پھر؟ اماں، ابا نے کیا کہا؟'' راحمہ نے بے تحاشا دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا۔

''مجھے کیا پتا! میں وہاں سے بھاگی، اماں نے مجھے گھور کر دیکھا جیسے میں کوئی ننھی بچی ہوں۔'' سامیہ نے بچوں کی طرح منہ بسورا تو راحمہ کو ہنسی آگئی۔

کچھ دیر بیٹھ کر شفیق میاں اور شہناز واپس لوٹ گئے۔ جاتے سے شہناز نے راحمہ کے ماتھے پر پیار کیا تو راحمہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔

''عزیز میاں بنا سوچے سمجھے بدھوں کی طرح خوش مت ہو جایا کرو، ہر جگہ رشتے داریاں اہم نہیں ہوتیں، تم تو خوشی کے مارے ایسے اچھلے جیسے کسی نے تمہیں پن چبھو دی ہو۔''

ابھی وہ دونوں گھر سے نکلے ہی تھے، سب لوگ صحن میں ہی کھڑے تھے کہ دروازہ ایک جھٹکے سے بند کر کے کشور بیگم نے پلٹ کر شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔ عزیز میاں کے ساتھ راحمہ اور سامیہ نے بھی چونک کر دیکھا۔

''کیا مطلب کشور بیگم؟ کیا تمہیں اس رشتے پُر اعتراض ہے؟ دیکھا بھالا، شریف اور سب سے بڑی بات یہ کہ خاندان کا بچہ ہے۔'' عزیز میاں نے قدرے حیرانی سے سوال کیا۔

''یہی تو مسئلہ ہے کہ وہ خاندان کا ہے...... اور میں خاندان میں کسی صورت رشتہ نہیں کروں گی۔'' کشور بیگم نے اٹل لہجے میں کہا تو عزیز میاں کے ساتھ راحمہ، سامیہ نے آنکھیں پھاڑ کر ان کو دیکھا، راحمہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''کیا ہوا اماں؟ آپ ایسے کیوں کہہ رہی ہیں؟ ارقم بھائی تو بہت اچھے ہیں۔'' راحمہ کے دھواں،

دھواں چہرے کو دیکھ کر سامیہ جلدی سے بول پڑی۔

”اس کی اچھائی سے کب انکار کیا ہے میں نے...... لیکن خونی رشتوں میں شادیاں کرنے سے اولادوں میں عجیب وغریب بیماریاں ہوتی ہیں، اکثر بچے ذہنی معذور پیدا ہوتے ہیں...... میں جانتے بوجھتے اپنی اولاد کو کسی آزمائش میں نہیں ڈال سکتی، دل تو چاہا تھا کہ شفیق بھائی کو اسی وقت منع کر دوں لیکن...... چپ رہی کیونکہ تمہارے ابا تو اتنے خوش تھے، ان کا بس چلتا تو اسی وقت بھنگڑے ڈالنا شروع کر دیتے۔“ انہوں نے بات ختم کی تو عزیز میاں نے اپنے سر ہاتھ مارا۔

”کشور بیگم، ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ اب جدید ریسرچ اور دوائیں آ گئی ہیں، شاذ ونادر ایک آدھ کیس ہی ہوتا ہے اب تو بعض اوقات غیروں میں شادیوں سے بھی ذہنی معذور بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔“ عزیز میاں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”اور وہ ایک، آدھا کیس ہماری بچی کا ہو جائے تو؟“ تنک کر جواب آیا۔

”اللہ نہ کرے۔“ سامیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا...... راحمہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔

”کشور بیگم! سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ بہتر کرنے والا ہے، اس رشتے میں ہمارے بچوں کی مرضی اور خوشی بھی شامل ہے۔“ ایک باپ ہو کر انہوں نے بیٹی کی آنکھوں میں وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا، اور ایک ماں ہو کر بھی کشور بیگم اس حقیقت سے بے خبر تھیں۔

”اول تو ایسا کچھ نہیں ہے، مان بھی لو کہ ایسا ہے...... تب بھی...... کم از کم میں جان بوجھ کر ایسی بیوقوفی نہیں کر سکتی، تمہیں یاد نہیں نور جہاں خالہ کی بہو ان کی بھتیجی تھی اس کا بیٹا ایب نارمل، رضیہ آپا کی نند کی بیٹی بھی چچا کے گھر گئی تھی اس کو ذہنی معذور بیٹی پیدا ہوئی اور اب وہ بچی سولہ سال کی ہو گئی۔ نانی کے پڑوس میں نیلی آنکھوں والی عورت رہتی تھی۔ وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ شوہر بیچارہ غم سے پاگل ہو گیا تھا۔“ نہ جانے کس، کس زمانے کی مثالیں دیں۔

”حیرت تو یہ ہے عزیز میاں کہ تم کیسے باپ ہو کہ اپنے بھائی، بھاوج کی زبان کا پاس رکھنے کے لیے اپنی بیٹیوں کی زندگی عذاب بنانے کے لیے تیار ہو، اگر تم میں ہمت نہیں ہے تو...... میں خود شہناز بھابی سے بات کر کے انکار کر دوں گی۔“ مغرب کی اذان شروع ہوئی تو کشور بیگم نے دور پرے کی منفی مثالیں دیتے ہوئے اپنا حتمی فیصلہ سنایا اور غسل خانے کا رخ کیا۔ عزیز میاں تاسف سے ان کی پیٹھ دیکھتے ہوئے باہر کے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

پھر راحمہ کی سوجی ہوئی آنکھیں، سامیہ کی منتیں اور زریک کی حمایت بھی کشور بیگم کی ”نہ“ کو ”ہاں“ میں نہیں بدل سکی اور...... نتیجتاً شفیق اور شہناز بیگم دیور، دیورانی سے ناراض ہو گئے۔ عزیز میاں کو سب سے بڑا یہی قلق تھا...... رشتے داری کے نام پر ایک بھائی ہی تو تھے، وہ بھی کشور بیگم کی بے تکی منطق کی وجہ سے رشتہ ختم کر بیٹھے تھے...... ارقم اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ سعودی عرب چلا گیا۔ ایک واحد کشور بیگم تھیں جن کے اوپر یہ منفی حالات اثر انداز نہیں ہوئے تھے۔

کچھ عرصے سب مضمحل رہے پھر۔ زندگی اپنے معمول پر آ گئی۔ راحمہ کے ایگزام ختم ہوئے تو اس کا رشتہ عادل کے ساتھ طے ہو گیا۔ اور جلد ہی راحمہ رخصت ہو کر سسرال چلی گئی۔ عادل اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، ایک چھوٹی شادی شدہ بہن تھی۔ راحمہ اپنی سسرال میں خوش تھی۔ اور راحمہ کو خوش دیکھ کر...... کشور بیگم اپنے فیصلے کو گردن اکڑائے وقتاً فوقتاً بہترین اور درست قرار دیتیں۔ تین ماہ بعد ہی راحمہ امید سے ہو گئی۔

راحمہ اور سامیہ کی خواہش تھی کہ اب زریک کی شادی کر دی جائے۔ اسی عرصے میں راحمہ نئے امتحان سے گزری پری میچور ڈلیوری سے قبل جس بات کی وجہ سے ڈاکٹرز مخمصے میں تھے وہ...... درست نکلی۔

”مسٹر عادل...... ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑ

رہا ہے کہ.....آپ کی بیٹی ایب نارمل ہے، اس کی حالت بھی ٹھیک نہیں، وہ پری میچور ہے۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں، آپ لوگ دعا کریں۔'' الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو کاریڈور میں بیٹھے تمام لوگوں کے کانوں میں اتارا گیا تھا۔

''ہائے اللہ، یہ کیا ہو گیا؟'' کشور بیگم نے سینے پر ہاتھ مارا۔ راحمہ کی ساس، سسر، نند، عادل کے ساتھ عزیز میاں بھی بھونچکا رہ گئے۔

''یا اللہ رحم کر دے میرے مالک۔'' ساس رو پڑیں۔

''بہن حوصلہ رکھیں، راحمہ تو ٹھیک ہے ناں ڈاکٹر؟'' کشور بیگم نے سمدھن کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈاکٹر سے سوال کیا۔

''دعا کریں۔'' عجلت میں کہتے ہوئے ڈاکٹر ایک بار پھر او ٹی کی جانب بھاگیں۔

عادل سر پکڑ کر بینچ پر آ بیٹھا۔ شمیم بیگم باقاعدہ روتے ہوئے جائے نماز پر جا بیٹھیں۔ کشور بیگم نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ سسر اور عزیز میاں بے چین و پریشان تھے۔ سارے انتظار کی سولی پر لٹکے ہوئے تھے.....کوئی گھنٹے بعد ڈاکٹر باہر آئی اور..... سب اس کی جانب لپکے۔

''آئی ایم سوری مسٹر عادل...... بے بی سروائیو نہیں کر پائی...... مدر ٹھیک ہیں، ان کو ابھی وارڈ میں شفٹ کرتے ہیں۔''

نو ماہ تکلیف میں گزار کے، اذیت اور درد کی شدتوں سے گزرنے کے بعد بھی خالی ہاتھ رہ جانے کا دکھ بہت جان لیوا اور ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے لیکن...... اس تکلیف اور روح پر لگنے والے گھاؤ کو وقت کا مرہم دھیرے، دھیرے۔ مندمل کر دیتا ہے۔

''آپا! بے شک آپ کا دکھ بہت بڑا ہے لیکن...... اس میں بھی اللہ پاک کی بہتری ہو گی۔ ایب نارمل بچے کو سنبھالنا بہت تکلیف دہ اور مشکل ہوتا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اب اللہ پاک آپ کو مکمل اور صحت مند اولاد دے گا۔'' سامیہ اپنے طور سے اسے تسلی دیتی۔

وقت دو سال آگے سرکا۔ راحمہ نے ایک بات محسوس کی تھی کہ ایب نارمل بچے کی پیدائش کے بعد اس کی ساس وقتاً فوقتاً یہ احساس دلاتیں کہ ''ہماری نسلوں میں ایسا بچہ پیدا نہیں ہوا۔'' کبھی راحمہ سے سوال کرتیں کہ...... ''تمہارے خاندان میں ایسے بچے ہوتے ہیں کیا؟'' راحمہ گھبرا کر فوراً نفی میں سر ہلاتی۔ ''پھر؟ تمہیں ایسا بچہ کیوں ہوا؟'' عجیب اور بے تکے سوال پر راحمہ گڑبڑا جاتی۔ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ایسا بچہ پیدا کرنے میں سارا قصور اسی کا ہے۔

''لو بھئی! پہلی بیٹی ایب نارمل تھی۔ اس لیے تو جھٹ پٹ ہو گئی۔ اب...... دو سال ہونے کو آرہے ہیں اور...... دوسرے کا اتا پتا ہی نہیں۔ اللہ رحم کرے میرے بچے پر۔''

کسی بھی جاننے والے کے اشاروں کنایوں کے جواب میں شمیم بیگم کچن میں کھڑی راحمہ کو سنانے کے لیے ٹھنڈی آہ بھر کر کہتیں...... راحمہ دل مسوس کے رہ جاتی۔ عادل بھی کبھی، کبھی باتوں، باتوں میں کوئی دل جلا جملہ اچھال دیتا...... راحمہ حیران رہ جاتی۔ عجیب قماش کے بے صبرے لوگ تھے۔

راحمہ میکے آتی تو کسی پر ساس اور میاں کا رویہ ظاہر نہیں کرتی۔ سامیہ نے گریجویشن کر لیا تو کشور بیگم کے کہنے پر جمیلہ خالہ سامیہ کے لیے اعظم کا رشتہ لے آئیں۔ اعظم سرکاری نوکری کرتا تھا۔ پڑھا لکھا اور اسمارٹ نوجوان تھا جو اپنے بوڑھے والدین اور ایک بہن کے ساتھ رہتا تھا۔ سامیہ کا رشتہ طے ہو گیا اور...... کشور بیگم کا خیال تھا کہ زیرک کے لیے بھی لڑکی پسند کر لیں تو دونوں بہن بھائی کی شادی ساتھ کر دیں۔ زیرک نے بتایا کہ اس کے آفس میں اقصیٰ نامی لڑکی ہے اور...... وہ اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

اتفاق سے رشتے لگانے والی جمیلہ خالہ، اقصیٰ کی فیملی سے واقف تھیں۔ اماں نے پہلے تو جمیلہ سے لڑکی کے چال چلن اور فیملی کے حوالے سے معلومات حاصل کیں

اور...... ہر طرح کے اطمینان کے بعد اسی سلسلے میں آج اقصیٰ کو دیکھنے جانا تھا لیکن...... عین وقت پر منحوس ماری کالی بلی نے راستہ کاٹ لیا اور سدا کی توہم پرست کشور بیگم نے اس کو بدشگونی کہہ کر جانا ہی ترک کر دیا۔

''کیا ہوا، تم لوگ گئے نہیں؟'' زیرک شام کو لوٹا تو تینوں خواتین کو گھر میں دیکھ کر سامیہ سے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، کالی بلی نے ہمارا راستہ کاٹ لیا تھا۔ میری اماں کہتی تھیں۔ کالی بلی اگر راستہ کاٹ لے تو چاہے کتنا بھی ضروری کام ہو۔ وہ چھوڑ دینا چاہیے۔'' کشور بیگم نے سامیہ کے جواب دینے سے پہلے وضاحت دی۔

''ارے اماں، یہ کیا بات ہوئی؟ اس نے آج خاص طور پر آفس سے شارٹ لیو لی تھی۔ پھر کب جائیں گی؟'' زیرک کا دماغ گھوم گیا لیکن...... اس نے عام لہجے میں سوال کیا۔

''اب اس لڑکی کے گھر نہیں جانا ہمیں۔ کمی نہیں لڑکیوں کی، جن کے کاموں میں رخنہ پڑے وہ...... لڑکیاں رشتے کاٹنے والی ہوتی ہیں۔ میں تو خوش ہوں کہ اللہ نے ہمیں فتنے سے بچالیا۔'' کشور بیگم کی منطق ہی نرالی تھی۔

''اماں پلیز! نکل جائیں ان فرسودہ توہمات سے، ایسا کچھ نہیں ہوتا۔'' زیرک نے جھنجلا کر کہا۔

''میرا بچہ، اچھی لڑکیاں مر نہیں گئیں۔ ان شاءاللہ .... جلد ہی بہت اچھی لڑکی مل جائے گی ہمیں۔ میں جان بوجھ کر اپنے گھر کو برباد نہیں کرسکتی۔ اکلوتے بیٹے ہو ہمارے۔ تم بدل گئے تو...... ہم بڈھا، بڑھیا تو جیتے جی مر جائیں گے، کوئی اور سہارا تو ہے، ہم ایدھی سینٹر میں مرنا نہیں چاہتے۔'' کشور بیگم نے بھل، بھل روتے ہوئے اپنا آخری حربہ استعمال کیا۔

''اللہ نہ کرے اماں، کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ اماں، آپ کچھ بھی کہیں...... مجھے صرف اقصیٰ پسند ہے اور اس کے علاوہ میں کسی اور لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا۔'' زیرک نے اٹل لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ فی الحال اماں کو راضی کرنا ناممکن ہے۔ ان کا بی پی شوٹ ہو جاتا تو لینے کے دینے پڑ جاتے۔

زیرک کی عدم توجہی کے باوجود لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ کسی لڑکی کی آنکھیں شکاری اور مکار لگتیں تو کسی لڑکی کی پیشانی تنگ جس کا مطلب لڑکی شریف زادی نہیں۔ کسی کے پیر ٹیڑھے لگتے کہ بقول کشور بیگم کے اس پر آسیب یا جنات کا سایہ ہے، ہمارے گھر کو برباد کر دے گی، کسی کی اماں چلتر اور آوارہ دکھائی دیتی، تو کوئی لڑکی مرد مار نظر آتی...... جمیلہ بھی لڑکیاں دکھا دکھا کر تنگ آ گئی اور اب رشتہ دکھانے کے لیے وہ بھی بہانے بازیاں کرنے لگی تھی۔ کشور بیگم خود بھی ٹھنڈی پڑ گئی تھیں کیونکہ اسی دوران سب کی دعاؤں سے اللہ نے ایک بار پھر راحمہ کو ماں بننے کی خوشخبری دے دی۔ لیکن ایک بار پھر...... ڈاکٹرز ابتدائی ٹیسٹ اور الٹرا ساؤنڈ کے بعد بے بی کی کنڈیشن سے مطمئن نہیں تھے۔

''ک...... کیا...... کیا مطلب ڈاکٹر؟''

''کیا ہمارا بے بی اس بار پھر نارمل نہیں؟'' راحمہ نے اپنا دل تھام لیا۔

''ابھی کنفرم نہیں ہے لیکن...... ہوسکتا ہے بے بی کا سر نارمل نہ ہو۔ نیکسٹ ٹیسٹ میں کنفرم ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر کی بات پر...... راحمہ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے عادل کی جانب دیکھا...... اس کے چہرے پر بھی کرب نمایاں تھا۔

''راحمہ، ٹینشن مت لو۔ ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔'' عادل نے راحمہ کے ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

''عادل، یہ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کیا تماشے ہو رہے ہیں؟'' عادل کی والدہ یہ خبر سن کر غصے سے بولیں۔

''اماں! ابھی کنفرم نہیں ہے اگلے ماہ صحیح سے پتا چلے گا۔ اللہ پاک بہتر کرے گا، آپ پریشان نہ ہوں بس دعا کیجیے۔'' عادل کو والدہ کا ردِعمل برا لگا تھا...... اس کے باوجود اس نے نرمی سے کہا۔

''میرا تو دل ہول رہا ہے۔ نہ جانے یہ کیا ہو رہا ہے ہمارے ساتھ؟ کیسی نحوست لگ گئی ہمارے گھر میں۔'' ان کا لہجہ بدستور کاٹ دار تھا۔

عادل خاموشی سے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں سسرال والے شاکی تھے وہیں راحمہ کے میکے میں بھی راحمہ کے بے بی کے حوالے سے ٹینشن تھی۔ زیرک کے لیے لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ بھی فی الحال رک گیا تھا۔

قدرت کو نہ جانے کیا منظور تھا کہ ڈاکٹرز کے مطابق راحمہ کا دوسرا بے بی بھی مکمل طور پر ایب نارمل تھا۔ راحمہ یہ سن کر شاکڈ ہو گئی تھی۔ یہ کیسی آزمائش تھی؟ رو، رو کر اس کا برا حال تھا۔ کچھ تو عادل کا بھی موڈ خراب ہوا تھا لیکن...... موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے اصل بات شمیم بیگم کو نہیں بتائی گئی تھی بلکہ ڈلیوری تک ان کو ففٹی، ففٹی چانس کا بتایا گیا تھا۔ راحمہ نے پورے نو مہینے کسی معجزے کی دعائیں کرتے گزارے، رو، رو کر ماتھا رگڑ، رگڑ کر اپنے لیے بہتری کی دعائیں مانگیں۔ لیکن...... اس کی تڑپ کو اس کی بے قراریوں کو قرار نہ مل سکا اور...... ایک بار پھر درد اور اذیت کے لمبے اور تھکا دینے والے سفر کے بعد...... راحمہ ایک مردہ ایب نارمل بچے کی ماں بن گئی۔

''غضب خدا کا عادل! یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تیرے نصیب میں نارمل بچہ نہیں؟ میری گود اپنے پوتے کو ترستی رہے گی، ہمارے آنگن میں کبھی بچے کی قلقاریاں نہیں گونجیں گی؟ ننھے، ننھے قدموں کی چاپ کبھی نہیں ابھرے گی؟'' شمیم بیگم اسپتال کے کاریڈور میں ہی چیخ و پکار مچا رہی تھیں۔

''کمال کرتی ہو...... کیسی عورت ہو تم؟ ذرا سا احساس نہیں کہ اندر جو عورت پڑی ہے، وہ ایک ماں بھی ہے۔ اس ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی، کم از کم انسانیت کے ناتے اس کا تو خیال کر لو۔'' کشور بیگم کو بھی تاؤ آ گیا تھا۔ اسی لیے سمدھن کو کھری، کھری سنا دیں۔

''اے بی بی! مجھے رشتوں کی نزاکت سمجھانے کی ضرورت نہیں، تم پر بار، بار ایسا وقت آتا تو تم کو اس اذیت کا اندازہ ہوتا۔ نہ جانے کیسی پچھل پیری کو ہمارے متھے مار دیا۔ اگر اندر...... کوئی ماں پڑی ہے تو...... میں بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی ماں ہوں، میرا بھی کلیجا پھٹ رہا ہے...... یہاں میری نسل ختم ہو رہی ہے، اور اب بھی میں...... اس کے صدقے اتاروں جو بار، بار ہمیں آزمائش میں ڈال رہی ہے۔ نہ جانے کیسے اثرات کا سایہ ہے اس پر۔ منحوس لڑکی ہے جس کی کوکھ پر ہی آسیب لگتا ہے، تب ہی ہماری نسل کو ختم کر رہی ہے۔ ارے جونک ہے یہ تو جونک۔'' شمیم بیگم غصے میں آپے سے باہر ہو رہی تھیں۔

''شمیم...! کچھ خیال کرو۔ اسپتال ہے یہ۔''

''کشور۔ خاموش ہو جاؤ۔ یہ لڑنے کا وقت نہیں ہے۔''

پہلے راحمہ کے سسر پھر عزیز میاں نے اپنی، اپنی بیویوں کو موقع محل کا احساس دلایا۔

''ارے کیا خاموش ہو جاؤں۔ دیکھ نہیں رہے کیا، کیا اول فول بک رہی ہے یہ عورت، ہمارے منہ پر ہماری بیٹی پر کیسے، کیسے گھٹیا الزام لگا رہی ہے۔''

''ہاں، ہاں...... کہوں گی اور ڈنکے کی چوٹ پر کہوں گی۔ ہماری نسلوں میں آج تک ایسی اولادیں نہیں ہوئیں۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا ہے، مجھے ہمارا وارث چاہیے۔ یہ تو کسی قابل نہیں۔ میں اپنے بیٹے کی دوسری شادی کروں گی، عادل...... اگر اس لڑکی کو گھر لے جاؤ گے تو...... میں اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔'' شمیم کی آواز شدتِ جذبات سے کانپ رہی تھی۔

''شمیم ہوش کرو۔ کیسی فضول بات کر رہی ہو؟'' رزاق صاحب نے آگے بڑھ کر بیگم کو کاندھے سے پکڑ کر دوسری جانب دھکیلا۔

''ابا...... پلیز آپ۔ اماں کو لے کر ابھی گھر جائیں۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' پورے ہنگامے میں عادل نے پہلی بار منہ کھولا تھا۔ رزاق صاحب نے بھی یہی بہتر سمجھا اور...... بیگم کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

''عجیب، جھکی اور بدتمیز عورت ہے، کچھ دیر رک

جاتی تو...... میں اس کا دماغ درست کر دیتی، غضب خدا کا...... بچی اپنی جان سے جا رہی ہے اور اس کو...... اپنے وارث کی پڑی ہے۔'' ان کے جاتے ہی کشور بیگم نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

راحمہ کے لیے دوسری بار یہ صدمہ برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ اس کی تکلیف دو چند ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی اس کی ساس، سسر کے ساتھ عادل کے رویے میں خاصا بدلاؤ آ چکا ہے۔ جیسے سارا قصور راحمہ کا ہی ہو۔ وہ بالکل چپ ہوگئی تھی۔

تین دن راحمہ کے ساتھ کشور بیگم اسپتال میں رہیں...... اس دوران نسیم بیگم دوبارہ اسپتال نہیں آئیں۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت راحمہ اسپتال سے میکے آگئی تھی۔

عادل مصروفیت اور کام کا بہانہ کر کے سوا مہینے کے دوران بس دو، تین بار آیا۔ یہ بے اعتنائی بے سبب نہیں تھی...... ماں کے مسلسل دباؤ کے ساتھ، ساتھ دو بار راحمہ کے ساتھ ہونے والے اس حادثے نے عادل کو بھی راحمہ کی طرف سے بددل اور بدگمان کر دیا تھا اور اس کی ماں رو، رو کر اسے بلیک میل کر رہی تھی۔ عادل بھی انسان تھا۔ ایک ہی بات سنتے، سنتے، ان باتوں پر یقین ہوگیا۔ اس نے بھی اسی میں بہتری سمجھی اور راحمہ کو طلاق کے کاغذات بھیج دیے۔

کشور بیگم آپے سے باہر ہوگئیں۔

''اماں! عادل کو کوئی کچھ نہیں بولے گا، انہوں نے غلط نہیں کیا۔ خدانخواستہ آپ کے گھر یہ سچویشن ہوتی تو...... آپ بھی یہی کرتیں۔ میرے نصیب میں جو تھا، مجھے مل گیا۔'' نہ جانے راحمہ میں اتنی برداشت اور صبر کیسے آگیا تھا۔ سامیہ اس کے دکھ پر سسک پڑی۔ کشور بیگم پلو اٹھا کر بددعائیں دینے لگیں۔

عزیز میاں نے نم آنکھوں سے بیٹی کی جانب دیکھا۔ سانحہ تو ہو چکا تھا۔ شاید راحمہ پہلے سے اس بات کے لیے تیار تھی۔

عدت کا وقت جیسے تیسے گزر گیا۔ اُدھر سامیہ کے

من اکیلا ہے

کبھی تو پوچھو جاناں، ہم سے
زیست کا پل، پل کیسے نم بن
وقت کی صورت ڈھلتا ہے
دن بھر کام کے دھندوں میں
کیسے خود کو رام کریں
شام ہو تو صبح کی خاطر
آنکھیں نہ آرام کریں
روز سحر کیوں، ہجر کا سورج
ماتھے پر سجاتی ہے
تیری یاد کی دھوپ میں ہر پل
مجھ کو یہ جھلساتی ہے
بنجر آنکھیں سوچ رہی ہیں
کل بھی میں ادھورا تھا
آج اس کی ہمراہی میں بھی
کتنا من اکیلا ہے

کلام: ظل شاہین، رحیم یار خان

سسرال والے شادی کی جلدی مچا رہے تھے۔ اِدھر زیرک میاں کی سوئی اقصیٰ پر اٹکی ہوئی تھی...... اور کشور بیگم کی سوئی ''نہ'' سے آگے نہیں بڑھ رہی سو یہی طے پایا کہ...... سامیہ کی شادی کر دی جائے۔

سامیہ کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی۔ راحمہ اور کشور بیگم نے تیاریاں شروع کر دیں۔ اعظم کی خواہش تھی کہ سامیہ اپنی پسند سے بری کے جوڑے لے۔ ارینج میرج میں ایسا کہاں ہوتا ہے۔ جیسا اتاؤلا پن اعظم دکھاتا تھا۔ اس قدر پیار، اس قدر مان دیتے تھے سارے سسرالی، خصوصاً اعظم کی محبت دیکھ کر کشور بیگم کے کالر کھڑے ہو جاتے۔

''دیکھا سامیہ، میرا فیصلہ کتنا اچھا تھا ناں۔ اللہ پاک نے تمہیں کتنا اچھا اور محبت کرنے والا انسان دیا ہے۔''

''واقعی سامیہ، اللہ پاک تمہیں نظرِ بد سے بچائے۔'' راحمہ بھی محبت بھرے لہجے میں کہتی تو سامیہ زیرِ لب مسکراتی۔

سامیہ کے سسرال میں ایک، ایک چیز اس کی پسند سے لی گئی۔ کمرے کے پینٹ کلر سے لے کر پردے اور کارپٹ بھی سامیہ نے پسند کیے۔
شادی قریب آگئی تھی۔ بارات سے ایک ہفتہ پہلے نکاح کی رسم ہونی تھی۔ بینکوئٹ، بارات کے کھانے کا آرڈر مع ایڈوانس رقم کے فائنل ہو چکا تھا۔ فرنیچر مکمل تیار تھا، بیوٹی پارلر، فوٹو گرافی اور ویڈیو سب کی بکنگ ہو چکی تھی۔
نکاح میں کچھ دور پرے کے رشتے دار اور محلے کے کچھ لوگ شامل تھے۔ مقررہ وقت تک سارے انتظام ہو چکے تھے، سامیہ اور راحمہ بیوٹی پارلر جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔
''ارے بھئی کشور بیگم ذرا سمیعہ نے فون کر کے کہہ دو کہ...... قاضی کا انتظام ہم نے کر لیا ہے۔'' عزیز میاں نے کمرے میں داخل ہو کر بیگم سے کہا۔ تو کشور بیگم ... سامیہ کے کمرے میں آئیں۔
''سامیہ......! کال کر کے اعظم سے کہہ دو کہ قاضی ہمارا ہوگا۔''
''اماں، میری کل سے اعظم سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ کب سے ٹرائی کر رہی ہوں ان کا سیل بند ہے، ابا سے کہیں، ان کے ابا کو کال کریں۔'' سامیہ خود پریشان تھی۔
''اچھا......ا......ا......! میں دیکھتی ہوں، کہتی ہوں تمہارے ابا سے۔'' کشور بیگم کا دل گھبرا رہا تھا۔
سامیہ کا دل بڑی زور سے دھڑ کا تھا۔ ایک ایک پل کی خبر دینے والے اعظم کا یوں اچانک خاموش ہو جانا بلکہ کال ریسیو نہ کرنا...... کسی انہونی کا اشارہ تھا......
راحمہ، عزیز میاں اور زیرک بھی بے حد پریشان تھے۔ عجیب سی بے چینی اور اضطراب رگ و پے میں اتر گیا تھا۔ کہیں سے بھی، کسی سے بھی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔
اچانک...... عزیز میاں کا موبائل بج اٹھا...... اسکرین پر اعظم کا نمبر نمایاں تھا، عزیز میاں نے لپک کر ریسیو کیا۔
''کہاں ہو برخوردار؟ کب سے کال کر رہے ہیں، کوئی بھی ریسیو نہیں کر رہا...... دراصل......''
''سوری......'' ایک ایک لفظ تمام لوگوں پر اور خاص طور پر سامیہ کی سماعتوں میں زہر بن کر اتر رہے تھے۔
''ورنہ...... ورنہ کیا؟ کیسی شرط؟ اور تم...... کیا کرو گے؟ اس وقت یہ سب باتیں کرنے کا مطلب؟'' عزیز میاں کا لہجہ سخت ہونے کے باوجود دل بری طرح دھڑ کا۔
''ہا...... ہا۔ یہی تو وقت ہے انکل...... آج نکاح کے بعد سلامی میں مجھے...... کار چاہیے...... اگر آپ لوگ ارینج کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ...... ہمارا انتظار مت کیجیے گا۔'' کس قدر...... سفاکی سے سب کے کانوں میں اپنے الفاظ کا... زہر اتار کر وہ کال بند کر چکا تھا۔
''یا اللہ...... یہ کیسی آزمائش ہے۔'' عزیز میاں دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر پلنگ پر ٹک گئے۔
''ہائے یہ کیا بکواس کر رہا تھا؟'' کشور بیگم کے لب کانپے۔
''ام...... اماں......'' سامیہ کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر پھیل گئیں۔ کانپتے لبوں سے بمشکل ایک لفظ نکلا۔
راحمہ سن کھڑی تھی۔
''ابا...... فکر مت کریں، خود کو سنبھالیں، میں کچھ کرتا ہوں۔'' زیرک نے آگے بڑھ کر والد کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
''مگر کیسے...... اتنی جلدی کیسے ہوگا؟ ہمارے پاس تو کچھ نہیں بچا۔'' راحمہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔
''نہیں بھائی...... کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں...... میں ایسے دوغلے، منافق اور گھٹیا شخص سے ... شادی نہیں کر سکتی، آج ایک ڈیمانڈ پوری ہوگی تو...... اس کا منہ ہمیشہ کے لیے کھل جائے گا...... آپ کال کر کے صاف انکار کر دیں۔'' یہ سامیہ تھی...... اس کا لہجہ مضبوط، اٹل اور سخت تھا۔
''ہائے، ہائے۔ غضب ہو گیا بہن، مجھے معاف کر دو، مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ لوگ اتنے منافق اور لالچی نکلیں گے۔ انہوں نے میری بھی ناک کٹوا دی۔ وہ بے غیرت لڑکا تو کسی اور امیر لڑکی سے نکاح بھی

ر چکا......اور خواہ مخواہ تم لوگوں سے بھی گاڑی کی شرط
ی ہے......وہ دھوکے باز اور چالباز لوگ ہیں، مجھے
اف کردو، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ اتنے گھٹیا
وں گے۔ میری بھی ناک کٹوادی اور......تم لوگوں
ے لیے بھی بڑی آزمائش کھڑی کردی۔ میں بہت مجبور
وں۔'' جمیلہ روتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی
ر ہاتھ جوڑے کشور بیگم کے پیروں میں آبیٹھی۔

''ہائے۔ یہ کیا......ہوگیا ارے۔ زیرک، عزیز
یاں، کچھ تو کرو۔ ایسا کیسے کرسکتے ہیں وہ ہمارے
اتھ۔ ہائے، ہائے ہم تو لٹ گئے، برباد ہوگئے گھنٹے بھر
یں یہاں مہمان آجائیں گے۔ کیا منہ دکھائیں گے ان کو
م؟ یہ سب کیا ہوگیا ہے؟ پہلے بڑی بیٹی طلاق کا کلنک
لے کر بیٹھی ہے......اوپر سے اب......چھوٹی بیٹی کے
اتھ یہ سب کچھ ہوگیا۔ اللہ پاک ہم نے کون سا گناہ
کردیا کہ اتنی بڑی سزا مل رہی ہے، کیسے ہماری عزت
ڑک پر آگئی؟ ہم......تو برباد ہوگئے......کس، کس کو
جواب دیں گے؟'' کشور بیگم باقاعدہ بین کررہی تھیں۔

''چپ کرو.. بالکل چپ ہوجاؤ۔ کشور بیگم۔
یہ سب تمہاری فضول اور بے تکی سوچ کا اور تمہارے
وہم کا، تمہاری کم عقلی کا نتیجہ ہے.... جو ہمارے بچے
بھگت رہے ہیں......ساری زندگی تم نے اپنی فرسودہ
باتوں اور شکوک وشبہات کے گھن چکر میں ہم سب کو
پھنسایا۔ تم نے ہر بات کو، ہر واقعے کو، کسی بھی اچانک
ہوجانے والی بات کو بدشگونی اور توہم پرستی کے حوالے
سے ہم سب پر مسلط کیا۔ خود کو عقل کل سمجھا اور اپنے ان
بے تکے فیصلوں سے اچھے اور سچے رشتوں کو ٹھکرایا......
تمہاری اسی اندھی اور فضول تقلید کی وجہ سے میرے اور
میرے بھائی کی بیچ برسوں سے دوریاں ہیں۔ تم نے
ہمارے بچوں کی محبت کی قدر نہ کی۔ ارقم کو اس لیے
ریجیکٹ کیا تھا کہ خونی رشتوں میں شادی کرنے سے
معذور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ تو مجھے......یہ بتاؤ کہ
عادل تو غیر تھا......پھر راحمہ کو......؟ کیا تم قدرت کے
فیصلے کو روک پائیں؟ عزیز میاں کا لگتا تھا کلیجا پھٹ
جائے گا۔ تم نے سامیہ کی پسند کو اس لیے ٹھکرایا کہ نیلی
آنکھوں والے لوگ بے وفا ہوتے ہیں۔ دھوکے باز
ہوتے ہیں......اعظم تمہاری پسند تھا......پھر...... اس
نے دھوکا کیوں دیا......؟ اس کی آنکھیں تو بالکل کالی
تھیں۔ بولو......مجھے جواب دو......تم کو تو اپنے فیصلوں
پر نعوذ باللہ یقین تھا اس......پھر......یہ سب الٹا کیسے
ہوگیا؟'' وہ لمحہ بھر کو رکے۔

''ویسے تو ہر معاملے میں پٹر، پٹر زبان چلا کر،
اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر، الٹے سیدھے جواز
بنا کر، کم علمی، بداعتقادی کی مسند پر سوار ہو کر تم نے......
ہمیشہ اپنے فیصلوں کو معتبر سمجھا......تم ایک کم فہم عورت ہو
کشور بیگم......جو آج تک یہ بھی سمجھ نہیں پائی کہ ہم
انسان اپنے رب کے فیصلوں کے محتاج ہیں۔'' آج
عزیز میاں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

زندگی میں پہلی بار عزیز میاں نے بیگم کے سامنے
منہ کھولا......برسوں سے دل میں چھپا ہوا غبار الفاظ
کے تازیانوں کی صورت کشور بیگم کی سماعتوں میں
انڈیلا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی زاروقطار رورہی تھیں۔ ان
کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی دھند ہٹ چکی تھی۔
زیرک، راحمہ اور سامیہ بھی چپ چاپ سن رہے تھے۔
ابا کے منہ سے نکلنے والا ایک، ایک لفظ ان تینوں کی
سوچ کا ترجمان تھا۔

''عزیز میاں، تم بالکل سچ کہہ رہے ہو، میں ہی
جنم جلی، کم بخت عورت تھی جو صحیح اور غلط کا ادراک نہ
کرسکی۔ میری غلطی کی سزا......میری معصوم بچیوں کو مل
رہی ہے......تم سب......مجھے معاف کردو۔ ارے اب
کیا ہوگا۔ ہماری عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔ جب
سب کو پتا چلے گا کہ......بارات نہیں آرہی ہم تو جیتے جی
مرجائیں گے۔''

''نہیں کشور! اللہ نہ کرے۔ تمہاری عزت ہماری
عزت ہے، نکاح بھی ہوگا، ساری رسومات اور شادی
بھی اسی دن اسی تاریخ کو ہوگی۔ بس دولہے بدل
جائیں گے۔ بلکہ ایک نہیں دونوں بیٹیوں کی ایک ساتھ

رخصتی ہوگی، ان شاء اللہ......'' آواز پر سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے شفیق میاں، شہناز بیگم کے ساتھ ارقم اور صائم بھی کھڑے تھے......کشور بیگم ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

''بھابی، بھائی......آپ؟'' بمشکل منہ سے نکلا۔شفیق نے آگے بڑھ کر عزیز میاں کو گلے لگالیا......کشور تیزی سے آگے بڑھیں اور شہناز کو گلے لگالیا۔

''مجھے معاف کردیں بھابی، بھائی۔میں نے بہت بڑی غلطی کی، ہم آپ لوگوں کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔آپ نے ہمیں نئی زندگی دی ہے۔اللہ پاک آپ لوگوں کو اجر دے۔'' کشور بیگم بے تحاشا رو رہی تھیں۔ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ......جیٹھ اور جیٹھانی کے ساتھ ساتھ ارقم اور صائم بھی اتنا بڑا قدم اٹھائیں گے۔

''کشور! یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، وہی صحیح فیصلے کرتا ہے، ہم تو بس وسیلہ بنتے ہیں۔اپنوں کے درمیان چاہے جتنے بھی فاصلے ہوجائیں، جتنی بھی دراڑیں آجائیں۔پھر بھی......ایک نہ ایک دن فاصلے سمٹ ہی جاتے ہیں۔اللہ پاک کو یہی منظور تھا۔بس اللہ پاک ہمارے بچوں کو آباد رکھے۔''

''آمین ثم آمین!'' شہناز بیگم کی بات پر سب یک زبان ہوکر بولے......راحمہ اور سامیہ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے اس اچانک سے ہونے والی سچویشن پر خوشی وحیرت کی ملی جلی کیفیت میں تھیں۔ارقم اور صائم کے چہروں پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔

''ارے بھئی! کشور یہیں کھڑی رہوگی کیا! مٹھائی لاؤ منہ میٹھا نہیں کرواؤ گی۔آخر کو ہم دولھے والے ہیں۔'' شفیق میاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں بھائی۔دولھے والے تو آپ لوگ بعد میں ہیں، پہلے تو میرے ماں، باپ جیسے بھائی، بھاوج ہو۔'' عزیز میاں کی آواز بھرا گئی۔شفیق میاں کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔

''تایا ابا، جب دھند کے بادل چھٹ ہی گئے ہیں۔اچھا موقع ہے، اماں سے میری بھی سفارش کر دیں۔'' مٹھائی کی پلیٹ تھامے زیرک نے تایا کے سامنے اپنی عرضی پیش کی۔

''کیسی سفارش؟'' شفیق میاں کچھ نہیں سمجھے۔

''ارے بھائی، اس کا معاملہ ابھی کھٹائی میں ہے ناں۔'' عزیز میاں نے قہقہہ لگاتے ہوئے کن انکھیوں سے بیگم کی جانب دیکھا۔

''بھائی، آج کی تقریب سے فارغ ہوکر ہم......اقصیٰ کے گھر چلیں گے۔'' کشور بیگم نے کہا۔

''ہُرّا'' زیرک چلایا۔

بات سب کو سمجھ آگئی تھی۔

زندگی ایک دم اتنی حسین ہوگئی تھی۔

''اب ہم چلتے ہیں، شام کو پوری تیاری کے ساتھ آئیں گے نکاح کے لیے۔'' شہناز بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

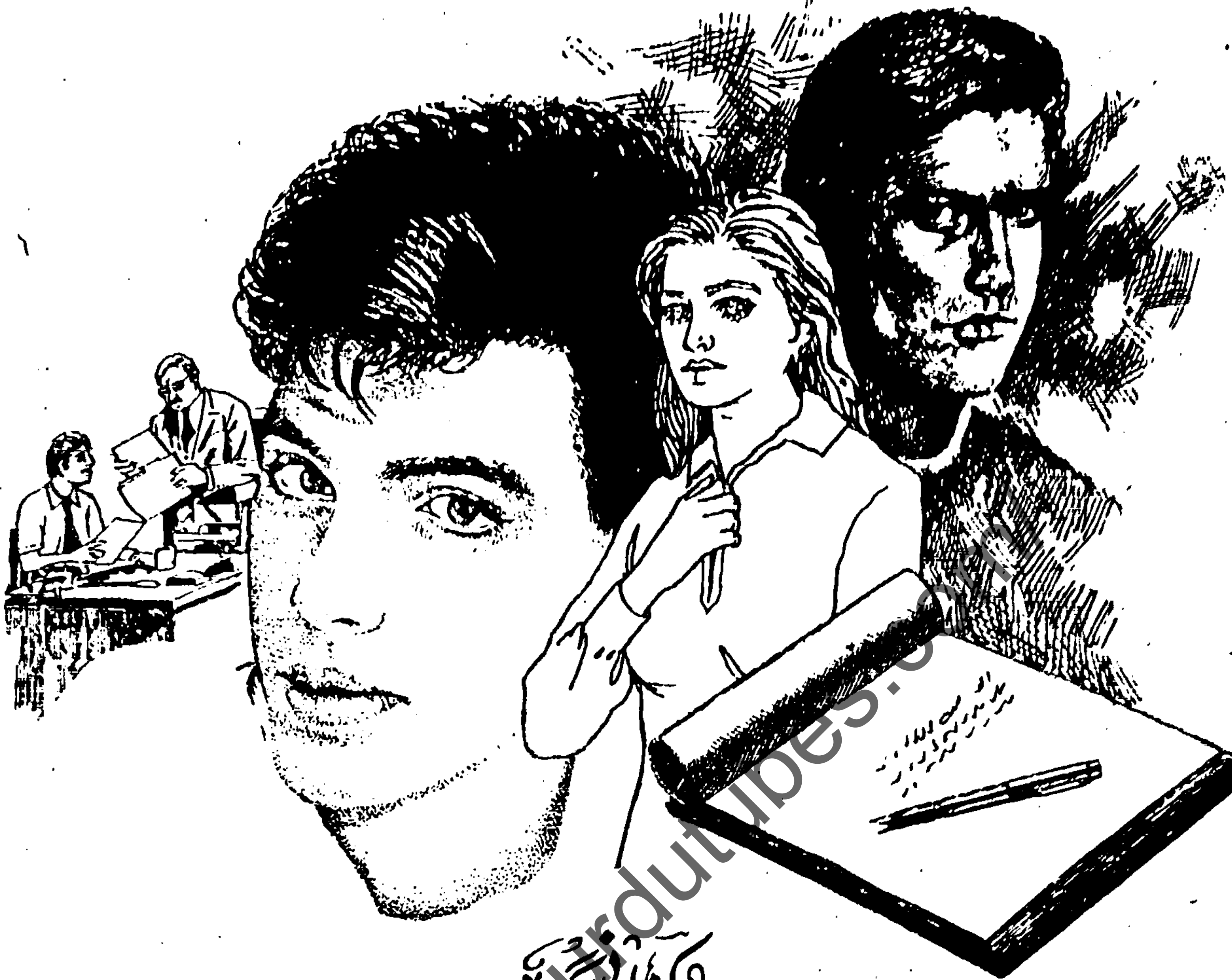
''جذبے سچے ہوں تو آخر کار منزل مل ہی جاتی ہے۔'' جاتے، جاتے ارقم نے راحمہ کے کان میں امرت گھولا تو......اس کے لبوں پر شرگیں مسکان پھیل گئی۔

''اوئے لڑکی، ہوش میں آجاؤ۔ایسا نہ ہو نکاح کے وقت بھی ہاں کہنے کے بجائے چپ چاپ مجھے گھورتی رہو۔'' صائم، سامیہ سے مخاطب تھا۔سامیہ، صائم کی پُرشوق نگاہوں کی زد میں تھی۔عارض دہک اٹھے۔اس نے گڑبڑا کر نگاہیں جھکائیں۔

اللہ پاک کی اس مہربانی پر کشور بیگم اس کا لاکھ، لاکھ شکر ادا کررہی تھیں۔سب لوگوں کی زندگی سے بھرپور اور روشن چہرے دیکھ کر وہ سوچ رہی تھیں۔کہ وہ اب تک کتنے اندھیروں میں تھیں۔

اپنی زندگی سے توہمات نکال دینے سے، دھند کے بادل چھٹ گئے تھے۔اپنے بچوں اور شوہر کے کھلے ہوئے چہروں کو دیکھ کر کشور بیگم کی آنکھیں نم ہوگئیں۔یہ اللہ پاک کا خاص کرم تھا کہ زندگی ایک دم ہی کتنی حسین اور پُرسکون ہوگئی تھی۔

❁❁❁



کہانی گر

زیبا حسن مخدوم

اس نے پانی کی بوتل بینچ پر رکھ کر ایک طائرانہ نظر پارک میں موجود لوگوں پر ڈالی پھر اپنا رجسٹر بھی بوتل کے ساتھ رکھتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے گہری سانسیں لے کر خود کو پُرسکون کیا۔ یہاں کا ماحول اور خوشگوار فضا ہمیشہ اس کے ذہن کو تر و تازہ کر دیتی تھی۔ اس نے محبت بھری نگاہ سے پارک کو دیکھا۔ اسے اس جگہ کے ہر درخت، ہر بوٹے، ہر کلی سے ایک عجیب سی انسیت تھی۔ اس پارک نے اسے بہت سے شاہکار دیے تھے۔ آج بھی وہ کسی شاہکار کی تلاش میں ہی یہاں آیا تھا۔

”آج تو میں اس جگہ سے کوئی کہانی کشید کر کے ہی جاؤں گا۔“ اس نے پُرعزم لہجے میں خود سے کہتے ہوئے رجسٹر اٹھایا اور جیب سے قلم نکال کر اس کا ڈھکن اتارا۔

”ہم......م......تو کیا لکھا جائے؟“ چند ثانیے قلم ہاتھ میں لیے رجسٹر کے کورے کاغذ کو گھورتا رہا۔

کچھ سمجھ نہ آئی تو سر اٹھا کر پارک میں موجود لوگوں کو دیکھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر دو معمر آدمی گھاس پر بیٹھے ایک دوسرے کو جانے کس عمر کے قصے سنا رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ کچھ لوگ چہل قدمی میں مصروف تھے۔ اس کے دائیں جانب نصب سنگی بنچ پر ایک نوجوان بیٹھا اپنے بیگ سے کچھ نکالنے میں مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر وہ چوکنا ہوا۔ اس کے اندر کے لکھاری کو کچھ احساس ہوا تھا۔ اس نے بھویں سکیڑ کر اس نوجوان کا بھرپور جائزہ لیا۔ معمولی شکل صورت، دبلا بدن، باریک مونچھیں، عام سے حلیے میں چمکتی آنکھوں

والے نوجوان کو اس نے فوراً ناپسندیدگی کی سند دے ڈالی۔ کچھ دیر دور کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اپنے رجسٹر کو دیکھتے ہوئے وہ کاغذ کی طرح اپنے کورے دماغ کی طرف متوجہ ہوا جہاں آج بھی سناٹا تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے اسے اس سناٹے نے ایک عجیب پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آخر...... کوئی کہانی تو بنو......!'' مسلسل خاموشی پر وہ اندر ہی اندر چلایا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اب کھوکھلا ہو چکا ہے یا پھر اس کا ذہن ہی بنجر ہو چکا ہے جہاں کوئی اچھوتا خیال جنم ہی نہیں لے پا رہا تھا۔ کبھی وہ وقت تھا کہ اس کا نام ہر ماہ بہترین قلم کار کے طور پر پیش کیا جاتا تھا اور اب قلم کچھ لکھنے کو ہی تیار نہیں تھا۔ کافی دیر تک جب کچھ نہ سوجھا تو قلم ایک جانب رکھ کر جیب سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر نکال لیا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک بار پھر سے اس نے نوجوان کو دیکھا جو اپنی ڈائری تھامے کچھ لکھنے کی تیاری میں تھا۔

''ہم...... م...... ہماری ہی قبیل کا لگتا ہے مگر کچا ہے ابھی اس میدان میں۔ ہم جیسے سینئر لکھاریوں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے اسے۔'' کش لگاتے ہوئے اس نے سوچا۔

''چلو ذرا بات کر کے دیکھتے ہیں کہ کتنے پانی میں ہے۔ کیا خبر میرے دماغ کی بند کھڑکی بھی کھل جائے۔'' وہ سوچتے ہوئے اٹھنے لگا مگر پھر رک گیا۔

''کیوں بھئی...... آنا تو اسے چاہیے میرے پاس۔ آخر کو اتنا بڑا مصنف ہوں میں۔ دسیوں رسالے میری تحریروں پر چلتے ہیں۔ اسے تو چاہیے میرے آگے بچھ بچھ جائے تاکہ مجھ سے کچھ سیکھ سکے۔ خیر میں کیوں اپنا وقت ضائع کروں۔ مجھے کہانی مکمل کر کے رسالے کو بھیجنی ہے۔ مگر کچھ ذہن میں آئے بھی تو......'' وہ زچ ہوا۔

''اُف کیا کروں......؟ لگتا ہے آج کہانی خود مجھ تک نہیں پہنچے گی...... اسے تلاش کرنا پڑے گا۔'' وہ گھٹنوں پر زور دیتے ہوئے اٹھا۔

''اچھا...... تو کہاں سے ڈھونڈا جائے کہانی کو؟'' اس نے ناک پر پھسلتا نظر کا چشمہ واپس آنکھوں پر جمایا اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ دونوں بزرگ اب آہستہ، آہستہ چلتے ہوئے وہاں سے جا رہے تھے۔ کسی اور کہانی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔ پارک کی روش پر دو خواتین تیز، تیز چلتی ہوئی ایک دوسرے سے پہلے اپنا وزن کم کرنے کی کوششوں میں تھیں۔

''کیا ان سے بات کروں؟ مگر نہیں اتنی مشقت کے بعد ان کا پارہ ویسے ہی ہائی ہوگا۔'' اس نے سوچا اور آہستہ، آہستہ قدم بڑھانے لگا۔ کچھ فاصلے پر دو مرد ایک خاتون کے ساتھ بیٹھے نظر آئے۔ ایک مرد سر جھکائے گھاس کے چھلکے نوچ رہا تھا جبکہ دوسرا دھیرے، دھیرے سر ہلاتے ہوئے خاتون کی بات سن رہا تھا جو سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے کچھ بتا رہی تھی۔

''ہم...... م...... لگتا ہے کوئی گھریلو ناچاقی کا مسئلہ ہے۔ یہ سر جھکائے بیٹھا آدمی اس عورت کا شوہر لگتا ہے اور یہ دوسرا آدمی بیچ میں ثالث ہے۔'' اس نے اپنی قوتِ مشاہدہ سے اندازہ لگایا۔

دور خوش گپیوں میں مصروف نوجوانوں کا قہقہہ فضا میں ابھرا اور اس کا دھیان بٹا گیا۔

''ہاہ...... انسان دوستوں کے ساتھ کتنا خوش قسمت اور امیر ہوتا ہے۔ ہر فکر، ہر غم سے آزاد، بھرا اعتماد...... جیب خالی بھی ہو تو بے فکری کی دولت سے بھری رہتی ہے۔'' اسے اپنی جوانی کے دن یاد آ گئے۔ ایسی ہی بے فکری تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ پلٹ کر ایک نگاہ پودوں کی آڑ سے نظر آتی اپنی بینچ پر ڈالی پھر دوسری بینچ پر بیٹھے نوجوان کو دیکھا جو اب تیزی سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

''ہونہہ......!'' اس نے سر جھٹکا اور پارک کے دوسرے حصے کی جانب قدم بڑھائے۔ بچے اب غبارے والے کے گرد جمع تھے۔ کچھ لوگ کسرت کرنے میں مصروف تھے۔ ایک بانکا سجیلا لڑکا جس کی ابھی داڑھی مونچھ بھی پوری طرح نہیں آئی تھی درخت کی شاخ تھامے موبائل کان سے لگائے لہک، لہک کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اِکا دُکا مزدور بھی درختوں کی چھاؤں کے نیچے چادر تانے لیٹے ہوئے تھے۔ دفعتاً ایک پودے کی آڑ میں اسے گلابی آنچل نظر آیا تو وہ اس

طرف بڑھ گیا۔ وہ سولہ، سترہ برس کی لڑکی تھی جو گھاس پر بیٹھی گھٹنوں میں چہرہ چھپائے اپنی سسکیاں دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آہ بیچاری لڑکی...... لگتا ہے اسے بھی محبت میں دھوکا ملا ہے۔'' اسے افسوس ہوا۔

''اس سے بات کروں یا نہیں...... ویسے تو اس طرح کے موضوعات پر تو ہزاروں بار لکھا جا چکا ہے۔'' وہ شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا اسے دیکھتا رہا پھر یہ سوچ کر اس کی طرف بڑھ آیا کہ کیا پتا اسے تسلی کی ضرورت ہو۔ اس کی نگاہوں میں ان سب نوجوان عاشقوں کے چہرے گھوم گئے جنہوں نے محبت میں ناکامی پر خودکشی کر لی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹا؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟'' اس نے نزدیک جا کر پوچھا تو لڑکی نے سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں انکل......'' اس نے گلوگیر آواز میں کہتے ہوئے اپنے آنسو صاف کیے۔

''بیٹا آپ بتانا نہیں چاہو تو وہ الگ بات ہے۔ مگر آپ کے چہرے سے ظاہر ہے آپ کتنی تکلیف میں ہیں۔ آپ کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر بات کرنا چاہتا ہوں آپ سے......'' لڑکی کوئی جواب دینے کے بجائے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھے گئی تو وہ خود ہی ذرا فاصلے پر اس لڑکی کے سامنے بیٹھ گیا۔

''دیکھو بیٹا، یہ عمر ہی ایسی ہے کہ اس میں رنگین خواب دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ مگر آج کل نوجوانوں کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے ماں باپ نے اپنی پوری عمر انہیں پالنے پوسنے میں گزار دی ہوتی ہے، انہیں ان کی عزت اور وقار کا خیال رکھنا چاہیے۔ آج کل کی جھوٹی محبتوں میں پڑ کر اپنی زندگی برباد نہیں کرنی چاہیے۔'' اس نے ریسانیت سے اسے سمجھایا مگر لڑکی آنکھیں پھیلائے ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں انکل؟''

''بس آپ کو یہی بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر محبت میں دھوکا مل جائے تو اسے روگ نہیں بنانا چاہیے۔ بلکہ سب کچھ بھول کر آگے بڑھ جانا چاہیے۔ ویسے بھی ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔'' اس کی بات سن کر لڑکی کے چہرے پر برہمی کے تاثرات ابھر آئے۔

''آپ کی نصیحت کا بہت شکریہ انکل......! مگر آپ غلط سمجھے ہیں۔'' لڑکی تلخی سے بولی۔

''میرے والدین کا خواب تھا کہ میں ڈاکٹر بنوں لیکن آج میں میڈیکل کا ٹیسٹ پاس نہیں کر سکی۔ مجھے اس بات کی تکلیف ہے کہ میں ان کی امیدوں پر پوری نہیں اتر سکی۔'' وہ یہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہر کسی کو ایک ہی عینک سے نہیں دیکھتے۔'' وہ سلگ کر کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی جبکہ وہ ہکا بکا وہیں بیٹھا رہا۔

''ایں...... یہ کیا ہو گیا؟ مجھے تو...... مجھے تو لگا کہ...... خیر میرا ابھی کوئی قصور نہیں۔ آج کل ہر جگہ چل ہی یہی رہا ہے تو مجھے بھی غلط فہمی ہو گئی۔'' وہ خود ہی اپنی صفائی پیش کر کے ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں بھی کہاں ہمدردی کرنے بیٹھ گیا۔ مجھے کیا ضرورت تھی بھلا۔ اچھا بھلا کہانی تلاش کر رہا تھا۔'' لیکن اصل میں تو شاید وہ اس کی طرف سے کسی چٹ پٹی کہانی کا ہی منتظر تھا۔

''ایک تو اس کہانی نے بھی زچ کر کے رکھ دیا ہے۔ کہاں پہلے خود تلاش کرتے ہوئے مجھ تک پہنچتی تھی اور اب دیکھو...... مل کے ہی نہیں دے رہی۔'' وہ کچھ دیر یونہی پارک میں چکر لگانے کے بعد بڑبڑاتا ہوا واپس اپنی بینچ تک پہنچ گیا۔ جہاں اس کا رجسٹر، قلم اور پانی کی بوتل رکھی ہوئی تھی وہاں بیٹھ کر اس نے رجسٹر اور قلم تھام لیا اور پھر سے لفظوں کو صدائیں دینے لگا۔ مگر لفظ تو جانے کس کونے میں جا کر چھپ گئے تھے۔ اس نے جھنجلا کر ایک نظر پھر اس نوجوان پر ڈالی۔ اب کے اس نوجوان نے بھی نرم مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہوں...... لگتا ہے میرے قلم کی سیاہی سوکھ گئی ہے۔'' وہ دانستہ اسے نظرانداز کر کے اپنے قلم کو آنکھوں کے سامنے لا کر غور سے دیکھنے لگ گیا۔ اور پھر سے ذہن میں کوئی خیال بُننے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ شاید اس بات سے لاعلم تھا کہ کہانیاں دماغ یا ذہن سے

تھوڑی نہ بنی جاتی ہیں۔ وہ تو الہام کی صورت کسی پاکیزہ دردمند دل پر اترتی ہیں۔

''لگتا ہے آج بھی خالی ہاتھ ہی جانا پڑے گا۔''

کسی نئے خیال کی تخلیق میں ناکامی پر اس نے بے دلی سے رجسٹر بند کر دیا۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ اسی طرح خالی ہاتھ ہی جا رہا تھا۔ اس نے پھر نوجوان کی جانب دیکھا تو اس کے چہرے کی چمک سے اندازہ ہوا شاید وہ کوئی بہترین کہانی لکھ چکا تھا۔

''السلام علیکم سر!'' نوجوان نے اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر خوش دلی سے کہا۔ وہ چونکا مگر چہرے پر وہی رکھ رکھاؤ لانے کی کوشش کی۔

''وعلیکم السلام۔''

''سر، میں آپ کو کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ مگر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، میں آپ کا بہت بڑا مداح ہوں! آپ کی لکھی کہانیاں پڑھ، پڑھ کر ہی میں نے لکھنا سیکھا ہے اور ابھی پچھلے ہفتے ہی تو ایک چینل پر آپ کا انٹرویو دیکھا تھا۔'' لڑکا اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

اسے ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا۔ جیسے وہ اسی بات کا منتظر تھا۔

''اچھا! تو کیا لکھ رہے ہو آج کل؟'' اس نے ایک شان بے نیازی سے پوچھا۔

نوجوان اپنے پسندیدہ لکھاری کی دلچسپی دیکھ کر جوش میں آ گیا۔

''سر! ایک کہانی لکھی ہے، میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس وقت ہے تو میں چاہتا ہوں آپ ایک نظر ڈالیں اور کوئی کمی ہو تو بتائیں...... تاکہ میں اسے بہتر کر سکوں۔'' نوجوان نے عقیدت سے اس سے کہا تو اس نے بادل ناخواستہ کہانی لی اور پڑھنا شروع کیا۔

یہ ایک جاندار کہانی تھی۔ جملے خوب صورت تھے، کردار جیتے جاگتے، مکالمے پُراثر۔ اسے لگا جیسے یہ وہی کہانی ہو جس کی تلاش میں وہ اتنے دنوں سے تھا مگر وہ اسے مل نہیں رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسے اپنے اندر ایک چبھن سی محسوس ہوئی، حسد کی نہیں۔ بلکہ محرومی کی کہ یہ کہانی تو وہ بھی لکھ سکتا تھا، اس کے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں آیا۔

''یہ تو واقعی اچھی ہے۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا۔ ''بس، کچھ جگہوں پر جملوں کو مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے نوجوان کو صفحات واپس تھمائے۔

نوجوان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

''سر... اگر اس سلسلے میں آپ میری رہنمائی کر دیں تو یہ میرے لیے اعزاز ہوگا۔''

''دیکھو بچے، میں کر تو دیتا لیکن میں آج کل خود بہت مصروف ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تو نوجوان کے چہرے کی روشنی جیسے کم ہوئی۔

''اچھا بھئی اس قدر اصرار کرتے ہو تو کر دوں گا۔'' اس نے دوبارہ نوجوان کے ہاتھ سے صفحات تھام لیے اور اپنی چیزیں تھام کر چل دیا۔

☆☆☆

اگلے مہینے وہ ایک پُرسکون چائے خانے میں بیٹھا ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا، جب ایک کہانی اس کے سامنے آئی۔ وہی کہانی، وہی کردار، وہی مکالمے مگر نیچے نام ''فخر الدین'' ایک دفعہ پھر وہ اس ماہ کے ''بہترین قلم کار'' کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔

ضمیر نے کہیں کونے سے سر اٹھا کر دیکھنا چاہا۔

''تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اصلاح تو میں نے ہی کی تھی ناں۔'' اس نے سوچا۔

نوجوان کی تحریر کی نوک پلک درست کرتے ہوئے جب اس نے ایک جملہ بدلا تو دوسرا بھی بدلنا پڑا۔ پھر ایک منظر کو مزید نکھارا پھر زبان میں تھوڑا سا نیا رنگ بھرا اور یوں کرتے، کرتے کہانی بالکل مختلف نہیں تو خاصی بہتر ضرور ہو گئی تھی۔

''ویسے اب یہ میری تخلیق بھی تو بن چکی ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے رسالہ میز پر رکھتے ہوئے چائے کا آخری گھونٹ لیا، اپنے کوٹ کے بٹن بند کیے اور بڑے اطمینان سے باہر نکل گیا۔



آس کو مات نہیں

خدیجہ میر

ڈھول اڑاتی بس جب کچی بستی کے سامنے رکی تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور سرشاری سے سنبھل کر بس سے نیچے اتر گئیں۔ کنڈیکٹر نے ان کا سفری بیگ ان کے پاس رکھ دیا تو انہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ گاؤں کی جانب بڑھتے قدم یکبارگی تھم گئے۔ مغرب کی اذان فضا میں گونج رہی تھی۔ کتنی مدت گزر گئی تھی اس روح افزا ---- اذان کے لیے ان کے کان گویا صدیوں سے ترسے ہوئے تھے۔ وہ پورے انہماک سے آنکھیں موندے ایک، ایک لفظ اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔ درود شریف کا ورد جاری رکھ کر انہوں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ ٹنڈ منڈ درختوں میں پرندوں کے آشیانوں میں سکوت تھا۔ بس اِکا دُکا پرندے اپنے گھونسلے سے بچھڑے اپنے لیے ٹھکانا ڈھونڈ رہے تھے۔ شام کی آمد کا سرمئی رنگ گہرا ہوتا جارہا تھا۔ آسمان کی وسعتوں میں دن کا اجالا مدغم ہونے لگا۔

ہاتھ میں سفری بیگ تھامے وہ تیز، تیز قدم اٹھاتی آبادی کی طرف بڑھنے لگیں۔ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں وہ اس کچی پگڈنڈی پر رواں تھیں۔ جہاں وہ بچپن میں سہیلیوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے گزرتی تھیں۔ مگر اب وقت نے وہ سارے رنگ چھین لیے تھے جو کبھی زندگی کے معنی بتاتے تھے۔ ٹھنڈی میٹھی ہوا دھیمی، دھیمی چل رہی تھی' ان کا دامن پھڑ پھڑا رہی تھی۔



ہلکی سی خنکی کے باوجود بس کے حبس زدہ ماحول نے اس موسم کو خوشگوار بنادیا تھا۔ انہوں نے چند گہری، گہری سانسیں لے کر یہاں کی مٹی کی خوشبو اپنے اندر اتاری۔ گویا وہ اپنی برسوں کی بھوک مٹا رہی تھیں۔ دیارِ غیر کی نامانوس آب و ہوا نے جیسے اعصاب پر مردنی طاری کردی تھی۔ گاؤں کی غیر آلودہ فضا نئی بادِ نسیم کی طرح لگی۔ نہر پر سے گزرتے ہوئے انہوں نے پرانی عادت کے مطابق چلو بھر، بھر کر پانی پیا اور سیراب ہو کر پھر سے چل دیں۔ وہ ہر ایک منظر سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھیں۔ دور سے ٹمٹماتے ستاروں کے مانند روشنیاں قریب آکر انرجی سیور کی لائٹس بن گئیں۔ گاؤں کے روشن ماحول کو دیکھ کر انہوں نے آسودہ سانس خارج کی۔ وہ بہت مسرور تھیں۔ دیارِ غیر کے زندان سے رہائی پاتے ہی من کا پنچھی پھر سے اڑنے لگا تھا۔ جہاں سے بچپن جڑا ہو۔ اس زمین سے ناتا اتنی آسانی سے کہاں چھوٹتا ہے۔ جڑیں یہیں گڑی ہوتی ہیں۔

”اچھے دن کتنی جلد گزر جاتے ہیں۔“ انہوں نے تاسف سے سوچا۔ کچھ خاص ترقی نہیں ہوئی تھی سب کچھ جوں کا توں تھا۔ جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھیں۔ اس گاؤں کی بہتری کے لیے ہی تو انہوں نے اتنے بڑے، بڑے کشٹ اٹھائے تھے۔ استطاعت نہ ہونے کے باوجود سمیر کو پڑھایا لکھایا۔ ڈاکٹر بنایا مگر سب بیکار گیا۔ ہاتھ خالی ہی رہے۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ انہوں نے دن رات انتھک محنت کی اپنا پیٹ کاٹ کر اپنی اکلوتی اولاد کو پڑھایا لکھایا تاکہ وہ گاؤں کا سہارا بنے۔ یہاں ڈسپنسری اور کمپاؤنڈر کے علاوہ کوئی ڈاکٹر نہ تھا۔ یہاں علاج معالجے کی سہولیات نہ تھیں۔ انہوں نے بہت کٹھن وقت گزارہ تھا۔ ماں، باپ دونوں کی موت طبی امداد بروقت نہ ملنے پر ہوئی۔ انہیں بہت دکھ تھا اس بات کا۔ تب سے انہوں نے مصمم ارادہ کیا تھا، عزم کیا تھا کہ وہ ضرور اندھیرے میں امیدوں کا دیپ جلائیں گی۔ مگر سب... بے ثمر رہا۔ وہ یہ بھول گئیں کہ انسان بڑا حریص ہے وہ جب اپنی خواہشوں میں اپنی ہوس پوری کرتا ہے تو سب ارادے پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ سمیر بھی ڈاکٹر تو بن گیا مگر خود کو عظیم رتبے پر فائز سمجھ کر یہاں کے لوگوں کو کیڑے مکوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ وہ بڑا آدمی تو بن گیا لیکن اس کی سوچ پستی میں گر گئی۔ یہ عظیم سانحہ تھا ان کی زندگی میں ان کا خواب ایک ہارا ہوا جوا ثابت ہوا۔ تعبیر تو مل گئی مگر اتنی بھیانک کہ اذیت سے وہ آنکھیں بھی نہیں بھینچ سکیں۔ خواب اتنے مہنگے ہوتے ہیں وہ اگر جانتیں تو یہ آنکھیں ہی نوچ ڈالتیں۔ انہوں نے ہی تو زندگی میں فساد بپا کیا تھا۔ وہ حریص انسان محبتوں، خلوص کی چھوٹی سی دنیا چھوڑ کر ریا، دغا بازی اور فریب کی دنیا کھوجنے چلا گیا تھا۔ یہ دکھ انہیں سلگا دیتا۔ شاید انہوں نے سمیر کو اس دنیا سے الگ کر کے نئے جہان کے خواب دکھا کر گناہِ عظیم کیا تھا اور اس کی سزا وہ بھگت رہی تھیں بیٹے کی جدائی کی صورت......

کچے گھر، اوپلوں سے لدی دیواریں۔ انہوں نے چھو کر ان کی نرمی محسوس کی۔ سیمنٹ اور سنگِ مرمر کی منقش دیواروں سے یہ ہزار درجہ بہتر تھیں۔ منڈیر پر کھڑا بانگ دیتا مرغ اندھیرا پھیلنے کے بعد اور اندھیرا پھیلنے سے قبل اپنا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ کتنی ترسی ہوئی تھیں آنکھیں......اس خالص منظر کو دیکھنے کے لیے......جس میں کوئی آرائش، زیبائش کے مصنوعی تکلفات کی ملاوٹ نہ ہو۔ جو جیسا ہے ویسا ہی نظر آئے۔ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے کان پھاڑ دینے والی آواز میں اب کسی کی فوتگی کی خبر دی جارہی تھی۔ وہ سرتاپا سماعت بن گئیں۔

”شاکر حسین ولد ذاکر حسین لوہار کی وفات ہوئی ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے ”قبرستان باغ“ میں جنازہ ہے۔ آپ سب سے استدعا ہے کہ نمازِ جنازہ میں شرکت کریں اور ثوابِ دارین حاصل کریں۔ شکریہ......“ یہی اعلان، دو تین بار دُہرانے کے بعد خاموشی چھا گئی۔ وہ جانتی تھیں وفات پانے والے کو......زیرِ لب انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتی وہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھ گئیں۔

کچرے کے ڈھیر سے اپنا رزق تلاشتے کمزور لاغر کتے اس

بوڑھی پر بھونکنے لگے تو انہیں بھی غصہ آ گیا۔ زمین سے ڈھیلا اٹھا کر ان پر پھینکا اور انہیں ہشش...... ہشش کی آوازیں نکال کر بھگایا۔ وہ سہم کر بھاگ گئے۔ وہ منزل سے قریب ہونے کی سرشاری میں تیز گام ہو گئیں۔ برسوں بعد اپنے پیاروں سے ملنے کی سرخوشی سے ان کی پھولتی سانسوں نے بھی انہیں نہیں روکا۔ انہیں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''میں انہیں یاد تو ہوں گی ناں......'' عجیب...... بے سر و پا بات سوچ کر وہ آزردہ ہو گئیں پھر اگلے پل ہی وہ مطمئن ہو گئیں۔

''یہ پنڈ ہے کوئی ولایت تھوڑی ہے جو سامنے ہوتے ہوئے نفوس کو بھی مُردہ سمجھ کر گزر جاتے ہیں۔ اور گاؤں کے لوگوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے۔ رشتے اور ان سے جڑی یادیں جو ان کے لیے بیش بہا خزانے سے کم نہیں......'' انہیں افسوس تھا اپنی تربیت پر یہاں کی مٹی میں سینچا پودا تناور درخت بن کر اپنے پھل سے دیارِ غیر کو مستفید کر رہا تھا۔ یہ ملال تاحیات رہنا تھا۔ اسی غم میں عمر کٹنی تھی۔

سرخوشی کے عالم میں بڑی سرعت سے چلتے قدم اپنے گھر کی دہلیز کے نزدیک تھم گئے۔ یہاں کوئی تو تھا جو ان کا منتظر تھا ان کی قدر و قیمت سے واقف تھا۔ وہ بے مول نہیں تھیں۔ ان کی یادوں کو سینے سے لگائے جی رہا تھا۔ تصور میں شوہر کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھ کر ان کے جھریوں زدہ کمزور چہرے پر مسکان کی تازگی چھا گئی۔ دستک دی۔

اندر سے بڑبڑانے کی آواز آئی۔ دوسری دستک پر جھنجلاتی نحیف آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور ان کا پوپلا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا وہ مبہوت بے سکتہ زدہ کھڑے رہ گئے۔ پانچ سال کم تھوڑی تھے کسی ہجر کا غم کاٹتے، کاٹتے......

''سمیعہ تم......!'' انہیں حیرت سے زیادہ استعجاب ہوا۔ انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ موٹے عدسوں والی عینک کو ٹھیک کر کے انہوں نے سر تا پا دیکھا تو آنکھوں پر یقین آیا کیونکہ آج کل یہ اپنی من پسند شبیہہ دکھانے لگی تھیں۔

''آؤ...... آ جاؤ...... اندر آ جاؤ......'' دروازے سے ہٹ کر انہوں نے سرخوشی کے عالم میں کانپتی آواز میں کہا تو سمیعہ بھی مسکرائے بنا نہ رہ سکیں...... انہوں نے بمشکل کمرے سے چارپائی نکالی اور اندر سے صاف ستھری دھلی دھلائی رلی لا کر بچھائی اور انہیں بیٹھنے کو کہا تو ان کی نظروں میں ممنونیت کی نمی اتر آئی۔ انہوں نے بے تاب نظروں سے گھر کے آنگن کو دیکھا دل کراہ کر رہ گیا۔ اجڑی کیاری میں چرمرائے پتے اور ڈھیروں کچرا...... انہیں رنج ہوا۔ انہیں پانچ سال قبل کا منظر یاد آیا جب یہ کیاریاں بھی سرسبز ہوا کرتی تھیں۔ رنگ برنگے پھول سر اٹھا کر ان کی تنہائی بانٹتے تھے۔ کتنی محنت سے ہر آنے والی بہار میں وہ ایس s کی شکل میں کیاری سجاتیں، بیج بوتیں، ننھے، ننھے پتے نکلتے اور جب رنگ برنگے پھول کھلتے تو وہ کتنی خوش ہوتی تھیں۔ تین افراد پر مشتمل یہ گھرانا صرف s ہی تو تھا۔ سلیمان اور خود سمیعہ نام ہونے کی نسبت سے انہوں نے بیٹے کا نام بھی سمیر ہی رکھا تھا۔

کتنی خوشیوں بھرے دن تھے۔ آسودگی سے معمور شاید وہ آہ بھر کر رہ گئیں۔ اب نہ وہ پھول تھے نہ اب وہ بہاریں...... سارے موسم اپنی سوگواری سمیت ٹھہر گئے تھے۔ کوئی رنگ نہیں تھا زندگی میں...... دھول اور مٹی سے اٹے فرش پر ان کے چلتے پھرتے قدموں کے نشان تھے۔ وہ ماضی میں کھو گئیں۔ جب سمیر ان کی جان چھوٹے، چھوٹے پاؤں سے یہاں وہاں پھرتا تھا...... آنگن اس کی قلقاریوں سے گونجتا تھا۔ ہر طرف خوشی ہی خوشی رواں تھی غم کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ ان کی زندگی تھا۔ ہر والدین کی زندگی اولاد کی سانسوں سے منسلک ہوتی ہے، وہ پاس ہوں ان کی حدت ہو تو اپنی تمام تر جولانیوں سمیت جیتے ہیں اگر نہ ہوں تو رگوں میں خون تو دوڑتا ہے مگر احساس جم جاتے ہیں۔ اندر مُردنی چھائی رہتی ہے۔ انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر اسے لاڈ پیار دیا۔ ایک کسان کا بیٹا گاؤں سے شہر جا کر پڑھنے لگا۔ انہوں نے بڑی

وقت سے ہاسٹل میں پڑھایا اسے گاؤں کے مستقبل کے لیے، صدقہ جاریہ کی نیت سے، وہ مر کر جینا چاہتے تھے۔ وہ ابدی جینا چاہتے تھے۔ لیکن سمیر نے ان کا یہ خواب ان کے لیے جرم بنا دیا۔

گاؤں کی غیر آلودہ فضا کے مقابلے میں اس نے شہر کی زندگی کو ترجیح دی۔ اب تک کی کٹھن جدائی کا صلہ یہ ملا تھا۔ اپنی ممتا مارتے رہے، اپنی محبت کو تھپکتے رہے کیونکہ انہوں نے اپنی ذات سے آگے کا سوچا تھا۔ انہوں نے بیٹے کی رضا سمجھ کر اسے اجازت دے دی جانے کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے وہ اگر اسے روکتے بھی تو وہ نہیں رکتا...... اسے یہاں کے ماحول میں گھٹن ہوتی تھی۔ جہاں سے اس کا خمیر اٹھا تھا۔ اس نے وہیں شادی کر لی۔ انہوں نے یہاں بھی قربانی دی۔ قربانی کیسے؟ جو بس میں نہیں تھا اس پر صبر کر کے قربانی کا تمغہ لگا دیا۔ وہ دیارِ غیر سدھار گیا۔ وہ پھر بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ ان کی امیدوں سے روشن زندگی یک دم اندھیر ہوگئی۔ وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ سلیمان صاحب باپ تھے۔ بیٹے کی بے اعتنائی نے انہیں اس سے متنفر کر دیا اور وہ اپنے غم غلط کرنے کو نئی راہیں ڈھونڈنے لگے۔ محلے کے بچوں کو اپنی شفقت کا مرکز بنا لیا۔ بیٹے کے حصے کا خزانہ دوسروں پر لٹاتے رہے جو مستحق تھے خدا اس پر ہی کرم کرتا ہے۔ سمیر تو بے نیاز بنا ہوا تھا۔ اس کی خواہشیں ابدی تھیں۔ اس کی عمر کم پڑنے لگتی۔ لیکن اسے کنویں میں گرنے کا کوئی غم نہیں تھا کیونکہ اسے حقیقت کا ادراک نہیں تھا۔

سمیعہ بیگم بیٹے کی یاد میں پہروں جاگتی رہتیں وہ امید و بیم کی کیفیت میں منتظر رہیں۔ اپنے گوشۂ جگر کے دیدار کے لیے ہر ہفتے دعا سلام کا ٹیلیفونک رابطہ اب سال میں ایک آدھ بار ہی ہونے لگا۔ مگر اس کے باوجود ایک دن بھولے سے سمیر انہیں لینے آ گیا۔ شاید دنیا سے کترا کر یہاں آیا تھا۔ ورنہ تو آنکھوں میں اجنبیت ہی تھی جو صرف سلیمان صاحب کو محسوس ہوئی جبکہ سمیعہ بیگم...تو اپنے پیار کی عینک لگائے اپنے ہی مفروضے کو سوچتی رہیں۔ سلیمان صاحب اس ماں کا بھرم نہیں توڑنا چاہتے تھے، اس لیے مہر بہ لب رہے۔ انہیں بیٹے کو دیکھ کر مزید دکھ ہوا۔ وہ اپنے بیٹے کو بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے جو بنا تو سہی مگر صرف باہر کے انجان لوگوں کے لیے جو اس کے چمکتے دمکتے کیریئر کو رشک کی نگاہوں سے دیکھ کر آہیں بھرتے تھے جبکہ ان آہیں لیتے ماں، باپ کے لیے وہ خالی خولی روبوٹ تھا۔ بغیر احساسات کے، بے حس۔ جو امید کی تھی اس کا ثمر تو نہیں ملا تھا۔ اب جو وہ انہیں لینے آیا تھا تو سلیمان صاحب بپھر گئے۔

زندگی میں پہلی بار ان سے سخت گوئی ہوئی انہوں نے بیٹے کو برا بھلا کہا اور طعنے بھی دیے اور اسے یاد بھی دلایا کہ وہ جہاں بھی چلا جائے اس کا تخم اس کا خمیر یہیں کا ہے۔

''مان جائیں سمیر کے ابو...... کتنے پیار اور چاؤ سے لینے آیا ہے بیٹا اور آپ ہیں کہ ضد کر رہے ہیں۔'' ان کے لیے اس سے بڑی بات کیا تھی کہ بیٹا عرصے بعد سامنے تھا۔ انہوں نے متاسف نظروں سے بیگم کو دیکھا۔

''اگر محبت ہوتی تو ہمارے ساتھ رہتا، ہمیں یوں غیروں کی طرح چھوڑ کر نہ جاتا...... یہ تو دنیا والوں کے طعنوں سے گھبرا کر آیا ہے۔ یہاں سے لے جاتے ہی اس غیر وطن میں غیر بن جائے گا۔ نہ بابا نہ...... مجھ میں اب اتنی ہمت نہیں، اتنی غیریت سہنے کی، تم میں ہمت ہے، حوصلہ ہے تو جاؤ میں تو اپنی مٹی سے مادرِ وطن سے جڑا رہوں گا۔'' ان کا حتمی لہجہ اپنے فیصلے پر مہر لگا گیا...تو وہ خاموش ہوگئیں۔ کوئی جواب جو نہیں بن پا رہا تھا۔ وہ اداس کھڑے منہ پھیر گئے۔

''تم جانا چاہتی ہو تو شوق سے جاؤ، تم بھی اس ناخلف کی محبت میں اپنا ایمان ڈانواں ڈول کر رہی ہو۔ ان گوروں کے ملک میں شناسائی کیا، سانس لینے کے لیے پُرخلوص ہوا بھی میسر نہیں آئے گی۔ ہم تو خالی ہاتھ رہ گئے۔ ساری عمر کی ریاضت بیکار گئی۔ ہماری محبتوں کا خون بے مول گیا۔ اب ہم یہاں سے اپنی جڑیں اکھاڑ کر نہیں لے جا سکتے۔ ہمیں یہیں رہنے دو سانس لیتے

وجود کو زندہ رہنے دو۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ کر بے بسی سے کہا تو وہ رونے لگیں۔

"ہم تو اپنے بیٹے کی خوشی میں جا رہے ہیں، آپ ساتھ چلتے تو ہمیں مزید خوشی ہوتی۔" اکیلے جاتے ہوئے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ انہوں نے آخری بار بے بسی سے انہیں دیکھا ساری زندگی ہمراہی میں بیتی تھی۔ اب موڑ کھاتے ہوئے بچھڑنے کے دکھ سے نڈھال ہو گئیں۔ وہ لڑھک جاتیں وہیں اگر بیٹے کے جواں بازو کا سہارا نہ ہوتا۔ سفر کے دوران وہ خود سے لڑتی رہیں دل و دماغ کے بیچ گھمسان کا رن تھا۔ دل بیٹے کی طرف مچل، مچل جا رہا تھا جبکہ دماغ کی سوجھ ہی نرالی تھی۔ وہ سر جھٹک گئیں۔ شوہر کی باتیں تازیانے بنتے ہوئے دل و جاں پہ برس رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ تھیں کہ کہیں وہ ہار نہ جائیں۔

"تم بھی بیٹے کی طرح خود غرض نکلیں۔ برسوں کی رفاقت کا یہ صلہ دیا، ہمیں تنہائی کا داغ دے کر جا رہی ہو۔ مگر نہیں تم ماں ہو...... اور میں باپ کچھ تو تفریق ہونی چاہیے...... پر حیرت ہے تم آج تک اپنے خون کو بھی نہ پہچان سکیں...... کہتی ہو سمیر کی خوشی میں جا رہی ہوں، کس کی خوشی میں؟ اس کی خوشی میں جو خود خوشیاں پانے کی دوڑ میں اپنے ذات کے محور پاٹ چکا ہے۔ مگر پھر بھی خالی ہاتھ ہے، بالکل تمہاری طرح ہماری طرح...... جیسے بیٹے نے کیا تم بھی اس کی طرح خوشیاں ڈھونڈنے دیارِ غیر جا رہی ہو...... تاسف ہے تم پر۔" ان کی متاسفانہ گفتگو نے انہیں آئینہ تو دکھایا مگر ممتا کی آہوں نے وہ آئینہ دھندلا دیا تھا۔ سب کچھ دھندلا گیا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی ذات بھی...... وہ ممتا کے منہ زور طوفان کے آگے سر نیہوڑائے بیٹھی رہ گئیں۔

مزید صبر اب ان کے بس سے باہر تھا۔ وہ ہار گئیں، ایک طرف شوہر تو دوسری طرف بیٹا...... ممتا کا پلڑا ہی حسبِ سابق بھاری پڑ گیا۔ بیٹے کی قربت کو پانے کی خوشی میں شوہر کی جدائی کا غم بہت ستاتا تھا۔ وہ یہ سودا کر کے مطمئن تھیں۔ مگر سود میں نارسائی کا عذاب ان کے نصیب میں تھا۔ جس بیٹے کی محبت میں وہ سات سمندر پار آئی تھیں۔ وہاں تو فاصلوں کے طویل سلسلے تھے۔ سمیر کی بیوی بھی ڈاکٹر تھی۔ پوتا سنی جسے دیکھ کر وہ پھر سے جی اٹھی تھیں۔ اس سے بہو نے دور کر دیا۔ وہ ماں، باپ کی محبت کو ترسا ہوا بچہ پہلی ہی بار میں ان سے مانوس ہو گیا تھا۔ روتا بلکتا تھا مگر ماں فرعون بنی رہتی۔ خدا کا ڈر تھا نہ ہی بیٹے کے رونے کا خیال۔ وہ اس کم تر بوڑھی، قنوطی عورت کے سامنے اپنے اپر کلاس مینرز سکھانے والی ملازمہ کو ترجیح دیتی تھی جو سنی کی نینی تھی۔ تنہائی اور نفرت کی حقارت کی نظریں جو بہو سے ملتیں تو وہ لہو، لہو رسنے لگتیں، تنہائی سے تو سمجھوتا ہو گیا مگر بہو رانی کی خشمگیں نگاہوں کی تاب نہ تھی ان میں۔ وہ اپنے کمرے میں سکڑی سمٹی محصور بیٹھی رہتیں۔ وہ دن رات اس چوکور ڈبے میں بستر پر بیٹھی دانہ، دانہ تسبیح کرتی انتظار کرتیں۔ نماز پڑھتیں، جینے کے لیے کھاتیں اور سو جاتیں، یہ تھی ان کی معمول کی زندگی...... زندان میں پڑے دن سرک، سرک کر گزر رہے تھے...... بیٹے کو دیکھنے کی چاہ میں آنکھوں میں پانی اترنے لگا تھا۔

ایک دن صبح وہ بیٹے کے دیدار کے لیے ڈائننگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئیں تو دو نشتر آنکھیں... لہولہان کر گئیں۔ پھر جتنی جھڑکیاں اور باتیں بیٹے کے سامنے بہو کے منہ سے سنیں تو شرمندگی اور ندامت کے باعث زمین میں گڑ جانے کا جی چاہا...... بیٹا خاموشی سے تماشا دیکھتا رہا تو جگر پر آرے چلنے لگیں۔ اس رات وہ سونے کے لیے لیٹیں تو بیٹے کو سامنے پا کر صبح کی ساری بے اعتنائی بھول کر دو میٹھے بول کے آگے بجھ گئیں۔ مگر جاتے، جاتے احترام اور عزت کا وہ بھرم بھی ٹوٹ گیا۔ وہ شاکی نظروں سے ماں کو گھور رہا تھا۔ وہ بھونچکا رہ گئیں۔

"پلیز امی، آئندہ نیچے آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔ زونیرا کو اچھا نہیں لگتا۔ میں ہی آپ سے ملنے یہاں آتا رہوں گا۔" محبت اور احترام سے عاری لہجہ، سمیعہ بیگم کا کلیجا پھٹنے کو تھا۔ اس رات وہ بہت روئیں، انہوں

نے رب سے اپنے بیٹے کی محبت مانگی، اپنی ریاضت کا صلہ مانگا......نہ ہی لبوں سے بددعا نکلی نہ ہی کوئی آہ وہ تو رونا بھی نہیں چاہتی تھیں کہ مبادا بیٹے کی زندگی میں کانٹا بن جائے مگر آنسوؤں پر اختیار ہی کب تھا..... وہ سرہانہ (تکیہ) ہی ان کا غمگسار درد دل سمجھتا تھا۔ پر آنکھ سے بہتا ہر آنسو اپنے سینے میں چھپالیتا کیونکہ وہ خون کے آنسو کہیں کسی کی زندگی میں ناسور نہ بن جائیں، اگر وہ بہتے رہتے تو کبھی نہ کبھی سارا وجود بہالے جاتے۔

ساکت و جامد دیواروں کو گھورتے، خود سے باتیں کرتے ہوئے ماہ و سال گزرنے لگے۔ وہ تنہائی میں سلیمان صاحب کو یاد کرتیں۔ کیسے سامنا کرتیں اپنی شکست خوردہ ممتا کے ساتھ ان میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کی خیریت دریافت کرنے کی غرض سے ہی سہی ان سے رابطہ کرتیں۔ ہر دفعہ ٹیلیفون کی طرف بڑھتا ہاتھ شرمساری کے باعث تھم جاتا۔ تنہائی تو تنہائی ہوتی ہے ہر ذات سے جدا، جدا نوعیت کی مگر یہاں تو کوئی ذی روح بھی نہیں بھٹکتا تھا۔ وہ خوفزدہ تھیں کہیں چپ کی یہ ٹکل ان کی گویائی نہ سلب کر دے۔ اندر ان کے احساسات اندر ہی اندر دم گھٹ کر مرنے لگیں گے انہوں نے در و دیوار سے بولنا شروع کر دیا۔ وہ سوچتیں کون کہتا ہے یہ دیواریں احساس نہیں رکھتیں۔ ان سپاٹ دیواروں کی خوبیاں انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ ان سے کچھ کہو تو خاموشی سے سن لیتی ہیں۔ کچھ برا نہیں مانتیں بلکہ آپ کے کتھارسس کی حفاظت کرتی ہیں۔ انسان بھی تو پتھر کے ہیں جتنا سر ٹکراؤ اتنا ہی لفظوں کی مار، مار کر زندہ مار دیتے ہیں، روح گھائل کر دیتے ہیں جبکہ یہ دیواریں کچھ نہیں کہتیں، ہماری باتوں کا بھرم رکھ کر خاموش رہتی ہیں۔ وہاں آقا و غلام یکساں تھے وہ بھی روبوٹ کی طرح صبح جاتے رات کو لوٹتے، کھاتے، سوتے، پیسہ کماتے، پیسے کمانے والے روبوٹ جبکہ یہ نوکر یہ ملازم حکم ماننے والے روبوٹ جن سے باتیں کرو یا نہ کرو وہ دیوار ہی بنے رہیں گے، سپاٹ اور پتھریلی دیوار احساس ہی نہیں ہوتا انہیں۔ انہوں نے تو زندگی بھر ایک ہی چیز کی تھی اور وہ تھا صبر......ان کی زندگی شروع سے آخر تک صبر ہی سے عبارت تھی۔ وہ خاموش تھیں حتیٰ المقدور اپنے آنسوؤں، آہوؤں کو اندر ہی اندر اتار لیتیں۔

پانچ سال گزر گئے یونہی روکھے پھیکے، بے آب وگیا.... وہ ترس گئیں اپنی پیاس ندی کے کنارے بھی نہ بجھا سکیں۔ وہیں ساحل پر پڑے بسمل ہوتے ہوئے وقت جیسے رک گیا تھا۔

انہیں خوف تھا کہ ممتا مر نہ جائے بجھی بجھی محبت کا بھرم رکھنے کے لیے سوچ نے اِک نئی راہ دکھائی۔ مزید ہمت نہ تھی یوں خود سے لڑنے کی وقت کی پھرکی گھما کر انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کے سنگ بیتے وہ چند سال یاد آنے لگے پیدائش کے بعد...... جب وہ کھا نہیں سکتا تھا بول نہیں سکتا تھا چلنے کے لیے سہارے کی ضرورت تھی۔ پھر جیسے ہی قدم خود سے اٹھنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر او جھل ہو گیا۔ وہ اب بھی اندھی تھیں۔ وہ مٹی وہ دھند آنکھوں سے اب بھی نہ چھٹی تھی بس وہ بچپن کا پیار بھرا منظر اور ان کے پیچھے روتا بلکتا سمیر..... وہ منظر آنکھوں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ منظر اتنا قیمتی تھا، وہ لمحہ اتنا نایاب تھا ان کے لیے کہ وہ پچیس، چھبیس سال دھنک بن گئے تھے اس کے سامنے مگر اب......اب جب آسرے کی ڈور ٹوٹنے لگی تو وہ وحشت میں گھر گئیں...... انہیں لگا اس تنہائی کا آسیب ان کی جان لے لے گا...... وہ مریں گی تو نہیں البتہ ان کے حواس ضرور مختل ہو جائیں گے۔ دیوانگی انہیں سنگسار کر دے گی، اپنی پہچان تو وہ کب کی کھو چکی تھیں۔ اس اجنبیت بھرے ماحول نے گاؤں کی اپنائیت کا شدت سے احساس دلایا تھا۔ جسے وہ بیٹے کی محبت میں روند آئی تھیں۔ مگر وہ زمین وہ وطن کی مٹی پیروں تلے روندی جانے کے باوجود اپنے ماتھے پر چلنے والوں کا خوش دلی سے استقبال کرتی ہے، یہ مٹی، مٹی کی خوشبو ہوتی ہے جو وہ وہاں کے لوگوں پر اپنا تاثر چھوڑتی ہے۔ وہاں اپنائیت تو یہاں بیگانگی کی ریت ہے۔

انہیں پچھتاوا تھا مٹی سے بغاوت کرنے کا مگر اب بھی وہ اس سے اپنی محبت کی بحالی پر آمادہ تھیں۔ کیونکہ اب بھی کچھ نہیں بدلا تھا صرف پانچ سالوں کا ہی تو فاصلہ تھا جو آج کے آج سمٹ سکتا تھا۔ مدتوں کی شناسائیاں انمٹ ہوتی ہیں۔ اپنے کو پہچان ہی لیتی ہیں۔ انہوں نے سوچ لیا کہ وہ یہاں سے کیسے جائیں گی۔ یہاں سے فرار کی راہیں ضرور مسدود تھیں مگر لیکن وہ ٹھان چکی تھیں۔ اس رات انہیں نیند بھی نہیں آسکی۔ وہ جانتی تھیں بہت جلد بے رخی اور دلگیری کے اذیت ناک سحر سے نکل کر محبت کی نگری میں چلی جائیں گی جہاں ان کی تعظیم کی جائے گی، لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے احترام اور انسیت ہوگی جو پتھر نہیں...... ان کے ہر آنسو ہر غم کا حساب رکھیں گے۔ رات بھر وہ خود کو اک دوراہے پر کھڑا محسوس کرتی رہیں بالکل ویسے جب وہ یہاں آئی تھیں وہ وقت ایک بار پھر گھوم پھر کر لوٹ آیا تھا مگر اب کی بار کچھ تغیر نہیں ہونا تھا بس اپنے مرکز کی طرف لوٹنا تھا۔ اس قفس میں رہ کر نہ وہ ہمیشہ کے لیے گاؤں کے رشتوں کو چھوڑ سکتی تھیں نہ ہی بیٹے کے لیے رہے سہے احساس کو کھونے کا حوصلہ تھا۔ ان کی جان گویا کئی سمتوں میں بٹ چکی تھی۔ وہ دیر تک یادوں کے زیر اثر اپنی ذات روندتی رہیں۔

''اگر یہ سب مقدر ہے تو یہاں ان پر بوجھ بن کر رہنے کا فائدہ......؟'' ان کی حالت ان کے غم کا غماز تھی۔ وہ برسوں کی تھکن جھکے کاندھوں سے محسوس کرنے لگیں۔ کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹ کر تھکی ہاری آنکھیں سو گئیں۔ آج وہ تہجد بھی نہ پڑھ سکیں۔ فجر کی نماز قضا ہونے سے بچ گئی انہوں نے شکر بجالایا۔ ناشتے کے بغیر وہ تسبیح کے دانوں کو رولتی بیٹے کی منتظر رہیں۔ اس دوران سوچ کا دھارا گاؤں کے خوشگوار ماحول کی طرف لے گیا تہجد چھوٹنے کا افسوس ابھی تک تھا اس موئے الارم کی چیخ و پکار سے انہیں الجھن ہوتی تھی۔ وہ تو اپنے ملک کو ترس گئی تھیں جہاں پانچوں نمازوں کی جان افزا اذانیں پورا دن خوشگوار بنا دیتیں۔ خاص کر فجر کی اذان

نیا سال

رات کی اڑتی ہوئی راکھ سے بوجھل ہے نسیم
یوں عصا ٹیک کے چلتی ہے کہ رحم آتا ہے
سانس لیتی ہے درختوں کا سہارا لے کر
اور جب اس کے لبادے سے لپٹ کر کوئی
پتا گرتا ہے تو پتھر سا لڑھک جاتا ہے
شاخیں ہاتھوں میں لیے کتنی ادھوری کلیاں
مانگتی ہیں فقط اک نرم سی جنبش کی دعا
ایسا چپ چاپ ہے سنولائی ہوئی صبح میں شہر
جیسے معبد کی مرجھائے ہوئے مذہب کا
سر پہ اپنی ہی شکستوں کو اٹھائے ہوئے لوگ
اک دوراہے پہ گروہوں میں کھڑے ہیں تنہا
یک بیک فاصلے تانبے کی طرح بجنے لگے
قدم اٹھتے ہیں تو ذرے بھی صدا دینے لگے
درد کے پیرہن چاک سے جھانکو تو ذرا
مردہ سورج پہ لٹکتے ہوئے میلے بادل
کسی طوفان کی آمد کا پتا دیتے ہیں

کلام: احمد ندیم قاسمی
پسند: حمیرا انجم، واہ کینٹ

جب خدا کی ربوبیت اس کی شان میں ایسے لفظ سارے میں گونجتے ہیں۔ تو ہر سو ایک فسوں سا پھیل جاتا ہے۔ دل میں مترنم شکر کے گلے جاری ہو جاتے۔ جبکہ یہاں سب کچھ مصنوعی تھا۔ سانس لیتے ہوئے بھی ڈر لگتا گویا قبر میں مردہ سانس لے رہا ہو۔

اس انجانی مٹی سے اپنی مٹی ہی بھلی...... اس دن سمیر انہیں وہاں دیکھ کر چونک گیا۔ انہوں نے جلدی سے مدعا بیان کیا۔ بغیر کوئی گلہ شکوہ کیے، احساس تو برف کی سلوں کی طرح جمے ہوئے تھے۔ مدھم لو کی حرارت ان کے آگے بے دم ہو رہی تھی۔ وہ چپ سادھے رہیں جانتی تھیں۔ شکوے وہاں جچتے ہیں جہاں دل

ہوں، یہاں تو مشینری کی باس میں سانس لیتے ہوئے بے حسوں کو گوشت پوست کے انسانوں کا احساس دلانے کی کیا تک بنتی ہے۔ رشتوں کے پیمانے تو ان کے کچے گھروں میں ہوتے ہیں جہاں کے لوگ سچے ہوتے ہیں۔ ان کا مدعا سن کر سمیر حیران تو ہوا مگر کچھ کہا نہیں...... بس بے تاثر انداز میں سر ہلا کر چلا گیا۔ وجہ پوچھی نہ رکنے کا اصرار کیا...... ہر تکلف سے آزاد چپ چاپ ان کے جانے کا بندوبست کر دیا۔ جاتے سے انہوں نے ان سنگدل لوگوں کو دیکھا جن کے دل اپنے سنگ مرمر کے محل کی طرح سخت اور چکنے تھے۔ احساس کی ہر بوند پھسل جاتی اور انہیں اندازہ بھی نہ ہوتا...... ہر قدم اٹھاتے ہوئے وہ پیچھے مڑ کر دیکھتیں...... اس آس میں کہ شاید سمیر انہیں روکے اور وہ ناراضی کا اظہار کیے بغیر واپس اس کے ساتھ چلی جاتیں مگر وہ انہیں روکنے نہیں آیا۔ گویا وہ یہی چاہتا تھا۔ ماں گلے کا طوق بن گئی تھی جس سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ اذیت سے ان کے لب بھنچ گئے۔ وہ سفر کیسے کٹا انہیں اندازہ نہ ہو سکا۔ وہ تو بس بے جان وجود گھسیٹتی بیٹے کے تھمائے ہوئے پیسوں اور پاسپورٹ کو تھامے منزل کی طرف رواں دواں ہو گئیں۔

اولاد بیچ منجدھار چھوڑ جاتی ہے جب ساری ریاضت کے حساب کا دن آتا ہے۔ منہ پھیر کر اپنا، اپنا رستہ چن لیتی ہے۔ جبکہ ماں، باپ کے دل پھر بھی بدگمان نہیں ہوتے کیونکہ یہی ان کا اعجاز ہے ان کے دل تو کھلے میدان کی طرح آسمان کی وسعتوں کی طرح وسیع و عریض ہوتے ہیں ان کی شفقت اور محبت کا کوئی سرا کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔ اس کا اختتام کسی باڑھ پر نہیں ہوتا جب ہی تو خدا کی رضا باپ میں اور جنت کا حصول ماں کے قدموں میں ہے۔ اگر کوئی اپنی جنت کھونا چاہے تو سود و زیاں کا ہر حساب بے باق ہو جاتا ہے۔

''یہ لو چابی لو......'' ماضی کی دھند چھٹی تو منظر پھر بھی صاف نہ تھا کیونکہ آنکھوں میں یاد کی مٹی پڑ جائے تو نمکین پانی منظر دھندلا دیتا ہے۔ ماضی سے حال تک کا سفر لمحوں میں طے ہوا تھا۔ یہ زیست کی کتاب ورق، در ورق پلٹو مگر وقت صرف ایک لمحہ یا ایک پل ہی لگتا ہے بغیر یہ ادراک کرائے کہ جو گزرا وہ تو صدیوں پہلے کی بات ہے۔ ہر کہانی خود کو دہراتی ضرور ہے۔ لیکن کردار بدلنے کی عادت ضرور پورا کرتی ہے۔ یہ ہی المیہ ہے۔ وہ گم صم چائے کی پیالی کی سطح گھورتیں موجودہ منظر سے غافل تھیں۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ دیوانی معلوم ہوتی تھیں۔ سلیمان صاحب بغور حزن و ملال کی تصویر بنی سمیعہ بیگم کو دیکھتے رہے۔ غم نے ان پر اپنی سفاکی کے بڑے گہرے نشان چھوڑے تھے۔ کافی کٹھن ہوتا ہے تمام تر کڑی آزمائشوں سے گزر کر بھی خلافِ توقع ہار ملنے پر زندگی کے سامنے جمے رہنا۔ وہ دھیرے سے اٹھے اور ان کے قریب آ بیٹھے۔ کتنے ارمان تھے، کتنے خواب تھے جو دونوں نے یکساں اپنی آنکھوں میں سجائے تھے۔ مگر سب کچھ خواب ہی رہا۔ بس تعبیر کے نام پر ایک بھیانک حقیقت منہ کھولے رہی۔ وہی تو تھے ان کے غمگسار وہ جانتے تھے کہ وہ کرچی، کرچی وجود لیے آئی ہیں۔ اپنی ممتا کا بوجھ سہار رہی ہیں۔ لیکن وہ خود سے زیادہ انہیں بہادر سمجھتے تھے۔ وہ خوفزدہ تھے وہاں کے خوچکاں ماحول سے ان کی زندگی ہار جائے گی۔ جبکہ وہ وہاں سے زندہ لوٹ آئی تھیں۔ بظاہر صحیح سلامت کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ وہ جیتے جی مر چکی تھیں۔ وہ فیصلہ کر کے یہاں آ گئی تھیں۔ اتنے خواس میں تو تھیں کہ کوئی تو تھا ان کے انتظار میں ہمہ وقت نظریں بچھانے والا، کسی کو تو اُن کی ضرورت تھی۔ کسی کونے میں پڑا کباڑ نہیں تھیں وہ جسے پھینکا اور بھول گئے۔ سمیعہ بیگم کی وقعت تو کوئی سلیمان صاحب کے دل سے پوچھتا، کتنی معتبر کتنی عزیز از جان تھیں وہ انہیں......

''اگر سمیر ہمیں بھول چکا تھا تو کس لیے مجھے ساتھ لے گیا تھا سلیمان......! ہم نے تو اس کی محبت میں آنکھوں کا نور بھی کھو دیا۔'' برسوں بعد صبر میں دراڑ پڑنے لگی تو الفاظ شکوہ بن کر لبوں سے نکلے۔ برسوں کا بھرم لمحے میں ٹوٹ گیا۔

"شاید ہماری محبت میں وہ تاثیر ہی نہیں تھی۔ ہماری محبت ہی بے جان تھی۔ ہم نے خود ہی اسے اپنے آپ سے دور کر دیا۔" وہ سسکیاں لینے لگیں۔ سلیمان بھی دلگیر ہو کر انہیں اپنا محاسبہ کرتے دیکھتے تڑپتے رہے۔ وہ اب بھی معصوم تھیں، اپنے حق کے غاصب کو کوسنے کے بجائے خود پر جرم عائد کر رہی تھیں۔

"وہ بے قدرا ہے سمیعہ...... پتھر ہے وہ ہماری محبت کی لو نے تو ہمارے وجود تک کو جھلسا دیا۔ وہی پتھر نکلا......" گئے دنوں پر صفِ ماتم بچھ گئی۔ وہ دیر تک اپنی جلتی ناؤ کے دھوئیں میں منتشر الخیال رہے۔ انہوں نے سودا ہی بڑا مہنگا کیا تھا۔ بیٹے کو بڑا آدمی بنانے کی چاہ میں خود کو پستی میں گرا دیا۔

گاؤں کی ریت باہر کی دنیا سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ یہاں ماں، باپ کو سر آنکھوں پر بٹھا کر ان سے دعائیں بٹوری جاتی ہیں اور وہاں بڑے، بڑے گھروں میں ان کے لیے جگہ تنگ پڑ جاتی ہے۔ پھر کسی گھر کا کونہ ان کا نصیب ہوتا ہے اور لاتعلقی ایسی کہ خون سفید پڑ جاتا ہے۔ بالآخر اولڈ ہاؤس آباد ہو جاتے ہیں۔ یہ مشرقی روایات ہیں نہ کسی تہذیب کا حصہ بلکہ یہ تو احترام کا وہ احساس ہوتا ہے جو ہر ذی روح میں ہونا چاہیے۔ چڑیا بھی کیسے مشقت کا بار اٹھا کر منہ میں دانہ، دانہ رزق لا کر بچوں کے منہ میں ڈالتی ہے انہیں بڑا کرتی ہے۔ بے پر کو اڑنا سکھاتی ہے پھر قدرت کا یہ اصول ہے کہ پہلی اڑان بھرتے ہی وہ اس آشیانے کے تمام احسانات فراموش کر کے اوجھل ہو جاتے ہیں...... رشتے ناتے یہیں تمام ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بلندیوں کی نئی کھوج میں نکل جاتا ہے...... کہتے ہیں انسان جو کرتا ہے وہ وہی بھرتا ہے......

سمیعہ بیگم کو وہ دن بھی یاد تھے جب وہ شبانہ روز ساس، سسر کی خدمت میں لگی رہتیں ان ہی کی رضا و خوشنودی میں اپنی خوشی ڈھونڈتیں...... ان کا ایمان تھا کہ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ یہ دنیا مکافاتِ عمل ہے اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو۔ مگر قسمت کا پھیر بڑا عجیب ہوتا ہے، صبر کے بدلے مزید صبر کی تاکید کرتا ہے۔ بیٹا ماں، باپ کو تن تنہا چھوڑ کر اپنی دنیا بسانے چلا گیا۔ جبکہ انہوں نے تو ایسا نہیں کیا تھا پھر بدلے میں یہ سب کیوں؟ آج انہیں معلوم ہوا یہاں اس فانی دنیا میں ادلے کا بدلہ ہی نہیں بلکہ بے گناہی کی بھی سزا ملتی ہے۔ انصاف تو ایک ہی جگہ ملتا ہے خدا کے ہاں اور بس...... ان کی زندگیاں طوفان گزار کر تھم گئی تھیں، اولاد ہوتے ہوئے بھی زندگی بے اولادی کی کسک میں جی رہے تھے۔ جی کیا رہے تھے وہ تو محض سانسوں کی گنتی پوری کر رہے تھے جو تقدیر میں لکھی تھیں۔

لوگ ان کی بزرگی اور بڑائی سے واقف تھے۔ ان کے غم میں ساجھے دار وہ دکھوں کو بانٹ کر جیتے تھے، خوشیوں کو ساتھ مل کر مناتے تھے۔ یہی رواج تھا، یہی رسم تھی یہاں کی، ان کی اداسیاں آزردگیاں بہانے، بہانے سے بہلتی رہیں، غم ٹکڑوں میں بٹ کر ہلکا محسوس ہونے لگا۔ غم کی شدت کم ہونے لگی، منجمد خون ایک بار پھر محبتوں کی حرارت پا کر رگوں میں دوڑنے لگا۔ زندگی دور کھڑی مسکرانے لگی۔ سمیعہ بیگم کو کانٹے وجود میں کلیوں کے ظہور سے ہلکا سا گداز محسوس ہونے لگا۔ محلے کے بچوں سے کھیلتے پیار کرتے ہوئے ان کی توجہ بٹ گئی۔

"نانی" کے نام سے مشہور ہو کر وہ بچوں کی من پسند شخصیت بن گئیں۔ اجڑا آنگن ان کی قلقاریوں سے گلشن بن گیا۔

آزردگی کا بسیرا تو لہو کی روانی سے متصل تھا باہر کے قہقہوں میں مسکراہٹوں کی بوچھاڑ کچھ سے کے لیے غم سے دور لے جاتی مگر تنہائی ملتے ہی زخم پھر سے ادھڑنے لگتے ایک، ایک کر کے کھرنڈ اترتے۔ پھر وہی اذیت وہی عذاب...... سلیمان صاحب سمجھ سکتے تھے ان کے دل کی کیفیت لیکن اس درد کا درماں تو ان کے پاس بھی نہ تھا۔ مرد چاہے باپ کے روپ میں کیوں نہ ہو پھر بھی مضبوط اعصاب کی بدولت بڑے سے بڑا دکھ جھیل جاتا ہے جبکہ عورت خواہ کتنے ہی بہادری کے دعوے کر لے صنفِ نازک ہی رہتی ہے۔ کانچ کے احساسات لیے جیتی ہے۔ بہت حساس، حد درجہ معصوم اور نرم خو ہوتی ہے۔ یہ عورت ماں کے روپ میں وہ

آنسو جو آہ بن کر اولاد کی بے رخی، بیگانگی کی وجہ سے نکلتے ہیں وہ انہیں تو نظر نہیں آتے لیکن عرش ان کی تکلیف پر لرز اٹھتا ہے۔

عید تھی میلوں، ٹھیلوں کی تیاریاں صبح ہی صبح مکمل ہوئیں۔تو وہ گھر مٹھائی لیے لوٹے۔ وہ ٹھٹک کر رک گئے کیاری کے سامنے اکڑوں حالت میں سمیعہ بیگم اداس بیٹھی تھیں۔ ان کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اب وہ بے آب و گیا اجڑی کیاریاں ان کی محنت سے صاف ستھری ہوگئی تھیں مگر آباد نہ ہوسکیں۔ ورنہ بیج بوئے تو کافی عرصہ ہوگیا تھا۔

”امیدوں کی طرح زمین کے سینے میں وہ بیج بھی دم توڑ گئے شاید ...... سلیمان صاحب نے سوچا۔

انہوں نے محبت پاش نظروں سے انہیں دیکھا اور تشفی کے انداز میں ان کا کندھا ہلایا۔ وہ بغیر کسی ... ردِعمل کے بیٹھی رہیں۔ ان کا یہ خاموش انداز انہیں .... بے کل کر دیتا وہ چاہتے تھے کہ وہ دل کا غبار نکالیں تا کہ اندر کی گھٹن کچھ تو کم ہو...... ان کے جھریوں زدہ چہرے پر غم کی الم ناک پرچھائیاں ہویدا تھی۔ نقاہت ان کے انگ، انگ سے چھلک رہی تھی۔ کل رات سے بھوکی تھیں کچھ کھایا پیا نہیں تھا، بس خاموشی سے کبھی دیواروں کو کبھی خلا میں گھورنے لگتیں۔ تنہائی آج گھیر کر حملہ کر رہی تھیں۔ گو کہ سلیمان ان کے ساتھ تھے لیکن ہر ذات سے جدائی الگ، الگ ہجر کا عذاب دیتی ہیں۔

سمیعہ بیگم نے اپنے امڈتے آنسو چھپانے کے لیے گھٹنوں پر ماتھا ٹیک دیا۔ اتنی بے بسی کیوں لکھ دی تھی کاتب تقدیر نے ان کے نصیب میں۔

”اتنی خاموش کیوں ہو مجھ سے کہہ دیا کرو...... کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔“ انہوں نے ملائمت سے پوچھا تو دل بھر آیا۔

”آپ سے کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے پھر بتا کر وقت کیوں ضائع کریں۔ ہم ایک ہی کشتی کے تو سوار ہیں......“ انہوں نے سر اٹھا کر ڈبڈبائی نظروں سے شوہر کو دیکھا جہاں سپاٹ، بے تاثر چہرہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔ انہیں ناگوار لگا کہے بنا نہ رہ سکیں۔

”آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ سمیر کو بھول چکے؟ آپ کو میرے سمیر سے بالکل بھی پیار نہیں رہا...... کیوں؟ آخر کیوں آپ باپ ہو کر بیٹے سے متنفر ہیں۔“ وہ اب بھی سمیر کی ڈھال بنی انہیں شکوہ کناں نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ دنگ رہ گئے۔ واقعی ماں کا ہر رنگ نرالا ہے، خدا یوں ہی تو ماں کا حوالہ دے کر اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا بندے سے...... ماں کی محبت کا نور تو ساتوں آسمان تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ انہیں رشک تھا ان پر اور فخر بھی......

”تم نے بیٹے سے محبت کی، تمہیں کیا ملا؟ کچھ بھی تو نہیں پھر بھلا میں اس خود غرض، بے مروت کے پیار میں کیوں خود کو ہلکان کروں۔ میں اتنا بے وقعت نہیں کرسکتا خود کو...... وہ بد بخت تو خدا کو بھول کر خود کو بھولا ہوا ہے۔ اسے ہم کیا یاد آئیں گے ناہنجار......... بے غیرت، جونک نکلا...... ہمارا ہی خون چوس کر لہو کے ناتوں سے مکر گیا۔“ چیختے آہ و بکا کرتے دل کو مسل کر وہ طیش میں بولے۔ وہ سہم گئیں ان کی سوچ سے۔

”پھر بھی آپ باپ ہیں سمیر کے...... خدا کے لیے سمیر کو برا مت کہیں...... میں نہیں چاہتی جس عذاب سے ہم گزرے ہیں وہ اس کے پاس بھی پھٹکے......“ ایک ماں کا ظرف ہی تھا ورنہ کسی اور رشتے میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ اپنے ہی لہو بہتے زخموں کو کھرچ کر ناسور بنائے...... وہ مرد تھے اس لیے منہ سے اتنی بڑی بات نکل گئی۔ محبت کا جذبہ اندر کہیں ڈوبا پڑا تھا۔

”اس کا باپ تب تھا جب اسے ہماری ضرورت تھی۔ اب تو وہ ہمارا باپ ہے، میں اپنا فرض نبھا چکا...... وہ اپنا فرض بھولا ہوا ہے۔“ کہتے، کہتے انہیں اپنے آپ سے اجنبیت محسوس ہوئی۔ انہوں نے ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں کمال مہارت سے منہ پھیر کر چھپالیں جو گرم سیسہ بن کر گالوں پر بہنے لگا۔ مرد کی انا جو مجروح ہوتی ہے آنسوؤں کے بہنے سے۔ وہ دن بڑا اداس گزرا اور رات تو قیامت بن گئی۔ بلڈ پریشر کی وجہ

سے سمیعہ بیگم کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ ماسٹر کلیم کا پوتا اپنی گاڑی میں انہیں شہر لے گیا وہاں پہنچتے، پہنچتے سانسوں نے بھی ہمیشہ کی طرح وفا نہ کی وہ سلیمان صاحب کو داغِ مفارقت دے گئیں۔

وہ ہارٹ سرجن بیٹے کو کال ملاتے رہے مگر ہنوز رابطہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں لڑھکتے چلے گئے۔ سمیعہ بیگم زندگی کی طرح موت کے وقت بھی خالی ہاتھ رہیں۔ اور ویسے بھی یہاں سے جاتے ہوئے کب ہاتھوں میں کچھ ہوتا ہے۔ بس اعمال کی گٹھری ہوتی ہے صبر کا چھایا شکر کا بچھونا ساتھ میں ہوتا ہے۔ اور توکل کا نور قبر میں ساتھ دیتا ہے باقی سب مایا ہے' یہ اولاد، زر، زمین، دولت سب کچھ بے پایاں ہونے کے باوجود مایا ہی ہے...... اس رات یادوں کا مہیب سناٹا دل میں اتر گیا وہ دیر تک بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہے، نیند کسی طور نہیں آرہی تھی۔ وہ رات جاگتے ہوئے گزر گئی۔ فجر کی نماز پڑھ کر جب وہ سونے لگے تو دکھوں نے آگھیرا۔ بیٹے کی آس میں جیتی ماں پرایوں کے کاندھوں پر وداع ہوئی۔ اب ان کی باری تھی۔ انہیں یہ ہی اذیت رہی، موت تو برحق ہے ہر ذی روح کو آنی ہے۔ نہ ہی وہ ٹلتی ہے نہ ہی اجل اپنا لقمہ چھوڑتی ہے۔ اس ماں کا قاتل تھا یہی بیٹا کچھ نہ دے کر بھی موت دے گیا۔ وہ ہارٹ سرجن جو لوگوں کی بگڑتی دھڑکنوں کو معمول پر لاتا تھا آج اس کی ماں اس کی غیر موجودگی میں اپنی دھڑکنیں گنوا بیٹھی۔ ان کی موت اسپتال تاخیر سے پہنچنے سے ہوئی۔ وہ بیٹا جسے مسیحا بنانے کی آس میں خود کو گروی رکھ دیا قسمت کے پاس وہ آج ان کا ہی قاتل بن بیٹھا۔ ان کے خون کا ایک، ایک قطرہ تک نتھار لیا۔ اگر وہ ساتھ ہوتا تو یوں روز، روز مر کر نہ جیتیں نہ ہی بے آسرا ہو کر مرتیں۔ سلیمان صاحب اب بھی نا امید نہیں تھے اب بھی ایک امید باقی تھی۔ صبر کا ثمر ملنے کی، وہ خدائے برتر و منصف جو کسی کا حق غصب نہیں کرتا وہ ضرور ان کے صبر کی جزا دے گا۔ مسلسل سوچ کر بے چینی، سکون کے آگے ٹک گئی کوئی سرا تو مل گیا۔ اب خالی ہاتھ نہیں تھے وہ ایک امید تھی جس کا صلہ ملنے کا یقین تھا۔ انہوں نے خواب میں سمیعہ بیگم کو دیکھا بہت خوش، مسرور، مسرت ان کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ ہر طرف ان کی ہنسی گونج رہی تھی۔ وہ وہاں اکیلی نہیں تھیں۔ بہت سارے بچے ان کا گھیرا کیے ان سے باتوں میں مشغول تھے۔ ان کے قدم رک گئے انہیں دیکھ کر وہ پاس آئیں۔

''یہ دنیا بہت حسین ہے سمیر کے ابو، یہاں دیکھو بہت سے سمیر ہیں، ہماری دنیا کے وہ ہمارے ادھورے بچے جنہیں ہم بھول چکے تھے مگر وہ ہمیں نہیں بھولے۔ انہیں ہم سے بہت پیار ہے، وہ ہمیشہ آپ کا پوچھتے ہیں۔ جب آپ آئیں گے ہو تو بہت خوش ہوں گے۔ یہی ہماری جنت ہے، ہمارے صبر کا پھل......'' انہیں اپنے مردہ بچوں کا خیال آیا۔ سات بچوں کی مردہ پیدائش کے بعد ہی بے انتہا منتوں، مرادوں سے سمیر ان کی زندگی میں آیا تھا۔ یہ دنیا کتنی مکمل تھی محبت کے نام سے۔ اور وہ دنیا مصنوعی رنگوں سے سجی ایک خواب...... آنکھ کھلی اور خواب محو ہو گیا۔ نیند میں وہ کب اس جہاں سے چلے گئے انہیں محسوس تک نہیں ہوا۔ کوئی درد نہ اذیت بس آنکھ بند کرنے اور کھلنے کا لمحہ لگا تھا۔ یہاں سے وہاں کی مسافت طے کرتے۔ اپنی جنت میں قدم پڑتے ہی انہیں باور ہو گیا۔ ساری زندگی کانٹوں پر گزارنے والوں کو موت گلاب کی سیج پر آتی ہے...... درد کی جگہ گداز شیریں سا احساس ہوتا ہے...... یہی تو ہے صبر کا ثمر...... بہت ہی حلاوت بھرا جو ساری زندگی کی تھکن اتار لیتا ہے، ٹنڈ منڈ درختوں سے نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ کیونکہ آس کو مات نہیں...... آج ان کے آنگن میں ان کے محلے کے بچے کھیلتے ہیں، پڑھتے ہیں انہیں یاد کرتے ہیں اس لیے کہ سلیمان صاحب نے سمیعہ بیگم کے کہنے پر ہی یہ گھر گاؤں کے بچوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ ظاہری طور پر نہیں تھے تو کیا ہوا ان کی روحوں سے یہ گھر آباد تھا۔



ناولٹ

مجھے آواز دے لینا

سباس گل

دوسرا اور آخری حصہ

"جی بھابی...... اس میں برائی کیا ہے؟ ہمارا رشتہ مزید مضبوط ہو جائے گا۔ لاکھوں میں ایک ہے میرا بیٹا اور آپ کو پتا ہے اسما کی شادی پر ہر کوئی آرب کے بارے میں ہی سوال کر رہا تھا۔ اس کی منگنی، شادی کی فکر ہم سے زیادہ محلے اور خاندان والوں کو ہو رہی تھی مگر ہم نے تو حمسہ کو اپنے آرب کی دلہن بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا لہٰذا ان لوگوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی خواہ مخواہ لوگ اپنی بہن، بیٹی کے رشتے کے لیے آس لگا کر بیٹھ جاتے...... یہ تو غلط ہوتا ناں اب بھابی......" زرقا نان اسٹاپ بولتی چلی گئیں۔

"بس کرو زرقا سانس تو لے لو، نان اسٹاپ بولتی چلی جا رہی ہو......" انیق حسین نے انہیں گھورتے ہوئے ٹوکا تھا۔

"آرب سے بات کی تم دونوں نے......؟" شفیق حسین نے پوچھا۔

"نہیں، ہمیں یقین ہے اسے ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" انیق حسین نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ابھی تو گھر کا کچھ کرنا ہے بعد میں دیکھیں گے، ہتھیلی پر سرسوں نہیں جماتے میاں۔"

"مطلب آپ کو اعتراض ہے اس رشتے پر؟"

"انیق! کیوں اتنا نگیٹو سوچ رہے ہو؟ میں نے ایسا ویسا کچھ نہیں کہا آرام سے، تسلی سے بات کریں گے اس موضوع پر اور بچوں کی رائے بھی تو ضروری ہے۔" شفیق حسین نے نرمی سے جواب دیا۔

"جی بالکل......" انیق اور زرقا نے یک زبان ہو کر کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

☆☆☆

"کر دی ناں دیر بات کرنے میں، کب سے کہہ رہی تھی کہ بھائی بھابی سے حمسہ کا رشتہ مانگ لیتے ہیں، وہ اپنی بیٹی کے سمدھیانے کو گھر خالی کرنے کا ہرگز نہیں کہتے۔" زرقا نے اپنے پورشن میں آ کر شوہر کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان کی بات پھر بھی درست ہے، یہ کالونی اب کمرشل ہو گئی ہے جانا تو ہمیں پڑتا رشتہ طے ہونے پر بھی۔"

"مگر خیال تو رکھتے بھائی جان اور ایک دم سے وہ یہ گھر کیسے بیچ سکتے ہیں؟ یقیناً انہوں نے اپنے لیے گھر کا بندوبست کر لیا ہے جبھی وہ گھر بیچنے کی بات کر رہے ہیں۔"

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں......" انیق حسین نے چونک کر کہا۔

"کام کی بات کہاں سوچتے ہیں آپ......" زرقا نے طنز کیا۔

"اب کیا کرنا ہے یہ سوچیں انیق حسین۔"

"مکان میں اپنا حصہ مانگنا ہے، وہ ہماری مرضی کے بغیر یہ گھر نہیں بیچ سکتے کیونکہ کاغذات تو ہمارے پاس ہیں ان کے پاس تو کوئی ثبوت نہیں۔" انیق حسین نے بڑے مکروہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"ایسا کر کے ہم بھائی، بھابی سے نظریں نہیں ملا سکیں گے، کھو دیں گے انہیں ہمیشہ کے لیے اور حمسہ کا رشتہ بھی نہیں ہو سکے گا آرب کے ساتھ۔" زرقا نے پریشان لہجے میں کہا تو وہ سر جھٹک کر گویا ہوئے۔

"تم کیا "حمسہ کے رشتے" کی گردان کیے جا رہی

ہو گھنٹے بھر سے...... آرب کے لیے لڑکیوں کی کمی ہے کیا؟ وہ خیر سے ڈاکٹر ہے لندن سے پڑھ کر آیا ہے۔ وہاں کے اسپتال میں پریکٹس کر رہا ہے، ہزاروں پاؤنڈز کما رہا ہے...... دو چار برس میں پاکستان میں اپنا شاندار بنگلا بنا لے گا اور ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندان کا رشتہ مل جائے گا ہمیں آرب کے لیے...... بس تم بے فکر رہو ہم کہیں نہیں جا رہے آرب کے پلاٹ پر بنگلا بننے تک ہم اِدھر ''حسین ہاؤس'' میں ہی رہیں گے۔''

''میرا دل بہت ڈر رہا ہے...... کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے۔''

''تمہارا دل کیوں ڈر رہا ہے جو کرنا ہے اب مجھے کرنا ہے۔'' انیق حسین نے سازشی انداز میں سوچتے ہوئے کہا۔

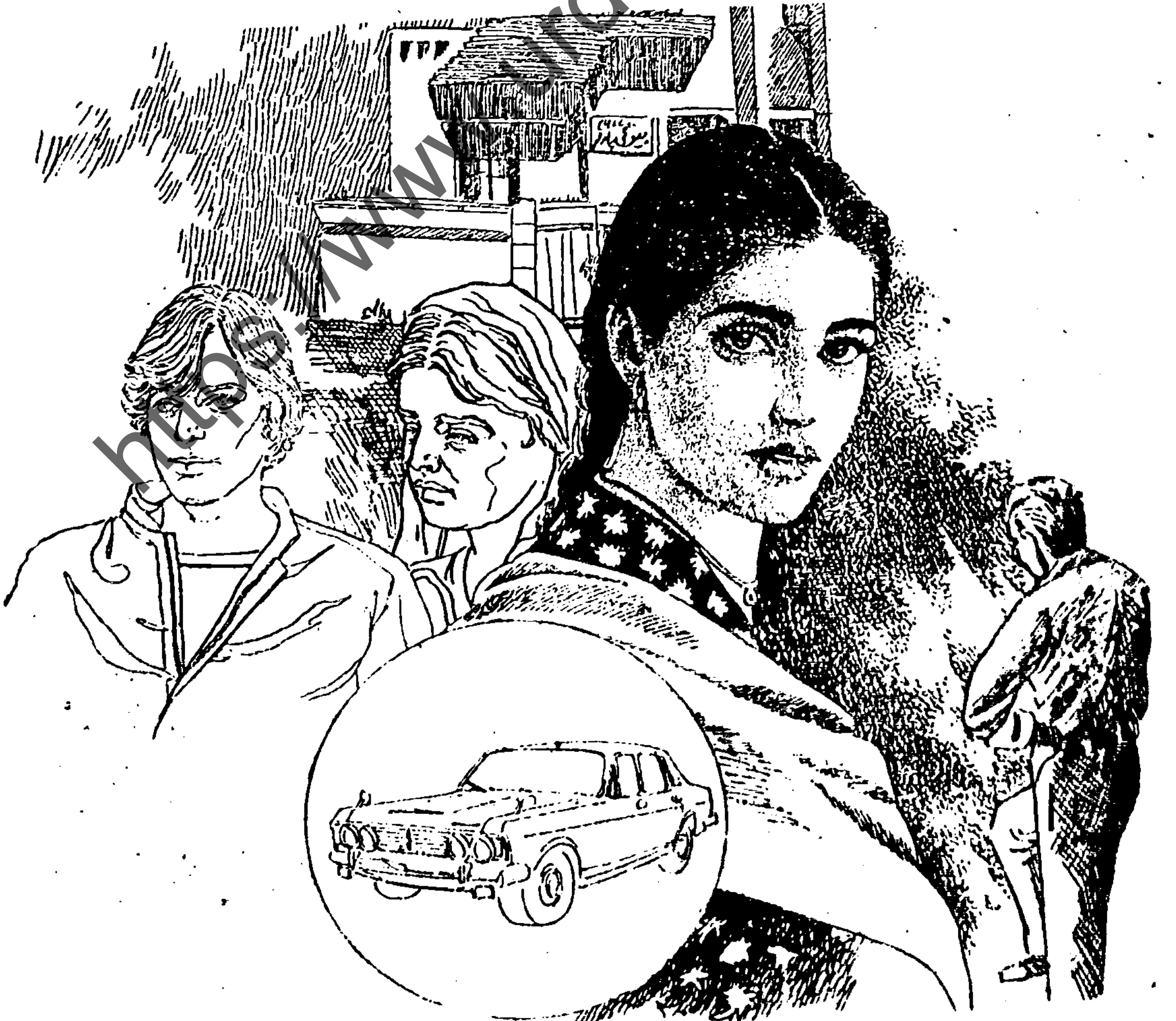
''اسی لیے تو دل ڈر رہا ہے، آپ سے کچھ صحیح ہوا بھی ہے۔''

''خاموش رہو......'' انیق حسین نے بھویں سکیڑ کر انہیں گھورتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ ''ہونہہ'' کہہ کر سر جھٹکتی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆☆☆

ہونٹ بے بات ہنسے
زلف بے وجہ کھلی
خواب دکھلا کے مجھے
نیند کس سمت چلی
خوشبو لہرائی، مرے کان میں سرگوشی کی
اپنی شرمیلی ہنسی میں نے سنی
اور پھر جان گئی
میری آنکھوں میں ترے نام کا تارہ چمکا

حمسہ کو بستر پر کروٹیں بدلتے رات کا ڈیڑھ بج گیا تھا مگر نیند کی جگہ آنکھوں میں آرب کی صورت چمک رہی تھی۔ جب سے زرقا چچی اور انیق چاچو نے امی، ابو سے اپنے بیٹے آرب کے لیے اس کا رشتہ مانگا تھا...... تب سے وہ حیرت، خوشی اور مسکراہٹ میں گھری تھی۔ آرب اسے اچھا لگا تھا۔ اتنے برس بعد آیا تھا بہت سوبر



اور کیئرنگ تھا......اس کے پاؤں کی چوٹ پر جس توجہ سے اس نے مرہم پٹی کی تھی، روز اس کا حال پوچھ رہا تھا۔اس احساس، اپنائیت اور خیال نے تو پہلے ہی حمسہ کے دل میں اس کی عزت بڑھا دی تھی۔اب شادی کے ذکر نے اسے انوکھے، الوہی اور خوشگوار جذبات اور احساسات سے دو چار کر رکھا تھا۔وہ خود بخود مسکرائے جا رہی تھی اور آرب کی صورت بند آنکھوں کی پتلیوں میں سمائے اس کے خواب و خیال میں گم وہ نیند کی وادی میں چلی گئی۔

☆☆☆

شام چار بجے کا وقت تھا آرب گھر میں داخل ہوا تو اس کی نظر لان میں موجود حمسہ پر پڑی وہ پودوں کو پانی دے رہی تھی۔وہ یوں خوش ہوا جیسے اسے حمسہ کو دیکھنے کی ہی چاہ تھی۔

''گڈ ایوننگ ینگ لیڈی۔''وہ مسکراتا ہوا ہاتھوں میں شاپنگ بیگز اٹھائے وہیں چلا آیا۔

''او......گڈ ایوننگ ینگ مین۔''حمسہ اس کی آواز پر پلٹی اور آرب کا وجیہہ سراپا جانچا۔مسکرا کر جواباً کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''پودوں کو پانی پلا رہی ہوں کافی دن سے نہیں پلایا تھا۔''

''اچھا یہ چھوڑو......دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟''وہ لان میں بچھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے شاپر میز پر رکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''کیا لائے ہیں؟''حمسہ نے پائپ سائڈ پر رکھا اور پانی کا نل بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''خود ہی دیکھ لو۔''آرب نے براؤن رنگ کا چھوٹا بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔حمسہ نے جلدی سے بیگ میں موجود سیاہ مخملی لمبی سی ڈبیا نکالی۔آرب کے ذہن میں یونہی خیال آیا کہ وہ اس کے ردِعمل کو وڈیو کی صورت ریکارڈ کر لے اس نے بہت راز داری سے اپنے موبائل پر وڈیو کا آپشن کلک کر دیا تھا۔

"oh wow ,its beautifull,I love it."

حمسہ نے ڈبیا کھولی تو اس میں بہت خوب صورت ڈیزائن والی نازک سی چاندی کی پازیب دیکھ کر خوشگوار حیرت سے بول اٹھی۔

''پسند آیا یہ گفٹ؟''آرب اس کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

''بہت، بہت زیادہ......تھینک یو سوچ، یہ بہت یونیک گفٹ ہے اور پیارا بھی، مجھے کبھی کسی نے پازیب گفٹ نہیں کی......تھینک یو۔''حمسہ خوشی اور جوش و جذبے سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''یو آر ویلکم......پہن کر دکھاؤ......''

''ابھی......؟''حمسہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں ابھی...میں بھی تو دیکھوں یہ تحفہ زیادہ خوب صورت ہے یا تمہارے پاؤں؟''

''ابھی پہنتی ہوں......''حمسہ اس کی بات پر ہنس کر بولی اور کرسی پر بیٹھ گئی میز کے کنارے پر پاؤں رکھا اور پازیب پہننے لگی آرب اس کی وڈیو بھی بنا رہا تھا اپنے پاس محفوظ رکھنے کے لیے۔

''دیکھیں کیسی لگ رہی ہیں؟''وہ دونوں پاؤں میں پازیب سجانے کے بعد اس کی رائے چاہ رہی تھی۔

''تمہارے پاؤں کی خوب صورتی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔''

''سچ......''وہ بچوں کی طرح خوش ہوئی تھی۔

''میں جھوٹی تعریف نہیں کرتا، تمہارے پاؤں واقعی بہت خوب صورت ہیں جبھی تو میں نے یہ گفٹ خریدا ہے۔سنا کرتے تھے کہ پرانے دور میں مرد تو لڑکی کے پاؤں دیکھ کر ہی عاشق ہو جاتے تھے تب ہم اس بات اور روئیے پر بہت ہنستے تھے لیکن......''

''لیکن کیا؟''حمسہ جو خوشی اور دلچسپی سے آرب کی بات سن رہی تھی اس کے خاموش ہونے پر بے تابی سے بولی۔

''لیکن تمہارے پاؤں دیکھنے کے بعد لگا کہ وہ

پاؤں یقیناً ''حمسہ حسین'' کے پاؤں جتنے خوب صورت ہوتے ہوں گے تو کسی کا عاشق ہونا غلط نہیں ہوگا۔''

آرب نے اس کے سندر، حسین چہرے کو اپنائیت اور چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ آرب کو محسوس ہوا جیسے اس کے چاروں جانب پھول کھل گئے ہوں۔

''آپ تو شاعرانہ باتیں بھی کر لیتے ہیں...... خیر یہ بتائیں کہ تحفے تو آپ نے ہم سب کو دیے تھے جو لندن سے لائے تھے پھر اس تحفے کی کیا ضرورت تھی؟''

''بھئی نیکسٹ ویک تمہارا برتھ ڈے ہے ناں! مجھے اچانک یاد آیا اور تمہارے لیے برتھ ڈے گفٹ خرید لیا۔''

''تو برتھ ڈے پر دیتے ناں ہفتہ پہلے کیوں دے دیا؟''

''کیونکہ پرسوں میری واپسی کی فلائٹ ہے۔''

''کیا......؟ آپ واپس جارہے ہیں؟'' وہ حیرت سے بولی۔ اس کی خوشی ایک پل میں ماند پڑ گئی تھی۔

''ہاں، اسپیشلائزیشن کر رہا ہوں، ایگزام کی ڈیٹ آگئی ہے مجھے فوراً واپس جانا ہے۔''

''آپ تو دو ماہ کے لیے آئے تھے۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''امی، ابو کو دو ہفتے کا بتاتا تو وہ غصہ کرتے کہ آئے ہی کیوں اتنا خرچہ ہوگیا وغیرہ، وغیرہ لہٰذا تھوڑا جھوٹ بولنا پڑا ویسے بھی ڈاکٹرز کو اتنی لمبی چھٹی نہیں ملتی، مکمل چھٹی کر دی جاتی ہے اگر طویل لیو پر جائیں تو......'' آرب نے اس کی اداسی کو محسوس کر کے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''ہوں، آئی کین انڈر اسٹینڈ......''

''گڈ......'' وہ مسکرایا۔

''اچھا، میں یہ امی کو دکھاتی ہوں......'' حمسہ نے پازیب کی طرف اشارہ کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ضرور......''

''تھینکس اگین'' حمسہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اندر چلی گئی آرب وہیں بیٹھا مسکرا دیا۔

☆☆☆

''اگلی بار آؤ گے تو تمہاری شادی کر دیں گے ہم، بھائی جان سے حمسہ کا رشتہ مانگا ہے ہم نے...... تمہیں لندن کی کوئی گوری تو پسند نہیں ہے ناں۔'' زرقا نے آرب کے ائرپورٹ کے لیے نکلنے سے پہلے کہا۔

''نہیں امی! مجھے پاکستان کی ''گوری'' ہی پسند ہے جس کا رشتہ آپ نے تایا جان سے مانگا ہے...... مجھے آپ کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں......'' آرب نے خوشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''جیتے رہو، اللہ تمہیں کامیاب کرے۔''

''آمین......'' وہ ان کے گلے لگ کر بولا۔

آرب سب سے ملنے کے بعد جب حمسہ کی جانب آیا تو اس کے مہتاب چہرے کو چاہ سے دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں بولا۔

''سنو......''

''جی......؟'' حمسہ نے اداسی سے اسے دیکھا۔

''انتظار کرنا اور اپنا خیال رکھنا۔''

''آپ بھی...... اللہ حافظ......''

آرب کے ایک جملے نے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی تھی وہ کسی معمول کی طرح اس کے چہرے کو تکتے ہوئے بولی۔ آرب نے بھی اس کے چہرے کو اپنی آنکھوں میں جذب کیا اور ''اللہ حافظ'' کہہ کر گیٹ کی جانب بڑھ گیا جہاں انیق حسین اور حمزہ گاڑی میں اس کے منتظر تھے اسے ائرپورٹ چھوڑنے جانے کے لیے۔

☆☆☆

''اُف! میری سمجھ میں نہیں آرہا آخر کہاں گئے وہ کاغذات...... میں نے تو یہیں رکھے تھے۔'' نجمہ بیگم ''حسین ہاؤس'' کی مکمل ملکیت والے کاغذات تلاش کر رہی تھیں جو انہیں مل نہیں رہے تھے کاغذات موجود ہوتے تو ملتے...... وہ تو زرقا نے چرا لیے تھے۔

''تم نے اچھی طرح دیکھا ہے، لا کر چیک کیا ہے؟'' شفیق حسین نے متفکر ہو کر استفسار کیا۔

''کر لیا ہے چیک...... سب جگہ دیکھ لیا کہیں

نہیں ہے۔‘‘
’’گھر میں سے کہاں جاسکتے ہیں کاغذات؟ تم کہیں رکھ کر بھول گئی ہوگی......‘‘
’’اتنے اہم کاغذات میں رکھ کر نہیں بھول سکتی ضرور کسی نے چوری کیے ہیں۔‘‘ نجمہ بیگم تھک کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔
’’کون چوری کرے گا؟‘‘
’’میں کچھ کہوں گی تو آپ برا منا جائیں گے۔‘‘
’’پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو صاف، صاف کہو کیا کہنا ہے؟‘‘
’’صاف بات یہ ہے کہ مجھے انیق اور زرقا پر شک ہے، کاغذات انہوں نے چرائے ہیں۔‘‘
’’کیا فضول بول رہی ہو، وہ ایسا کیوں کریں گے؟‘‘ شفیق حسین نے برا مناتے ہوئے خفگی سے کہا۔
’’اب یہ بھی میں بتاؤں......؟ شفیق صاحب بچے نہیں ہیں آپ...... بلکہ دنیا بھر کے بچوں کو پڑھاتے، سمجھاتے اور سکھاتے ہیں اور اتنی سادہ سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی۔‘‘ نجمہ بیگم نے تیز لہجے میں کہا۔
’’ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو، انیق اور زرقا نے اپنے بیٹے کے لیے حسہ کا رشتہ مانگا ہے وہ ایسا نہیں کرسکتے۔‘‘
’’وہ اس گھر میں رہنے کے لیے کچھ بھی کرسکتے ہیں، میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے احسان فراموش اور بے ایمان لوگوں میں نہیں کروں گی سن لیں آپ۔‘‘ نجمہ بیگم کا پارا ہائی ہوتا جارہا تھا۔ شفیق حسین الگ سر پکڑے پریشان بیٹھے تھے۔
’’اس میں آرب کا کیا قصور ہے، وہ تو نیک اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔‘‘ شفیق حسین نے کہا ان کا دل یہ سوچ کر ہی ڈوبا جارہا تھا کہ ان کے سگے بھائی نے انہیں دھوکا دیا ہے۔
’’اولاد تو وہ انیق اور زرقا ہی کی ہے ناں، کیا خبر کب وہ بھی رنگ بدلنے لگے......آپ میری یہ بات لکھ کے رکھ لیں، اس واردات میں آپ کا بھائی اور بھابی ہی ملوث ہیں۔‘‘
’’دل نہیں مانتا کہ میرا بھائی اس حد تک گرسکتا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ انیق اور زرقا نے وہ کاغذات نہ چرائے ہوں ایسے میں ہم ان سے سوال کرکے اپنا رشتہ اور تعلق خراب کرلیں گے۔‘‘
’’انیق کو بھنک بھی پڑ گئی ناں کے کاغذات گم ہوگئے ہیں دیکھیے گا وہ کیسے دھڑلے سے اس گھر پر اپنا حق جماتا ہے، مکر جائے گا وہ اپنا حصہ لے چکا ہے۔‘‘ نجمہ بیگم نے صاف گوئی سے کہا۔
’’میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔‘‘ شفیق حسین نے بے چینی سے اپنے سینے پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا نجمہ بیگم سنجیدہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔
’’اسما کی شادی کے دنوں میں زرقا میرے کمرے میں آتی رہی ہے......ضرور یہ اسی کا کام ہے کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے اسما کی شادی سے پہلے وہ کاغذات دیکھے تھے الماری کے لاکر میں موجود تھے۔‘‘
’’شادی کے دنوں میں تو اور رشتے دار بھی گھر میں آتے جاتے رہے تھے۔‘‘
’’ہاں......لیکن میرے کمرے میں صرف زرقا کے چکر لگتے رہے کوئی اور نہیں آیا ہمارے کمرے میں۔‘‘
’’ٹھیک ہے انیق سے گھر بیچنے کی بات کرتا ہوں، اس کی جو بھی نیت ہے وہ سامنے آجائے گی۔‘‘
’’نیت تو پہلے ہی سامنے آچکی ہے، آپ بات کرکے اپنی تسلی کرلیں۔‘‘ نجمہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اٹھ کر وضو کرنے چلی گئیں۔

☆☆☆

’’انیق! کل کچھ لوگ گھر دیکھنے کے لیے آرہے ہیں، انہیں پلازہ بنانے کے لیے اس علاقے میں جگہ درکار ہے تو جواد ہمدانی نے ان سے ہمارے گھر کا ذکر کردیا تھا لہٰذا وہ اب دیکھنے آرہے ہیں اگر انہیں پسند آگیا تو میں سودا کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا......‘‘ شفیق حسین نے صبح ناشتے کے بعد انیق اور زرقا کو بلا کر سنجیدگی سے بتایا...... نجمہ بیگم بھی وہیں آگئی تھیں لاؤنج

میں اپنا چائے کا کپ لے کر۔

''آپ ایسے کیسے سودا کر سکتے ہیں بھائی جان، میں یہ گھر نہیں بیچنے دوں گا آپ کو۔''

''اور تم ایسا کس حق سے کرو گے؟''

''مالکانہ حق سے...... یہ گھر آپ اکیلے کا تو نہیں ہے ناں...... میرے بھی باپ کا گھر ہے...... برابر کا حصے دار ہوں میں اس میں...... لہٰذا میری مرضی اور اجازت کے بغیر آپ یہ گھر نہیں بیچ سکتے۔'' انیق حسین نے ڈھٹائی اور بے شرمی سے گھر پر اپنا حق جتاتے ہوئے کہا تو شفیق حسین کے دل پر پتھر سا لگا تھا۔ وہ انیق کی دیدہ دلیری اور جھوٹ پر ششدر ہی نہیں شاکڈ بھی رہ گئے تھے۔ حمزہ اور حمنہ لاؤنج کی طرف آ رہے تھے ان کے بڑھتے قدم وہیں رک گئے وہ اپنے سگے چچا کی زبان سے یہ سب سن کر حیرت اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

''تمہاری مرضی اور اجازت...... ہوش میں تو ہو تم......؟ اس گھر میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے، تم اپنا حصہ پہلے ہی لے چکے ہو آرب کو لندن بھیجنے اور پڑھنے کے لیے رقم چاہیے تھی ناں تمہیں...... اب کیسے مکر سکتے ہو تم؟'' شفیق حسین نے صدماتی لہجے اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''بھائی جان! کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ میں اپنا حصہ لے چکا ہوں؟ کوئی ثبوت ہے تو دکھائیں، میں آج ہی گھر چھوڑ دوں گا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''لیں شفیق صاحب! ہو گیا ناں ثابت کہ وہ کاغذات انہی کے پاس ہیں، ان دونوں نے چرائے ہیں جبھی تو اتنے دھڑلے اور اعتماد سے جھوٹ بول رہا ہے یہ۔'' نجمہ بیگم نے کہا تو انیق حسین سٹپٹا سے گئے مگر اگلے ہی پل سنبھل گئے وار کیا تھا تو اب ہار کر پیچھے تو نہیں ہٹ سکتے تھے۔ زرقا تو عجیب مخمصے کا شکار تھیں کہ شوہر کے جھوٹ میں اُن کا ساتھ دیں یا بھائی، بھابی کو اس تکلیف سے باہر نکالیں۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرا سگا بھائی میرے

ساتھ اتنا بڑا دھوکا کر سکتا ہے...... ساری زندگی تمہارا خیال رکھا، احساس کیا، تمہارا قانونی حق، حصہ تک تمہارے مانگنے پر دے دیا اور تم نے میری پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا...... تمہارا خون اس قدر سفید کیسے ہو سکتا ہے۔ انیق؟'' شفیق حسین نے گہرے دکھ اور صدمے سے پُر لہجے میں کہا۔

''بھائی جان! جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے اگر آپ کے پاس کاغذات ہیں تو دکھائیں۔''

''کاغذات تم نے چرائے ہیں۔'' نجمہ بیگم نے انہیں خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''بھابی! الزام مت لگائیں۔''

''یہ الزام نہیں ہے سچ ہے، حقیقت ہے۔''

''تو ثابت کریں ناں ورنہ میرا حصہ دیں۔''

''تم اپنے حصے سے کہیں زیادہ لے چکے ہو مگر...... کم ظرف، بدنیت اور لالچی ثابت ہوئے ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' نجمہ بیگم غصیلے اور سپاٹ لہجے میں بولیں۔

''میں کہیں نہیں جانے والا...... آپ اپنی خیر منائیں۔'' انیق حسین نے کھڑے ہو کر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا زرقا بھی ان کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئیں۔ شفیق حسین اپنا دل تھامے نیچے جھکتے چلے گئے۔

''سن رہے ہیں شفیق! شفیق...... کیا ہوا آپ کو......؟'' نجمہ بیگم نے شوہر کے چہرے پر پسینے اور درد کے آثار دیکھے تو پریشان ہو کر چلائیں۔ حمزہ اور حمسہ بھی دوڑے چلے آئے۔ انیق حسین اور زرقا نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا پھر انیق حسین متفکر سے ہو کر بڑے بھائی کی طرف بڑھے۔

''بھائی جان! کیا ہوا آپ کو......؟''

''دور ہٹو...... خبردار اگر شفیق کے قریب بھی آئے۔'' نجمہ بیگم نے انہیں گھورتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ وہیں رک گئے۔

''ابو، ابو! آنکھیں کھولیں پلیز......'' حمسہ نے باپ کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بے چینی سے پکارتے ہوئے کہا۔ وہ بس ادھ کھلی آنکھوں سے اسے تکے جا رہے تھے دایاں ہاتھ دل کے مقام پر تھا۔

''حمزہ...... ایمبولینس کال کرو جلدی......''

''آپی، گاڑی میں لے کر چلتے ہیں اسپتال......'' حمزہ نے کہا تو...... اسے یاد آیا۔ گاڑی گھر میں موجود ہے۔ اور وہ ڈرائیو بھی کر لیتی ہے۔

''ہاں چلو فوراً ابو کو سہارا دو......''

''میں ساتھ چلتا ہوں......'' انیق حسین نے کہا۔

''تم نے ثابت کیا ہے انیق کے تم اپنوں کے ساتھ چلنے والوں میں سے نہیں ہو مگر یاد رکھنا اگر میرے شوہر کو کچھ ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' نجمہ بیگم نے شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ حمزہ اور حمسہ اپنے ابو کو سہارا دے کر باہر گاڑی تک لے گئے تھے۔ نجمہ بیگم کو انہوں نے گھر پر رکنے کے لیے کہا کیونکہ ان کی جو حالت ہو رہی تھی وہ ایک ساتھ دونوں کو کیسے سنبھالتے اور پیچھے انیق حسین اور زرقا کو گھر کھلا مل جاتا وہ مزید کوئی چوری، ہیرا پھیری کر سکتے تھے لہٰذا نجمہ بیگم لاک وغیرہ لگانے اور نمازِ حاجت پڑھنے کی غرض سے فی الحال گھر پر ہی رک گئی تھیں۔

☆☆☆

''زرقا! اگر بھائی جان کو کچھ ہو گیا تو......؟'' انیق حسین نے اپنے پورشن میں واپس آ کر بیوی کو دیکھتے ہوئے متفکر لہجے میں کہا۔

''تو سمجھیں سب ختم نہ یہ گھر ہمارا رہے گا اور نہ ہی رشتے۔''

''گھر تو ہمارا ہی رہے گا کاغذات ہیں ہمارے پاس۔''

''تمہیں اب بھی مکان اور کاغذات کی پڑی ہے، بھائی جان کی یہ حالت تمہارے دھوکے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ احساسِ ندامت یا احساسِ جرم تمہیں سکون اور خوشی سے کیا کبھی جینے دے گا انیق حسین؟ اللہ تو جانتا ہے ناں کہ کاغذات ہمارے پاس ہیں، ہم نے ہی چرائے تھے۔''

''ہم نے نہیں، تم نے......'' انیق حسین نے تصحیح کی۔

''ہاں تو تمہاری باتوں میں آ کر ہی چوری کی

تھی۔ تمہاری کام چوری کی وجہ سے یہ کرنا پڑا۔ ساری زندگی گزر گئی ایک پکی چھت تو تم دے نہ سکے مجھے اسی خوف سے کہ کہاں خوار کراؤ گے ہمیں کرلی چوری......'' زرقا نے احساسِ ندامت سے پُر لہجے میں کہا تو وہ بھڑک کر بولے۔

''اچھا اب سارا ملبہ میرے سر مت ڈالو، میں نے ہم سب کے بھلے کے لیے یہ سب کیا ہے...... دعا کرو بھائی جان کو کچھ نہ ہو ورنہ خواہ مخواہ بھابی بیگم مجھے قاتل بنادیں گی۔''

''خیر خواہ مخواہ تو نہیں......'' زرقا نے طنزیہ لہجے میں کہا اور نیچے چلی گئیں۔ نجمہ بیگم کو تسلی اور حوصلہ دینے کی غرض سے اگرچہ ان حالات میں یہ آسان نہیں تھا۔ مگر وہ کوشش کر کے ان کا غصہ کم کرنا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

شفیق حسین کو شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ ڈاکٹرز نے اگلے چوبیس گھنٹے اہم قرار دیے تھے۔ وہ آئی سی یو میں تھے۔ حمسہ اور حمزہ تو ہارٹ اٹیک کا سن کر ہی جیسے ڈھے گئے۔

''حمزہ! حمسہ! آپ دونوں یہاں کیا کررہے ہیں سب خیریت ہے؟'' آرب کا دوست ڈاکٹر معید کاریڈور سے گزر رہا تھا۔ ان دونوں پر نظر پڑی تو فوراً پاس چلا آیا اور فکر مندانہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

''معید بھائی! السلام علیکم......'' حمزہ نے اسے پہچانتے ہوئے سلام کیا...... حمسہ بھی اسما کی شادی میں ملی تھی معید سے تو وہ بھی اسے دیکھ کر پہچان گئی تھی۔

''وعلیکم السلام......! مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ آپ کیوں ہیں یہاں......؟'' ڈاکٹر معید نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے وہ آئی سی یو میں ہیں۔'' حمسہ نے اسے دیکھتے ہوئے بتایا۔

''اوہ نو...... باقی گھر والے کہاں ہیں؟ آئی من انیق انکل ان کو یہاں ہونا چاہیے۔''

''ان کی مہربانی سے ہی ابو کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' حمسہ نے تلخی سے کہا تو معید نے تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں سمجھا نہیں......''

''آپ سمجھ کر کیا ہی کرلیں گے معید بھائی...... ابو تو آئی سی یو پہنچ گئے۔'' حمسہ نے بڑے ضبط اور حوصلے سے جواب دیا۔

''پریشان نہ ہوں...... ان شاء اللہ......! انکل جلد صحت یاب ہوجائیں گے آپ وہاں جا کر بیٹھیں، میں ڈاکٹرز سے انکل کی حالت کے بارے میں معلوم کرتا ہوں اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ مجھے کہہ سکتے ہیں، میں اِدھر ہی ہوں میری ڈیوٹی ابھی شروع ہوئی ہے۔''

''شکریہ آپ کا......'' ان دونوں نے جواباً کہا وہ حمزہ کا کندھا تھپک کر آئی سی یو کی طرف چلا گیا اور حمزہ کو حمسہ نے گھر بھیج دیا تاکہ امی کو اپنے ساتھ اسپتال لے آئے۔

☆☆☆

اسما کی کال آئی تھی حمسہ کے موبائل فون پر حمسہ نے اسے ابو کے ہارٹ اٹیک اور اس کا سبب بھی بتادیا تھا اسما کو تو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کا باپ اتنا احسان فراموش اور دھوکے باز بھی ہوسکتا ہے اس نے حمسہ کو تسلی اور دعا دے کر کال منقطع کردی۔

☆☆☆

''بھائی جان آئی سی یو میں ہیں، انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے ان کی......'' زرقا نیچے سے ہو کر آئیں اور انیق حسین کو بتایا جو بے چینی کے عالم میں لاؤنج کا چکر لگا رہے تھے۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' وہ رک کر انہیں دیکھتے ہوئے بولے۔

''ابھی حمزہ گھر آیا تھا بھابی کو ساتھ لے کر چلا گیا ہے، اس نے بتایا ہے۔ تیار ہوجائیں ہمیں بھی اسپتال جانا ہے۔ بچوں کو ضرورت ہے ہماری، پریشان ہیں وہ دونوں اب یہ کارنامہ انجام دیا ہے تو سامنا کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کریں اپنے اندر، چلیں تیار ہوں۔'' زرقا نے انہیں ناراضی سے دیکھتے ہوئے

سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ فٹ سے بولے۔
''اگر بھائی نے غصے میں آکر وہاں سے جانے کے لیے کہا تو؟''
''تو صبر سے وہاں ہی کھڑے رہیے گا بس ان کی نظروں کے سامنے مت جایئے گا۔ چلیں اب ایک غلطی کر دی، دوسری غلطی کر کے تمام راستے بند کرنے ہیں کیا خود پر......؟''
''ہاں میں آتا ہوں چلتے ہیں فوراً۔'' وہ بوکھلا کر بولے اور کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے۔
☆☆☆
''تم کیوں آئے ہو اب؟ اپنے باپ جیسے شفیق بھائی کو موت کے دہانے پر پہنچا کر ان کی بے بسی کا تماشا دیکھنے آئے ہو یہاں......؟'' نجمہ بیگم نے جونہی دیور، دیورانی کو اپنے سامنے دیکھا وہ غصے سے بھڑک اٹھیں۔
''بھائی جان کو کچھ نہیں ہوگا بھابی...... ان شاء اللہ جلد صحت یاب ہو جائیں گے وہ۔ آپ پریشان نہ ہوں......''
''کیوں نہ پریشان ہوں...... تم کب سدھرو گے انیق...... یہ صلہ دیا ہے تم نے ہماری محبتوں اور مہربانیوں کا جس بھائی نے ساری زندگی تمہارا خیال رکھا گھر کی چھت دیے رکھی آج تم اسی بھائی کے سر سے چھت اور پیروں تلے سے زمین کھینچنے لگے۔ کتنے احسان فراموش ہو تم دونوں......'' نجمہ بیگم غصے سے بولتی چلی گئیں۔
دونوں بچوں نے انہیں خاموش رہنے کے لیے کہا اور ویٹنگ ایریا کی طرف لے جانا چاہا...... انیق حسین اور زرقا شرمندہ، شرمندہ سے کھڑے تھے۔
''امی، پلیز صبر سے کام لیں یہ جگہ مناسب نہیں ہے ان باتوں کے لیے اور چاچو آپ پلیز چلے جائیں یہاں سے۔'' حمسہ نے پہلے ماں کو سمجھایا اور پھر انیق حسین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خجل سا ہو کر بولے۔
''حمسہ بیٹی! اسپتال ہے یہ...... میری ضرورت پڑ سکتی ہے کسی بڑے کو اس وقت یہاں ہونا چاہیے۔''
''ہمارے بڑے یہاں موجود ہیں اور آپ نے چھوٹے ہونے کا جو ثبوت دیا ہے ناں چاچو یہ ہم کبھی بھولیں گے نہیں اور نہ ہی آپ کو بھولنے دیں گے۔''
حمسہ سپاٹ لہجے میں بولی تو وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔
''حمسہ بیٹا! یہ سب گلے شکوے گھر جا کر کر لینا... فی الحال ہمیں بھائی جان کی صحت و سلامتی کی فکر اور دعا کرنی چاہیے۔ باقی معاملات بعد میں دیکھ لیں گے۔'' زرقا نے ہمت کر کے کہا۔
''امی! آئیں وہاں بیٹھتے ہیں......'' حمسہ ان کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر ماں کو پکڑے ویٹنگ ایریا کی جانب بڑھ گئی۔ انیق اور زرقا ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے وہیں آئی سی یو کے باہر کاریڈور میں ہی دیوار کے ساتھ لگے بینچ پر بیٹھ گئے۔
☆☆☆
حمسہ سمیت سبھی گھر والوں کے واٹس ایپ نمبر پر آرب کا لندن خیریت سے پہنچنے کا میسج آ گیا تھا۔ حمسہ نے کوئی ریپلائی نہیں کیا تھا۔ آرب اس بار جانے سے پہلے اس کا موبائل نمبر بھی اپنے موبائل میں سیو کر کے لے گیا تھا تاکہ رابطے میں رہے۔ حمسہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ چاچو نے اس کا رشتہ آرب کے لیے مانگا ہی مکان پر مستقل قبضہ کرنے کے لیے...... ظاہر ہے شفیق حسین اپنی بیٹی کی سسرال والوں کو گھر خالی کرنے کا تھوڑی کہتے۔ ڈبل رشتہ ہو جاتا اور انہیں ایک بار پھر مروت، محبت میں آرب کے ماں، باپ کو ''حسین ہاؤس'' میں رکھنا پڑ جاتا...... یہ سوچ، سوچ کر حمسہ کا غصہ شدید ہوتا جا رہا تھا وہ چاچو، چچی کے علاوہ آرب سے بھی متنفر اور بدگمان ہو رہی تھی۔
☆☆☆
ڈاکٹر معید نے آرب کو شفیق حسین کی موجودہ کنڈیشن کے بارے میں وائس میسج کے ذریعے مطلع کیا تو وہ شاکڈ رہ گیا۔
''مجھے گھر والوں نے کیوں نہیں بتایا؟ حمسہ نے شاید اسی پریشانی میں میرے میسج کا جواب نہیں دیا۔ اور امی، ابو نے بھی یقیناً مجھے پریشان نہ کرنے کی غرض سے اتنی بڑی بات چھپائی ہوگی تاکہ میں پوری توجہ سے

اپنے اگزامز دے سکوں۔''

آرب نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے خود کلامی کی اور معید کو وائس میسج کیا کہ وہ تایا جان کا ہر طرح سے خیال رکھے اور حمسہ کو کسی ہیلپ کی ضرورت ہو تو وہ اسے ممکن بنائے جواباً معید نے اسے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا تھا۔

☆☆☆

اللہ کے فضل و کرم اور سب کی دعاؤں سے شفیق حسین کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ نجمہ بیگم نے شکرانے کے نفل ادا کیے۔ حمزہ سے کہہ کر شفیق حسین کا صدقہ دلوایا جو حمزہ نے اسپتال کے او پی ڈی میں ہی موجود غریب مریضوں کو دے دیا تھا۔ آرب کے تسلی اور دعاؤں بھرے میسج حمسہ کے موبائل پر آرہے تھے۔ مگر وہ نظر انداز کر رہی تھی۔

نجمہ بیگم کے نمبر پر بھی آرب نے کئی بار کال کی تھی تب کہیں جا کر انہوں نے اس کی کال اٹینڈ کی اور مختصر سی بات میں اس کو انیق حسین کا کارنامہ نہیں سنایا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ آرب اپنے باپ کے اس عمل سے لاعلم ہے اور وہ پردیس میں بیٹھا پریشان ہو جائے گا اپنے باپ کی اس حرکت کا جان کر وہ امتحانات پر توجہ نہیں دے پائے گا۔ آرب، باپ کی اس حرکت کا جان کر امتحانات پر توجہ نہیں دے پائے گا۔ آرب نے بھی انہیں تسلی دی اور تایا کی صحتیابی کے لیے بہت دعائیں کے ان کی ہمت بندھائی اور کال منقطع کر دی۔ حمسہ کی خاموشی اور نظر اندازی آرب کو مسلسل الجھن میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔

☆☆☆

اب شفیق حسین کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ انہیں بات کرتا دیکھ کر سب گھر والوں کی جان میں جان آئی تھی۔ ڈاکٹرز نے انہیں ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

''سنا آپ نے...... ابو کو ٹینشن سے دور رکھنا ہے یعنی انیق حسین سے دور رکھنا ہے بہتر ہو گا آپ خود ہی یہاں سے چلے جائیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کے ساتھ ہم کوئی بدتمیزی کریں۔'' حمسہ نے انیق حسین کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''یہ بدتمیزی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟'' انیق حسین نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا تو وہ بھڑک کر بولی۔

''جو کچھ آپ نے ابو کے ساتھ کیا ہے، اسے کیا نام دیں گے آپ؟ دھوکا، فریب، چال بازی یا بدنیتی؟''

''اپنا حق مانگنا دھوکا نہیں ہوتا۔'' وہ نظریں چرا کر بولے۔

''ہاں مگر مکاری سے کسی کا حق مار لینا دھوکا ضرور ہوتا ہے اور آپ نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے، افسوس تو یہ ہے کہ اپنے بھائی کو موت کے دہانے پر پہنچا کر بھی آپ کو ندامت اور پچھتاوا نہیں ہو رہا۔''

''بڑوں کے معاملات میں چھوٹوں کا بولنا نہیں بنتا۔''

''جب بڑے ہی چھوٹے ہونے کا ثبوت دینے لگیں تو چھوٹوں کا بولنا بنتا ہے...... اپنے حق کے لیے ثبوت پیش کریں ورنہ آپ کا میرے ابو کی پراپرٹی پر کوئی حق نہیں ہے یہ ثابت کرنا میرا کام ہے۔'' حمسہ نے پُراعتماد لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور شفیق حسین کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ انیق حسین کو حمسہ کی تنبیہ یا دھمکی بے چین کر گئی تھی وہ شدید الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے تھے۔

☆☆☆

اسما کو اپنے تایا جان کی بیماری اور باپ کی دھوکے بازی دونوں ہی پریشان کر رہی تھیں وہ بہت دعائیں مانگ رہی تھی کہ تایا جان کو کچھ نہ ہو۔ آرب نے اسے بھی کال کی تھی اور شفیق حسین کی کنڈیشن کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ حمسہ اس کے میسجز کا جواب نہیں دے رہی تھی، یہ بھی بتایا تھا کہ اسما کو تو علم تھا کہ حمسہ کیوں اسے ریپلائی نہیں کر رہی مگر وہ آرب کو وجہ بتانے کی ہمت نہ کر سکی۔

☆☆☆

حمسہ نے برسوں پہلے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکان میں انیق حسین کا اپنا حصہ وصول کرنے

والے کاغذات کی اپنے اسمارٹ فون میں تصاویر بنالی تھیں اور حمزہ وہیں موبائل میں وڈیو گیم کھیلنے کے بہانے سے صوفے پر بیٹھا اس کارروائی کی مکمل وڈیو بنا رہا تھا اور وہ وڈیو بھی حمسہ نے دو تین جگہ پر save کر لی تھی اب ضرورت آگئی تھی ان ثبوتوں کو استعمال میں لانے کی تو حمسہ نے اچھی طرح چیک کر لیا تھا وہ ثبوت اس کے پاس درست حالت میں موجود تھے۔ اسی لیے وہ بہت اعتماد سے انہیں چیلنج کر کے آئی تھی اور انیق حسین کو سولی پر ٹانگ دیا تھا اس ایک جملے نے۔

☆☆☆

تین دن بعد شفیق حسین اسپتال سے گھر شفٹ ہو گئے۔ ان کی طبیعت کافی بہتر تھی اب مگر دوائیں اور احتیاط جاری رہنا تھی۔ سب ان کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ حمزہ تو اداس اور بجھا بجھا سا رہنے لگا تھا باپ کو پہلی بار یوں بستر سے لگے جو دیکھا تھا۔ ادھر آرب کے امتحانات ختم ہو گئے تھے وہ حمسہ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ نہ اس کی کال اٹینڈ کر رہی تھی نہ ہی کسی میسج کا جواب دے رہی تھی اس کی بے اعتنائی اور خاموشی آرب کو مستقل ذہنی اور قلبی اذیت میں مبتلا کیے ہوئے تھی بالآخر اس نے حمزہ کے موبائل پر کال کی اور حمسہ سے بات کرانے کی ریکوئسٹ کی حمزہ کو ناچار ماننا پڑا اور وہ حمسہ کے پاس چلا آیا اور موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

☆☆☆

''تم لوگ ابھی تک یہاں ہو، کوئی ندامت، مروت نہیں رہی تم میں، بھائی کو ہارٹ اٹیک کرا دیا اب بھی اس کا حق کھانے کے لیے تیار بیٹھے ہو، اللہ کو کیا جواب دو گے انیق حسین؟ باپ جیسے بھائی کی محبت و شفقت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تم نے ہمیشہ...... اب بس...... بہت ہو گیا اپنا سامان اٹھاؤ اور چلے جاؤ اس گھر سے ورنہ مجھے دوسرا راستہ بھی آتا ہے۔'' نجمہ بیگم نے انیق حسین اور زرقا کے نیچے آنے پر سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے بھابی...... آپ ہمیں دھکے دے کر نکالیں گی اس گھر سے؟'' زرقا نے پریشان نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''نہیں...... میں قانون کے ذریعے تمہیں اس گھر سے نکالوں گی تھانے، کچہری کے چکروں سے بچنا چاہتے ہو تم لوگ تو شرافت سے مکان خالی کر دو، تم جیسے احسان فراموش اور آستین کے سانپوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔''

''پولیس تھانے آپ جائیں گی؟ ہونہہ...... بھائی جان کی صحت کا خیال کریں بھابی، وہ تو تھانے کا نام سن کر ہی دل تھام لیں گے جو پہلے ہی بہت کمزور اور بیمار ہو چکا ہے۔'' انیق حسین نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''جس کی وجہ تم ہو انیق! بہرحال دو دن ہیں تمہارے پاس تیسرے دن اگر تم لوگ اس گھر میں دکھائی دیے تو پولیس کو کہہ کر گرفتار کروا دوں گی تمہیں۔'' نجمہ بیگم نے سپاٹ اور پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''کیا کہہ کر گرفتار کرائیں گی مجھے؟''

''وہی جو سچ ہے۔''

''سچ کو ثابت کرنے کے لیے ثبوتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اور جھوٹ کو منوانے کے لیے بھی ثبوت درکار ہوتے ہیں۔'' نجمہ بیگم نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''وہ میں پیش کر دوں گا۔'' انیق حسین نے اکڑ کر کہا۔

''ٹھیک ہے، دیکھتے ہیں، قانون کی گرفت میں آنے کے بعد معافی مت مانگنا، تب یہ مت کہنا کہ غلطی ہو گئی۔ انسان ایسا ہی چالاک ہے ناں جب پکڑا جاتا ہے اس کا جرم تب توبہ اور معافی کا خیال آتا ہے اس سے پہلے تو بڑا طرم خان بنا پھرتا ہے۔'' نجمہ بیگم اپنی بات مکمل کر کے کچن میں چلی گئیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل تکنے لگے۔

☆☆☆

''مجھے بھابی بیگم کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ وہ جو کہہ رہی تھیں یقیناً کر گزریں گی آخر ان کے شوہر کی زندگی پر بات آئی تھی وہ اتنی آسانی سے

ہمیں معاف نہیں کریں گی۔'' زرقا نے اپنے پورشن میں واپس آکر انیق حسین سے متفکر لہجے میں کہا۔

''معافی مانگ کون رہا ہے ان سے۔'' انیق حسین نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''انیق! بہت ڈر لگ رہا ہے اگر بھابی نے سچ مچ اس معاملے میں پولیس کو انوالو کر لیا تو؟''

''وہ ایسا نہیں کریں گی بس ہمیں پریشان کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں تاکہ ہم مکان خالی کردیں۔''

''تو کردیں ناں خالی...... کیا آپ کو اس بات کا انتظار ہے کہ وہ ہمیں دھکے دے کر اس گھر سے نکالیں؟''

''ایسا کرنے کا دم نہیں ہے ان میں۔''

''اپنی خوش گمانیوں سے نکل آئیں۔ حمسہ نے بھی جتایا تھا کہ وہ اپنے باپ کا حق آپ کو چھیننے نہیں دے گی۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ اپنے لیے مکان کا بندوبست کریں فوراً دو دن ہیں ہمارے پاس اتنی جلدی تو پیکنگ بھی نہیں ہوگی۔'' زرقا نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''فکر نہ کرو سب ہو جائے گا۔ میں نے ایک مکان دیکھ رکھا ہے وقتی طور پر یہاں سے شفٹ ہونا پڑ رہا ہے اس لیے مناسب ہے وہ جگہ ہمارے رہنے کے لحاظ سے...... تم ضروری سامان سمیٹ لو باقی کمپنی والے آدمی بھیج کر اٹھوالیں گے اور اس مکان میں پہنچا کر سیٹ بھی کردیں گے۔''

''ارے واہ، یہ تو زبردست ہو جائے گا۔'' زرقا نے اپنی آسانی دیکھ کر خوش ہو کر کہا۔

''ہاں! اب اچھی سی چائے بنا دو میرے لیے شفٹنگ میں بھی ٹھیک ٹھاک خرچہ آجائے گا مفت کوئی کام نہیں ہوتا۔'' انیق حسین نے صوفے کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند کر کہا تو وہ کوئی جواب دیے بغیر وہاں سے اٹھ گئیں۔

☆☆☆

''ہیلو!'' حمسہ نے حمزہ کا موبائل فون کان سے لگا کر کہا تو دوسری جانب سے آرب کی بے قراری میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔

''حمسہ! کیسی ہو؟ کہاں گم ہو؟ میں کتنے دنوں سے مسلسل تمہیں کالز اور میسجز کر رہا ہوں تم کوئی جواب کیوں نہیں دے رہیں؟''

''کیونکہ میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتی...... اتنی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔''

''یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو مجھ سے؟''

''کیوں...... کس لہجے میں بات کر رہی ہوں؟''

''غیریت اور اجنبیت بھرے لہجے میں...... آخر کیوں؟ کیا قصور ہے میرا؟......'' وہ تڑپ کر گویا ہوا۔

''آپ احسان فراموش اور دھوکے باز والدین کی اولاد ہیں، یہ قصور کیا کم ہے مسٹر آرب؟''

''تم میرے والدین کے بارے میں اس طرح بات نہیں کرسکتیں۔'' وہ ایک دم سپاٹ لہجے میں بولا۔

''میں اسی طرح بات کرسکتی ہوں اس لیے کہ آپ کے والدین نے میرے والدین کو دھوکا دیا ہے۔ میرے ابو آپ کے والدِ محترم کے دھوکے کی وجہ سے ہی اسپتال جا پہنچے انہیں ہارٹ اٹیک انیق حسین اور زرقا بیگم کی وجہ سے ہی ہوا تھا سنا آپ نے۔'' حمسہ نے سنجیدہ، سپاٹ اور تلخ لہجے میں جواب دیا تو وہ شاکڈ سا ہو کر صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھا تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو حمسہ! کیسا دھوکا دیا ہے ابو نے تایا جان کو؟'' آرب کے دماغ میں سائرن سے بجنے لگے تھے خطرے کے سائرن اور دل ایک دم سے بے کل ہو کر دھڑکنے لگا تھا۔

''آپ کو یاد ہے چچا نے اپنا حصہ ''حسین ہاؤس'' میں سے لے لیا تھا۔ آپ کو لندن پڑھانے کی غرض سے بھیجتے ہوئے؟''

''ہاں! یاد ہے مجھے۔''

''تو اپنے امی، ابو کو بھی یاد دلا دیں آپ کیونکہ وہ یہ حقیقت بھول چکے ہیں اور مکان میں سے دوبارہ اپنا حصہ مانگ رہے ہیں۔ مکر چکے ہیں کہ انہوں نے ابو سے اپنا حصہ لے لیا تھا''یہ مکان اب صرف ہمارا ہے ابو

توکل...... اللہ پر بھروسا

کبھی یہ سوچا ہے کہ ہم ہر مشکل میں لوگوں سے مدد مانگتے ہیں مگر پہلے اللہ سے کہنا بھول جاتے ہیں۔ہم پریشانی میں فون اٹھاتے ہیں مگر دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ہم دنیا سے اُمید رکھتے ہیں مگر رب پر یقین نہیں رکھتے۔درحقیقت......انسان تب تک بے چین رہتا ہے۔جب تک اس کا بھروسا مخلوق پر ہوتا ہے۔لیکن جب بھروسا خالق پر آجائے تو دل سے بوجھ اتر جاتا ہے۔جب انسان کہتا ہے۔

''یااللہ! میں نے تیری دی ہوئی طاقت سے اپنی کوشش کرلی اب باقی تُو دیکھ لے......''

تو اُس وقت آسمان کے راستے کھُل جاتے ہیں۔توکل کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ نہ کرو بلکہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرو اللہ پر اتنا یقین رکھو۔

جیسے بچہ اپنی ماں کی گود پر رکھتا ہے۔دنیا کے سب در بند ہو جائیں تو بھی گھبرانا نہیں۔کیونکہ اللہ کا در کبھی بند نہیں ہوتا۔اور جب تمہارا دل ٹوٹ جائے تو یاد رکھنا اللہ تمہیں نیا دل دینے والا ہے بس تم یقین مت کھونا۔آؤ......آج سے ہم صرف دعا مانگنا نہیں دعا پر یقین رکھنا بھی سیکھیں۔کیونکہ......''توکل وہ درجہ ہے جہاں انسان رو نہیں رہا ہوتا بس سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر مسکرا رہا ہوتا ہے۔''

تحریر ریما نور رضوان' کراچی

بس یادیں رہ جاتی ہیں

میرے مرحوم شوہر شفقات کی ایک بات جو مجھے انتہائی بری لگتی تھی وہ باوجود منتوں کے اسپتال نہیں جاتے تھے۔وہ گردوں کے عارضے میں مبتلا تھے۔ایسے ہی ایک دن جب وہ بہت بیمار تھے منتیں کر کے تھک گئی لیکن نہیں مانے تو میں رو پڑی

کے نام ہے، چاچو کا کوئی قانونی حق نہیں ہے اب اُس مکان پر......نہیں نہیں انہوں نے وہ دستخط شدہ کاغذات بھی چرا لیے تھے۔اسما باجی کی شادی کے دنوں میں۔ اب اکڑ کر اپنا حصہ مانگ رہے ہیں وراثت میں، خواہ مخواہ حق جتا رہے ہیں۔ان کے اسی دھوکے، دعوے اور مکاری کے سبب ابو کو دل کا دورہ پڑا تھا اگر انہیں کچھ ہو جاتا ناں تو میں چھوڑتی نہیں چچا، چچی کو، ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ ہمارا گھر چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں ورنہ میں انہیں اس دھوکے کی سزا ضرور دلواؤں گی پھر مت کہیے گا کہ بتایا نہیں۔'' انتہائی سنجیدہ، سپاٹ اور خطرناک سے لہجے میں حمسہ نے اپنی بات مکمل کی اور کال منقطع کردی۔

☆☆☆

''اوہ میرے خدا! یہ ابو نے کیا کر ڈالا؟ اپنے باپ جیسے شفیق بھائی کو اتنا بڑا دھوکا اور دکھ دے دیا۔ اُف! یہ کیا کردیا ابو آپ نے؟ کہاں سے اتنا لالچ پیدا ہو گیا آپ کے اندر؟ اب میں حمسہ کو کیسے فیس کروں گا؟ اس کی بے رخی، بے اعتنائی سے ظاہر ہے کہ وہ مجھ سے آئندہ کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی اور میں...... میں تو عمر بھر کا رشتہ جوڑنا چاہتا ہوں اس کے ساتھ کیسے رہ پاؤں گا اس کے بنا......سب کچھ تباہ کر دیا ابو آپ نے سب کچھ......یااللہ! میری مدد فرما، مجھے حمسہ کی جدائی نہ دینا پلیز اللہ تعالیٰ! مجھے حمسہ کی جدائی مت دیجیے گا پلیز۔'' آرب بے قراری سے اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے......یہ آواز بلند بول رہا تھا اس کی آواز رندھ گئی تھی۔آنکھیں حمسہ کی جدائی کے تصور سے نم ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

انیق حسین نے اپنے پورشن کا تمام ضروری سامان کرایے کے مکان میں منتقل کر دیا تھا صرف آرب کا کمرا جوں کا توں رہنے دیا تھا اور لاؤنج میں صوفہ سیٹ رہنے دیا تھا۔نئے مکان میں صوفہ سیٹ نیا جو خرید کر رکھا تھا۔تین دن میں وہ شفٹ بھی ہو گئے تھے

کہ میرا تو سوچیں میں کیا کروں گی آپ کے بغیر تو فوراً بولے۔ ''کرنا ہی کیا ہے تم تو شکر کرو گی بڈھے سے جان چھوٹی۔'' (میری اور ان کی عمروں میں کافی فرق تھا) تم جوان جہان ہو دوسری شادی کر لینا۔'' تب مجھے شدید غصہ آیا۔ اور میں بولی۔ ''اس میں کوئی شک ہے... آپ کے نام پر بیٹھی رہوں گی...... ارے میں تو شکر کروں گی جو آپ سے جان چھوٹے گی۔'' اور پھر انتہائی غصے میں کچن میں چلی گئی کافی دیر بعد کام سے فارغ ہو کر جب کمرے میں آئی تو موصوف کو موجود نہ پا کر پریشان ہو گئی...... اندر باہر ہر جگہ پورے گھر میں حتیٰ کہ آس پڑوس میں بھی دیکھ لیا۔ مجھے اپنے آپ پر بہت شدید غصہ آیا کہ کیوں مذاق میں بھی ان سے ایسی باتیں کیں اب نہ جانے اتنی بیماری میں کہاں چلے گئے۔ ناچار گھر کو تالا لگا کر ابھی باہر نکلنے ہی لگی تھی کہ مین گیٹ دھڑ دھڑانے اور مسلسل بیل کی آواز سن کر جو دوڑی تو دیکھا سامنے صاحب جی ایک ہاتھ میں گلوکوز لگا ہوا...... دوسرے میں دواؤں کا شاپر اٹھائے کھڑے تھے...... مجھے دیکھتے ہی بولے۔ ''منہ کیا دیکھ رہی ہو...... مجھے اندر لے چلو......'' اور اندر آتے ہی شروع ہو گئے۔ ''تم کیا سمجھتی تھیں کہ میں اتنی آسانی سے تمہاری جان چھوڑ دوں گا اور تم دوسری شادی کر لو گی...... میں نہیں جان چھوڑنے والا تمہاری...... میں تو تمہیں مار کر ہی مروں گا......'' میں زیرلب مسکرانے لگی کہ چلو کسی بہانے اسپتال تو گئے مجھے ہنستے دیکھ کر بولے۔ ''ہنس لو جی بھر کر پہلے تو میں سوچتا تھا کہ اگر میرے رب نے جنت میں حوریں دیں تو وہ بھی ٹھکرا کر صرف تمہارا ساتھ مانگوں گا۔ پر اب دیکھنا میں حوریں لوں گا اور تمہارا ہی جلایا کروں گا...... کیا میں دوسری شادی نہیں کر سکتا، ارے میں حوروں سے شادی کروں گا حوروں سے سمجھیں......'' تب میں بے اختیار ہنستے، ہنستے ان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی کہ پہلے دنیا کی حور سے تو دل ملا لیں جب جنت میں جاؤ گے تو دیکھا جائے گا اور ان کو اپنی طرف ہنستا دیکھ کر میں خود بھی ہنسنے لگی۔ بس ایسے ہی یادیں ہر وقت میرا پیچھا کرتی ہیں۔

از: نرگس نسیم، چکوال

اور جاتے وقت نجمہ بیگم اور شفیق حسین سے انیق حسین نے دھمکانے والے انداز میں کہا تھا۔

''بھائی جان، بھابی! ہم اس گھر سے جا تو رہے ہیں لیکن آپ اس گھر کو بیچ نہیں سکتے میری مرضی کے بغیر...... مجھے آدھی رقم ادا کرنا ہو گی اس مکان کی تب ہی آپ یہ مکان بیچ کر کہیں اور جا سکیں گے بہرحال میرا وکیل آپ سے بات کرے گا، خدا حافظ۔''

''سارا خاندان جانتا ہے کہ انیق حسین نے اپنے بیٹے کو لندن میں اعلیٰ تعلیم دلوانے کی غرض سے باپ کی وراثت میں سے اپنا قانونی اور شرعی حصہ لے لیا، یہ شخص لالچ میں پڑ کر اپنی مٹی خود خراب کر رہا ہے اپنی عزت کو اپنے ہاتھوں سے بٹا لگانے چلا ہے، احسان فراموش انسان جب لالچ کے رستے پر چل پڑتا ہے تو ذلت، پشیمانی اور پچھتاوے کی آگ بھی اس کے ہمراہ ہو جاتی ہے جو اس کے پُرخلوص رشتوں کو خاکستر کر دیتی ہے یہ بات سمجھنے تک بہت دیر ہو جاتی ہے۔'' شفیق حسین نے تاسف زدہ لہجے میں کہا تھا۔ وہ سب یعنی نجمہ بیگم، حمزہ اور حمسہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے۔ حمسہ نے اپنی دوست کے ذریعے اس کے وکیل ماموں اظہر چوہدری سے رابطہ کر لیا تھا اور اس صورت حال پر تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔

☆☆☆

''اسما تم نے کیوں چھپائی اتنی بڑی بات مجھ سے؟'' آرب نے بہن کو فون کرتے ہی یہی شکوہ کیا۔

''کون سی بات آرب بھائی؟''

''ابو کے فراڈ کی بات...... ان کی وجہ سے تایا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور ابو نے تایا جان کو عدالت جانے کی دھمکی دی ہے یہ والی بات، میں ملک سے باہر گھر سے دور ہوں تو تم سب نے مجھے ہر بات سے بے خبر... اور لاتعلق رکھا۔'' آرب کے لہجے میں غصہ اور ناراضی نمایاں تھی۔

''بھائی! میں آپ کو کیسے بتاتی یہ سب؟ ایک تو

آپ کے ایگزامز ہو رہے تھے، آپ کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا دوسرے میں تو یہ بات اپنے آپ سے بھی چھپانا چاہتی تھی، مجھے ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میرے شوہر اور سسرال والوں کو اس بات کی بھنک نہ پڑ جائے، میری سچویشن کتنی آکورڈ ہو جائے گی ان کے سامنے اور امی نے بھی منع کیا تھا وہ خود بھی پریشان ہیں۔'' اسما نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں پریشان ہیں؟ ابو کا پورا ساتھ دیا ہے انہوں نے اس کھیل میں۔'' آرب تلخ ہو کر بولا۔

''وہ بھی اپنے شوہر کی وجہ سے مجبور ہیں لیکن انہوں نے ابو کو بہت سمجھایا ہے کہ تایا جان سے معافی مانگ لیں۔ اس معاملے کو مزید طول نہ دیں مگر ابو تو جرم کر کے ابلیس کی طرح ڈٹ گئے ہیں اپنے فیصلے پر۔''

''اب کیا فیصلہ کیا ہے انہوں نے؟''

''وہی عدالت میں اپنے حصے کے لیے مقدمہ دائر کرنے کا۔''

''لاحول ولاقوۃ ایسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے وہ، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا پلیز امی سے کہو سمجھائیں انہیں باز رہیں وہ ایسا کرنے سے...... ورنہ ان کا اپنا بیٹا کورٹ میں ان کے خلاف گواہی دینے پہنچ جائے گا پھر مجھ سے گلہ نہ کریں وہ۔'' آرب نے غصے اور ضبط سے لال ہوتے ہوئے کہا تو وہ مری، مری آواز میں بولی۔

''میں کہہ دوں گی امی، ابو دونوں کو، آپ پلیز اپنا خیال رکھیں اور دعا کریں کہ سب ٹھیک ہو جائے، ہمارے رشتے ٹوٹنے سے بچ جائیں۔''

''آمین! او کے پھر بات ہو گی اور مجھے اپ ڈیٹ کرتی رہنا اب کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''جی ٹھیک ہے۔''

''اللہ حافظ۔'' آرب نے کہا اور جواباً اسما نے بھی ''اللہ حافظ'' کہا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

☆☆☆

انیق حسین کی طرف سے عدالت کا نوٹس شفیق حسین کو مل گیا تھا جس کے مطابق انیق حسین نے والد کی جائیداد ''حسین ہاؤس'' میں اپنا حصہ مانگا تھا۔ نجمہ بیگم... اور شفیق حسین کو غصے اور صدمے نے گھیر لیا تھا۔

''خون سفید ہو گیا ہے انیق کا، سوچا نہیں تھا کہ وہ اس حد تک گر جائے گا۔'' شفیق حسین نے گہرے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''تمہارے شہر میں رسمیں ہیں گھر بنانے کی
ہمارے شہر میں سب آستیں میں رہتے ہیں''

حمسہ نے یہ شعر پڑھا تو نجمہ بیگم بولیں۔

''سچ کہا بیٹا! آستین کا سانپ ثابت ہوئے ہیں تمہارے چچا جتنا کہو اتنا کم ہے اللہ پوچھے گا انیق تمہیں۔''

''اللہ اسے ہدایت دے یہ دعا کرو نجمہ بیگم!''

''آپ کی بیماری نے بھی اسے اپنی حرکتوں سے باز رہنے پر مجبور نہیں کیا تو خدانخواستہ اگر آپ نہ رہتے تو انیق نے تو قبضہ کر لینا تھا اس گھر پر ہمیں بے یار و مددگار سمجھ کر...... اسے تو ذرا ندامت نہیں ہے اپنے کیے پر، اگر ہوتی تو یہ نوٹس نہ بھجواتا ہمیں۔'' نجمہ بیگم نے غصے سے کہا تو شفیق حسین سنجیدگی سے بولے۔

''میں آرب بیٹے سے بات کروں گا وہ گواہ ہے کہ اس کے باپ نے اپنا حصہ لے لیا تھا، وہ بہت نیک بچہ ہے ضرور گواہی دے گا ہمارے حق میں۔''

''مقابل اس کا باپ ہے آپ کو لگتا ہے وہ اپنے باپ کے خلاف جائے گا؟''

''جتنا میں آرب کو جانتا ہوں مجھے یقین ہے وہ حق کا ساتھ دے گا، آرب لالچی اور منافق نہیں ہے وہ بہت سچا اور نیک نیت انسان ہے۔''

''مگر ہے تو انیق اور زرقا کی اولاد۔''

''ہاں! لیکن وہ میرا خون بھی تو ہے، میرا سگا بھتیجا ہے اور اس کی تربیت ہم دونوں نے کی ہے۔ اس کے والدین نے نہیں کی۔ ہمیں اپنے خون اور تربیت پر بھروسا ہونا چاہیے۔'' شفیق حسین نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدہ اور پُرامید لہجے میں جواب دیا۔

''سگے بھائی اور اپنے خون نے پیٹھ میں خنجر گھونپا

ہے شفیق صاحب! کیسے بھروسا کرلوں؟''
''ابو! آرب بھائی کی گواہی کے بغیر بھی ہم یہ کیس جیت جائیں گے ان شاء اللہ فکر نہ کریں آپ۔ میں نے سارا بندوبست کرلیا ہے وکیل سے بھی تفصیلی بات ہو چکی ہے میری۔'' حمسہ نے ان کی باتیں سن کر سنجیدگی سے کہا تو وہ بہت حیرت سے اسے تکنے لگے۔ حمسہ کے ہونٹوں پر پُراعتماد مسکراہٹ انہیں بھی امید کی کرن دکھاتی محسوس ہورہی تھی۔

☆☆☆

عدالت میں پہلی پیشی تھی شفیق حسین اپنے وکیل اظہر چوہدری اور بیٹے حمزہ کے ہمراہ عدالت میں موجود تھے، حمسہ نے جو ثبوت وکیل کو آڈیو، وڈیو اور دستاویزات کی شکل میں مہیا کیے تھے ان کو دیکھتے ہوئے وکیل نے خوب تیاری کررکھی تھی اور اسے قوی امید تھی کہ وہ پہلی پیشی میں ہی اس کیس کو انجام تک پہنچا دے گا اور ایسا ہی ہوا۔

آڈیو، وڈیو اور انیق حسین کے دستخط شدہ کاغذات نے انہیں جھوٹا اور دھوکے باز ثابت کر دیا تھا۔ انیق حسین اور ان کا وکیل ہکا بکا رہ گئے عدالت نے انیق حسین کا دعویٰ جھوٹا قرار دیتے ہوئے انہیں دھوکا دہی کے جرم میں گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اور پھر سات سال قید کی سزا سنا دی۔ انیق حسین مقدمے کے اس فیصلے کے لیے تو ذہنی طور پر بالکل تیار نہ تھے۔ جج نے جب سزا سنائی تو وہ صدمے سے بے ہوش ہوتے، ہوتے رہ گئے جو گڑھا انہوں نے اپنے سگے بڑے بھائی کے لیے کھودا تھا اس میں وہ خود جا گرے تھے۔ پولیس انہیں ہتھکڑیاں لگا کر اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ شفیق حسین اپنے وکیل اور حمزہ کے ساتھ بوجھل دل لیے کمرا ہائے عدالت سے باہر نکل آئے۔ مقدمہ جیت جانے کی خوشی تھی ہی نہیں...... انہیں دکھ تھا تو اس بات کا کہ ان کے بھائی کو سزا ہو گئی۔ انہی کے لالچ اور مکر و فریب کی بدولت...... ایک ہی جھٹکے میں وہ آسمان سے زمین پر آگرے تھے اور انہیں اٹھانے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

زرقا نے آرب کو کال کر کے باپ کی گرفتاری کی خبر دی تو وہ ساری صورت حال جان کر صدمے میں گھر گیا۔ اس کا باپ سچ مچ عدالت میں جھوٹا کیس دائر کرے گا یہ تسلیم کرنا اس کے لیے خاصا مشکل تھا اور ایسا ہو بھی گیا تھا۔ وہ ماں کو تسلی دے رہا تھا جو مسلسل روئے جارہی تھیں۔ اسما کو بھی خبر مل گئی تھی۔ وہ الگ پریشان تھی کہ اس کے سسرال والے تو اسے طعنے دے، دے کر اس کا جینا حرام کردیں گے۔

☆☆☆

''لیں شفیق صاحب اپنا منہ میٹھا کیجیے۔ آپ کا من پسند سوجی کا حلوا بنایا ہے میں نے مقدمہ جیتنے کی خوشی میں۔'' نجمہ بیگم نے لاؤنج میں سینٹر ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے خوشی سے مسکرا کر کہا۔ ٹرے میں بڑی پلیٹ میں بھاپ اڑاتا گرما گرم سوجی کا حلوا تھا ساتھ کوارٹر پلیٹیں اور چمچ رکھے تھے۔ حمسہ اور حمزہ بھی بہت خوش تھے اس کامیابی پر۔

''نجمہ بیگم! یہ جیت اگر کسی غیر کے مقابلے میں ملی ہوتی تو مجھے یقیناً خوشی ہوتی مگر بدقسمتی سے مقابل میرا سگا تھا اسے ہتھکڑیاں لگی دیکھ کر سزا ملنے پر میرا دل بہت بوجھل ہے۔'' شفیق حسین نے افسردگی سے جواب دیا۔

''ایک سگے بھائی نے اپنے سگے اور بڑے بھائی کا لحاظ نہیں کیا دھوکا دیا، جھوٹا مقدمہ دائر کیا، اسے اپنے کیے کی سزا ملی ہے اور یہ سزا شاید اس کا سویا ہوا ضمیر اور احساس جگا دے بس یہ دعا کریں آپ۔'' نجمہ بیگم نے حلوا پلیٹ میں نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ سرد آہ بھر کر بولے۔

''دعا ہی کرسکتا ہوں اب اس کے لیے۔''

''فکر نہ کریں ابو! زرقا چچی آج کل میں واپس یہاں موجود ہوں گی آپ سے معافی مانگنے اور رحم کی اپیل کرنے کے لیے، رو، رو کر آپ کے آگے ہاتھ جوڑ کر چچا کو معاف کرنے کی منت و فریاد کریں گی اور آپ ایسا کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اپنی نرم دلی کے باعث۔'' حمسہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"صحیح کہہ رہی ہے حمسہ!" نجمہ بیگم بولیں۔

"بیگم! ہماری بیٹی ہمیشہ صحیح کہتی اور کرتی ہے، آج یہ کیس میں اپنی بیٹی کی سمجھداری اور اس کے فراہم کردہ ٹھوس ثبوتوں کی وجہ سے ہی جیت پایا ہوں، الحمدللہ! لہٰذا پہلے میری بیٹی کا منہ میٹھا کروائیں آپ۔" شفیق حسین نے حمسہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تو وہ خوش دلی سے مسکرانے لگی۔

"یہ تو ہے، میری حمسہ بہت ذہین اور سمجھدار ہے لو بیٹا حلوا کھاؤ۔" نجمہ بیگم نے حلوے کی پلیٹ حمسہ کی طرف بڑھائی۔

"تھینک یو امی!" حمسہ نے مسکراتے ہوئے پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے لی۔

"ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔" حمزہ نے گنگنا کر ماں کو اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا تو وہ سب ہنس پڑے۔

☆☆☆

"بھائی جان! آپ بڑے ہیں، ظرف والے ہیں پلیز ہمیں معاف کر دیں۔" زرقا روتی بسورتی "حسین ہاؤس" میں جیٹھ اور جیٹھانی کے سامنے موجود تھیں۔ حمسہ اور حمزہ بھی وہیں آ گئے تھے۔

"تم لوگوں کا فراڈ بے نقاب ہو گیا۔ انیق کو پولیس نے گرفتار کر لیا اسے سزا سنا دی گئی تب تمہیں معافی یاد آئی ہے؟ اگر تم لوگ کیس جیت جاتے تو میں تمہیں یاد بھی نہیں آتا اور تم دونوں خوشیاں منا رہے ہوتے...... گرفتاری اور سزا سے پہلے تمہیں یہ سب کیوں یاد نہیں آیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ زندگی میں کبھی ہم سے سامنا ہوا تو نگاہیں کیسے ملاؤ گے؟ اور اللہ کو کیا جواب دو گے تم میاں بیوی اپنے اس لالچ اور فریب میں کس حد تک چلے گئے۔" شفیق حسین کی بات پر زرقا سر جھکائے آنسو بہا رہی تھیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی جان! میں نے تو انیق کو بہت سمجھایا تھا مگر انہوں نے میری ایک نہیں مانی، میں نے کبھی نہیں چاہا کہ آپ سے ہمارا رشتہ خراب ہو یا تعلق ختم ہو جائے...... انیق کو ساری زندگی آپ نے سپورٹ کیا ان میں خود کچھ کرنے کی صلاحیت اور خواہش ہی نہیں رہی...... جب سب کچھ آسانی سے مل رہا ہو تو انسان ایسے ہی بے فکرا اور کام چور ہو جاتا ہے۔ آپ نے ہمیں یہاں سے شفٹ ہونے کا کہا تو انہوں نے یہ سب بھی کر ڈالا۔" زرقا نے بھیگے اور شرمندہ لہجے میں کہا۔

"تو بس ٹھیک ہے اب وہ بھگتے اپنے جرم کی سزا۔" شفیق حسین بولے۔

"بھائی جان! سات سال بہت طویل عرصہ ہوتا ہے انیق نہیں جھیل پائیں گے جیل۔" زرقا سسک اٹھیں۔

"اور جو میرا بھروسا، مان، اعتبار اس نے توڑا ہے وہ بھی کبھی نہیں جڑ سکے گا اب۔"

"میں جانتی ہوں، انیق کو سزا ملنی چاہیے تاکہ انہیں اپنی نالائقیوں، غلطیوں اور غیر ذمے داریوں کا احساس ہو اور وہ بہتری کی طرف آ سکیں لیکن......"

"لیکن کیا؟" نجمہ بیگم نے استفسار کیا۔

"مجھے اسما کی فکر ہے اس کے جیٹھ بھی وکیل ہیں اگر ان کو انیق کی اس حرکت اور جیل جانے کی بھنک بھی پڑ گئی تو اسما کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی سسرال میں۔ اس کی کیا عزت رہ جائے گی بھابی؟"

"یہ تو تم لوگوں کو جرم کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا ناں، ایک فرد کا فراڈ اس کی پوری فیملی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سزا مجرم کو ہی نہیں ملتی۔ اس سے جڑے رشتوں کو بھی ملا کرتی ہے۔ کاش! لوگ جرم کرنے سے پہلے اس کے نتائج پر بھی غور کر لیا کریں۔" نجمہ بھابی نے سنجیدہ لہجے میں انہیں سمجھانے، احساس دلانے والے انداز میں کہا تو زرقا اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"آپ درست کہہ رہی ہیں بھابی! مگر جرم کرنے والے کو اپنا عمل غلط لگے گا تب ہی تو وہ نتائج پر غور کرے گا ناں...... حالات اسے جس سمت بہا کر لے جاتے ہیں وہ بہتا چلا جاتا ہے۔" زرقا بیگم اب

بودے جواز پیش کررہی ہیں۔

''زرقا! تمہارے حالات ایسے بھی خراب نہیں تھے کہ تم لوگ ہمیں دھوکا دینے پر آمادہ ہو گئے۔ آرب ٹھیک ٹھاک کما رہا ہے انیق کی ملازمت بھی تھی کوئی غربت یا فاقے تو نہیں کرنے لگے تھے۔ تم لوگ اب تک تو ہمارے پاس ہی تھے ناں، یہاں سے جاتے ہی بلکہ یہاں ہوتے ہوئے بھی مکان میں سے حصہ مانگ لیا تھا انیق نے کوئی حالات خراب نہیں تھے اس کی بس نیت خراب تھی اس نے ساری زندگی ایسے ہی غفلت میں گزار دی۔ اب ذرا ذمے داری اٹھانے کا وقت آیا تو اپنی اصلیت دکھا دی..... تم بتاؤ، کب میں نے تم دونوں کا ساتھ نہیں دیا؟ آرب کو پڑھنے کے لیے باہر بھیجنا تھا یا اسما کی شادی اور اس سے پہلے تمہارے تمام اخراجات، میں پورے کرتا رہا اس کا تو حساب رہنے ہی دو..... قدم، قدم پر تم دونوں کا ساتھ دیا مگر تم لوگوں نے تو آستین کا سانپ ہونے کا واضح ثبوت دے دیا۔'' شفیق حسین نے صاف گوئی سے کہا تو وہ شرمندہ سی نظریں جھکا گئیں کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

''انیق کو سدھارنے اور احساس دلانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کیے کی سزا کاٹے اگر اسے ہم ابھی جیل سے رہا کروالیں گے تو وہ چند روز بعد پھر سے غلط سوچنے لگے گا الٹا جیل جانے، سزا ہونے کا غصہ بھی ہم پر ہی نکالے گا، مزید منفی سوچ اور عمل سے اسے باز رکھنا ہے تو اسے کچھ عرصہ جیل میں رہنا ہوگا، تم بھی انیق کو زیادہ امید مت دلانا کہ معافی مل جائے گی اور وہ رہا ہو جائے گا۔ اکیلا رہے گا ناں جیل میں تو اپنی غلطیوں، زیادتوں اور مکاریوں کا احساس ہوگا۔ بڑے بھائی کی محبتیں اور مہربانیاں اسے یاد آئیں گی تب ہی وہ صدقِ دل سے معافی مانگے گا اور توبہ کرے گا۔'' نجمہ بھابی نے سنجیدگی سے کہا تو زرقا کی سمجھ میں ان کی باتیں آ گئیں۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلی گئیں۔

☆☆☆

''لوٹ آئے ہو تو کیا، کیا جائے
تمہیں سر پہ بٹھا لیا جائے
جھوٹ، دھوکا، فریب کھا کر اب
کیوں تیرا آسرا لیا جائے''

آرب حسین اچانک پاکستان ''حسین ہاؤس'' پہنچ گیا تھا۔ گیٹ حمسہ نے ہی کھولا تھا۔ وہ اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر لمحہ بھر کو حیران ہو گئی پھر فوراً ہی اسے اس کے والدین کا دھوکا یاد آ گیا اور اس کے چہرے پر سنجیدگی اور لہجے میں غیریت در آئی۔

''جی، کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟''

''کیا مطلب کیوں آئے ہیں؟ یہ گھر ہے میرا۔''

''یہ آپ کا نہیں..... ہمارا گھر ہے آپ کے ماں، باپ یہاں سے شفٹ کر گئے ہیں آپ کو کسی نے بتایا نہیں؟''

''کون ہے حمسہ بیٹی؟'' شفیق حسین کی آواز آئی۔ تو وہ رخ پھیر کے بولی۔

''آپ کے بھتیجے مسٹر آرب حسین تشریف لائے ہیں ابو۔''

''ارے آرب آیا ہے، اسے اندر لے کر آؤ بیٹی..... اتنی دور سے آیا ہے۔'' شفیق حسین کی آواز ان دونوں کی سماعتوں تک پہنچی تھی۔ حمسہ نے تیز نظروں سے آرب کے چہرے کو دیکھا اور ایک طرف ہو کر..... بے مروتی سے بولی۔

''جائیے، اپنے ابو کا کہا نہیں ٹال سکتی ورنہ آپ کی یہاں اب کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''میری جگہ یہاں کوئی ختم نہیں کر سکتا حمسہ ڈیئر!'' وہ اسے دیکھتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں بولا۔

''جائیے اس سے پہلے کہ میرا صبر جواب دے جائے، آپ کے ماں باپ نے کوئی کمی چھوڑی ہے ہمیں دکھ اور دھوکا دینے میں جسے آپ پورا کرنے چلے آئے ہیں؟'' حمسہ نے تلخی سے کہا۔ وہ اپنا بیگ اور سوٹ کیس اٹھائے اندر داخل ہو گیا۔

''تمہاری باتوں کا جواب بعد میں دوں گا پہلے میں تایا جان اور تائی جان سے مل لوں۔'' اس کے

چہرے پر غصے کی لالی تھی۔ وہ حمسہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ضرور۔'' وہ تلخ لہجے میں کہتی گیٹ بند کر کے اندر چلی گئی اور آرب نجمہ بیگم اور شفیق حسین سے مل کر مطمئن ہوا تھا کہ وہ اس سارے معاملے میں اسے قصوروار نہیں سمجھ رہے تھے۔ آرب نے ان سے اپنے ماں، باپ کی اس حرکت پر معافی بھی مانگی تھی۔ حمسہ تو اس کے آنے پر شدید تپی ہوئی تھی وہ اوپر والے پورشن میں اپنے... کمرے میں چلا گیا تھا اور شفیق حسین نے نجمہ بیگم کو آرب کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی تاکید کردی تھی۔ وہ خود بھی آرب کی سعادت مندی کی وجہ سے اس کا خیال رکھنے پر آمادہ تھیں۔ آرب سے حمسہ کا رویّہ برداشت نہیں ہو رہا تھا اس کی بے رخی، غصہ، تلخی اسے بے چین کیے دے رہی تھی۔

☆☆☆

''محبت نہ ہوتی تو شاید یہاں سے چلے جانا آسان ہوتا، حمسہ کا منفی رویّہ، تلخ لہجہ تکلیف نہ دیتا، محبت ہے تو یہ سب ناقابلِ برداشت ہے یار، میرا تو اس سارے معاملے میں کوئی قصور بھی نہیں ہے پھر کیوں وہ مجھ سے خفا ہے؟'' آرب بے بسی سے اپنے سر کو اپنے ہاتھوں سے دباتے ہوئے اپنے دوست معید سے گویا ہوا تو وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''تم خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچو گے تو تمہیں وہ حق بجانب محسوس ہوگی اور ویسے بھی تم نے کون سا اس سے قول و قرار کیے تھے، محبت کے دعوے یا وعدے کیے تھے جو وہ تم سے نرمی اور لحاظ سے بات کرے۔''

''دعوے، وعدے کرنا ضروری نہیں ہوتا کچھ اظہار آنکھوں سے، عمل سے بھی کیے جاتے ہیں اور امی ابو نے تو تایا جان سے حمسہ کا باقاعدہ رشتہ مانگا تھا میرے لیے۔''

''اس میں بھی ان کا اپنا مفاد تھا جو سامنے بھی آگیا۔ اس مکان کی خاطر تمہارے پیرنٹس نے حمسہ کا رشتہ مانگا تھا تو یہ سب جاننے اور دیکھنے کے بعد تمہیں لگتا ہے کہ وہ سیدھے منہ بات بھی کرے گی تم سے؟ اسے اپنی توہین محسوس ہوئی ہوگی تمہارے ماں، باپ کی اس حرکت سے...... شکر کرو کہ اس نے تمہارا منہ نہیں توڑ دیا یا تمہیں دھکے دے کر گھر سے نہیں نکال دیا، یہ اس کی تربیت اور اعلیٰ ظرفی ہے میرے دوست......''

''شرم تو نہیں آرہی تجھے میرا دوست ہو کر ایسی فضول اور مایوس کن باتیں کر رہا ہے۔'' آرب نے اسے لتاڑا۔

''بھائی میں تو حقیقت بتا رہا ہوں...... بہتر ہے کہ تم اپنے تایا، تائی سے بات کر کے اپنی سائیڈ کلیئر کرو تاکہ تمہیں منزل تک پہنچنے کا راستہ مل سکے۔''

''تایا جان کا دل تو صاف ہے میری طرف سے...... وہ جانتے ہیں میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''بس تو پھر خاطر جمع رکھو، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر معید نے مسکرا کر کہا۔

''ان شاء اللہ......!'' آرب نے دل سے کہا اور تھکے ہوئے انداز میں بستر پر ڈھے گیا۔

☆☆☆

انیق حسین کو تین ماہ جیل میں رہتے ہو گئے تھے اور اس عرصے میں انہیں ہر نعمت کی قدر ہو گئی تھی۔ اپنی چالاکیوں، مکاریوں، غلطیوں اور زیادتیوں کا بھی شدت سے احساس ہو گیا تھا جو انہوں نے اپنے بڑے بھائی سے روا رکھی تھیں۔ اب وہ دل سے نادم تھے۔ زرقا جب بھی ملاقات کے لیے جیل جاتیں وہ یہی کہتے۔

''بھائی جان سے کہو مجھے معاف کر دیں تاکہ اللہ بھی مجھے معاف کر دے......'' زرقا ان کا پیغام ''حسین ہاؤس'' پہنچا دیتی تھیں۔ آرب کا نیا گھر تعمیر ہو رہا تھا مگر اس کا دل ''حسین ہاؤس'' میں ہی اٹک کر رہ گیا تھا۔ زرقا کو اس کی ضرورت تھی سو پاکستان میں ہی رکا ہوا تھا۔ اسما کے شوہر کو انیق حسین کی دھوکا دہی کا علم ہو چکا تھا اس نے افسوس کا اظہار ضرور کیا تھا سب کے سامنے کہ انہوں نے اپنے باپ جیسے بھائی کے ساتھ غلط کیا مگر عام مردوں کی طرح اسما کو بار، بار طعنے نہیں دیے تھے بلکہ اپنے گھر والوں سے بھی اس حقیقت کو چھپایا تھا تاکہ وہ اور اسما دونوں ان کے سوالوں سے اور

شرمندگی سے بچ سکیں۔

☆☆☆

وقت مزید گزرا...... پانچ ماہ ہو گئے تھے اسی دوران آرب کو واپس لندن جانا پڑا اس کی اسپیلائزیشن بھی مکمل ہو گئی تھی اور ہاسپٹل میں جاب بھی دو سال کے لیے پکی ہو گئی تھی۔ آرب کا دل حمسہ کی بے رخی پر تڑپتا رہتا۔ حمسہ کو گورنمنٹ کالج میں لیکچرار کی نوکری مل گئی تھی وہ بہت خوش تھی۔ آرب کا خیال بھی کبھار اسے بھی بے چین کر دیا کرتا لیکن چچا، چچی کا فریب اسے نارمل رہنے پر آمادہ کر دیتا تھا۔ شفیق حسین نے چھ ماہ بعد عدالت میں درخواست دی اور انیق حسین کو معاف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ضمانت کے لیے ضروری قانونی کارروائی مکمل ہونے کے بعد انیق حسین کو رہا کر دیا گیا تھا۔ انیق حسین نے بڑے بھائی کا شکریہ ادا کیا اور روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر ان سے اپنے کیے کی معافی مانگی۔ زرقا نے بھی بڑے بھائی، بھاوج کا شکریہ ادا کیا معافی مانگی۔ آرب کو باپ کی رہائی اور معافی پر دلی خوشی اور اطمینان محسوس ہوا تھا۔ اسا بھی سکون میں آ گئی تھی۔ آرب نے تایا جان کو فون کر کے ان کا شکریہ ادا کیا اور ہمت کر کے یہ بھی کہہ دیا۔

''تایا جان! میں حمسہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں امی، ابو کے کسی برے عمل کا ذمے دار نہیں ہوں...... پلیز مجھے ان کے کیے کی سزا مت دیجیے گا میری نیت نیک اور دل صاف ہے، مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ امید ہے آپ میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔''

آرب نے تو اپنے دل کی بات کہہ دی تھی اب شفیق حسین عجیب الجھن میں مبتلا ہو گئے تھے۔ نجمہ بیگم کو آرب کی خواہش کا بتایا تو وہ بھی سوچ میں پڑ گئیں۔ آرب انہیں بھی بہت پسند تھا مگر اس کے ماں، باپ نے جو حرکت کی تھی اس نے انہیں مشکل میں ڈال دیا تھا۔ انہوں نے حمسہ سے اس کی رائے لینے کا فیصلہ کیا اور آرب کی خواہش اس کے آگے رکھ دی۔

''امی، ابو! آپ دونوں کی کیا رائے ہے اس رشتے کے حوالے سے؟'' حمسہ نے الٹا انہی سے سوال کیا۔

''مجھے تو آرب کے رشتے پر پہلے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اب تو اس نے خود بات کی ہے۔ وہ بہت نیک اور سلجھا ہوا لڑکا ہے ماشاء اللہ! اب تو ایک کامیاب نیورو فزیشن بن چکا ہے۔ لندن میں تو جاب ہے ہی یہاں بھی کلینک بنانے کا ارادہ ہے اس کا بلکہ یہاں شفٹ ہونے کی صورت میں اسے کسی بھی بڑے اسپتال میں جاب مل جائے گی۔ مستقبل تو بہت روشن ہے اس کا اللہ کے فضل سے اور دیکھا بھالا اور گھر کا بچہ ہے۔'' شفیق حسین نے بھتیجے کی اچھی خاصی وکالت کر دی تھی۔

''تمہارے ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا۔'' نجمہ بیگم بولیں۔

''اور جو چچا نے کیا اس کے باوجود آپ اس شخص کے بیٹے کو اپنا داماد بنانا چاہتے ہیں۔''

''کیونکہ آرب اپنے ماں، باپ کے اعمال کا ذمے دار نہیں ہے، وہ ان کی ہر غلطی اور دھوکے پر نادم ہے آرب کا تو کوئی قصور نہیں ہے اس سارے واقعے میں۔'' نجمہ بیگم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''چاچو کو لگتا تھا کہ آرب کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک بڑے اور امیر گھر کی لڑکی کا رشتہ مل جائے گا تو بھلا وہ میرا رشتہ اب کیوں مانگیں گے؟ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد وہ کس منہ سے آپ کے پاس آئیں گے رشتے کی بات کرنے؟'' حمسہ نے سنجیدگی سے سوال اٹھایا۔

''آرب کی وجہ سے آئیں گے اور پہلے بھی تو رشتہ مانگا تھا انہوں نے۔ انیق کو لالچ ضرور تھا کہ اس گھر سے جانا نہیں پڑے گا مگر زرقا تو تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتی تھی۔ اور تمہارے چاچو کی اس حرکت نے تو انہیں ہمیشہ کے لیے ہمارے سامنے سرنگوں کر دیا ہے۔ وہ میاں بیوی تمہیں کبھی پریشان نہیں کر سکیں گے، ہمارا احسان ان کی نگاہ اور سر اٹھنے نہیں دے گا۔ تم ان سے نہیں وہ تم سے دب کر رہیں گے اور تم سر اٹھا کر جینا، راج کرنا پورے گھر پر۔'' نجمہ بیگم نہایت سنجیدگی سے

سمجھاتے ہوئے بولیں۔
"امی جو لوگ آپ سے شرمندہ ہوں، ندامت کے بوجھ تلے دبے ہوں ان کے دل میں خوف ضرور ہوتا ہے، آپ کے لیے عزت اور محبت نہیں ہو سکتی۔ جن رشتوں میں محبت اور اپنائیت نہ ہو بلکہ احساسِ ندامت ہو وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے، خوش نہیں رہ سکتے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں خوف، ندامتِ اور شرمساری کے ساتھ غصہ اور انتقام بھی موجود ہو اور وہ آپ کی بیٹی کو بہو بنا کر اپنا غصہ اور انتقام پورا کرنا چاہ رہے ہوں۔ اور کیا پتا آرب میں بھی تو وہی خون ہے۔" حمسہ نے سنجیدگی سے خدشات ظاہر کرتے ہوئے ان دونوں کو بھی فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔

"آرب تو ایسا نہیں چاہے گا، وہ تمہیں اپنے ساتھ لندن لے جائے گا اور پاکستان میں بھی رہے گا تو الگ رکھے گا اگر سے اپنے ماں، باپ کی نیت پر ذرا سا بھی شک ہوا تو؟" نجمہ بیگم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں تمام خدشات آرب کے سامنے رکھنے چاہئیں، مجھے تو وہ ہر طرح سے تسلی کروا چکا ہے مگر حمسہ بیٹی کی پوری زندگی کا سوال ہے اور اس کے خدشات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔" شفیق حسین نے کہا۔

"تھینک یو ابو!"

"تم فکر نہ کرو جب تک ہماری تسلی نہیں ہو جاتی تم مطمئن نہیں ہو جاتیں تب تک ہم آرب کے لیے ہاں نہیں کریں گے۔" شفیق حسین نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر کہا۔

"اور جو دو رشتے حمسہ کے لیے آئے ہوئے ہیں میرا خیال ہے کہ ہمیں ان کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ چھان پھٹک کر لینی چاہیے تا کہ اگر آرب سے انکار کرنا ہو تو ان دو رشتوں میں سے بہتر کو قبول کر لیا جائے آخر شادی تو کرنی ہے ناں حمسہ کی۔"

نجمہ بیگم نے ایک اور انکشاف کرتے ہوئے حمسہ کو بے کل کر دیا تھا۔ وہ کن دو رشتوں کا ذکر کر رہی تھیں؟ حمسہ کا دل بے چین اور مضطرب ہو گیا اور آرب کے علاوہ دوسرے آپشنز کا سن کر وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ اگرچہ آرب کے لیے بھی دل مطمئن نہیں تھا مگر سچ بات تو یہ تھی کہ وہ اسے دل سے نکال بھی نہیں پا رہی تھی۔

☆☆☆

"مجھے کیوں بے چینی ہو رہی ہے اب؟ میں تو آرب سے پیار نہیں کرتی تو ان کے علاوہ کسی اور کے رشتے کا سن کر مجھے برا کیوں محسوس ہو رہا ہے؟" حمسہ نے اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے خود سے سوال کیا۔

"کیونکہ تم بھی آرب کو چاہنے لگی ہو اس کی محبت نے تمہارے دل کے دروازے پر دستک دے دی ہے حمسہ حسین، اب تم خائف ہو آرب کے ماں، باپ سے تو آرب کی محبت سے انکار کر رہی ہو، اس کی محبت کو ٹھکرا رہی ہو جو اس کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔" دل نے اسے سمجھایا۔

"مگر میں کیسے بھروسا کر لوں آرب پر...... وہ اتنے سالوں سے لندن میں مقیم ہیں، کیا خبر کوئی لڑکی ان کی زندگی میں آ چکی ہو، چاچو، چچی کی ساری زندگی "حسین ہاؤس" میں گزری تھی باپ کے بعد بڑے بھائی نے پالا، سنبھالا، بھتیجی کی شادی کا آدھا خرچہ اٹھایا اس سب کے باوجود انہوں نے دھوکا دیا پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا ایسے لوگوں پر کیسے بھروسا کیا جا سکتا ہے؟ دلوں میں فرق آ جائے تو دوریاں جنم لیتی ہیں۔ نئے رشتے نہیں بن سکتے، چاچو کر لیں آرب کی شادی کسی امیر خاندان میں، مجھے ان پر اعتماد نہیں کرنا۔"

حمسہ کے دماغ نے حقیقت پسند ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اسے سمجھایا اور وہ حتمی فیصلے پر بالآخر پہنچ گئی تھی۔ امی، ابو کو بھی اپنے انکار سے آگاہ کر دیا تھا اور شفیق حسین نے بجھے دل کے ساتھ آرب تک اس کا انکار پہنچا دیا تھا جو اس کے دل پر بجلی بن کر گرا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو فون کر کے بتا دیا کہ حمسہ نے اس کا پروپوزل رد کر دیا ہے صرف ان دونوں کی دھوکا دہی اور لالچی طبیعت اور حرکتوں کی وجہ سے دونوں کو بہت ندامت اور رنج تھا کہ ان کی وجہ سے ان کے اکلوتے

بیٹے کی خوشی چھن رہی ہے پھر بھی انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور حسین ہاؤس جانے کا ارادہ کیا تا کہ شفیق حسین اور نجمہ بیگم سے دوبارہ حمسہ کا رشتہ مانگ سکیں اور انہیں ہر طرح کی یقین دہانی کرا سکیں کہ حمسہ ان کے گھر میں بہت آرام اور سکون سے رہے گی، عزت اور محبت سے رکھیں گے وہ اسے۔

''آپ لوگ فوراً انکار مت کریں، حمسہ بیٹی سے بھی کہیں کہ ہمارے کیے کی سزا ہمارے بیٹے کو نہ دے۔ معاف کر دیا تھا ناں تو پورے دل سے معاف کر دیں انکار سے تو یہی نظر آتا ہے کہ آپ سب نے دل سے نہیں معاف کیا ہمیں..... غلطی سدھارنے کا موقع دیا ہے تو ہمارا ساتھ بھی دیں بھائی جان! ہم اپنے بیٹے کو دکھی نہیں دیکھ سکتے۔'' انیق حسین نے بھائی، بھابی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''انیق! آرب ہمارا بھی خون ہے، اس کی خوشی ہمیں بھی عزیز ہے، ہم جانتے ہیں وہ بہت نیک اور اچھا لڑکا ہے تم کچھ وقت دو بات کریں گے حمسہ بیٹی سے..... اللہ ہمارے بچوں کے حق میں بہتر کرے گا، تم پریشان مت اور یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ ہم نے تمہیں دل سے معاف نہیں کیا، معاف کر دیا ہے مگر بیٹی کا معاملہ ہے بیٹی کا دل ڈرا ہوا ہے اور محتاط رہنا اچھا ہوتا ہے۔'' شفیق حسین نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں انہیں جواب دیا۔

''جی بھائی جان! درست کہا آپ نے.....'' انیق حسین نے کمزور سی آواز میں کہا دل احساسِ ندامت سے بھرتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

''آپی..... آ..... آرب بھائی تو بہت نائس اور زبردست انسان ہیں آپ کیوں تنگ کر رہی ہیں انہیں؟'' حمزہ نے بہن کے ساتھ لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے کہا۔

''تو کیا کروں.....؟''

''شادی کر لیں ان سے ساری زندگی خوشی اور سکون میں گزرے گی آپ کی..... اتنا تو پیار کرتے ہیں وہ آپ سے، بار، بار آپ سے شادی کی بات کرتے ہیں۔ ایک آپ ہیں کہ بار، بار انہیں مایوس کر رہی ہیں..... کہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑ جائے آپ کو.....'' حمزہ بولتا چلا گیا۔

''میں کیوں پچھتاؤں گی؟''

''محبت گنوا کر بھی کبھی کوئی خوش رہا ہے؟ اگر اپنی نادانی کے سبب محبت کھو جائے ناں تو انسان کے پاس عمر بھر کا پچھتاوا ہی باقی بچتا ہے آپ خود کو اس پچھتاوے سے اور آرب بھائی کو دکھ سے بچا سکتی ہیں بس..... ایک ہاں کرنی ہے آپ نے۔''

''سوچوں گی.....'' حمسہ نے چھوٹے بھائی کی باتیں سن کر گہری سانس لبوں سے خارج کر کے کہا۔

''کیا سوچنا ہے..... ہاں کر دیں بس.....''

''دل مان بھی جائے تو دماغ ہزار سوال اٹھاتا ہے۔''

''تو دماغ کا علاج آرب بھائی کر دیں گے آخر نیورو فزیشن ہیں۔'' حمزہ نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''خاموش رہو حمزہ..... مجھے کوئی دماغی مسئلہ نہیں ہے جو وہ علاج کر دیں گے اور محبت وہ مسئلہ ہے، جس کا علاج محبت کے سوا کچھ نہیں۔ من پسند شخص کی محبت مل جائے تو دنیا بھی جنت لگنے لگتی ہے۔'' حمسہ نے مسکرا کر فلسفہ جھاڑا۔

''جب جانتی ہیں محبت کی حقیقت تو انکار کیوں کر رہی ہیں..... بن مانگے مل رہی ہے اس لیے احساس نہیں ہو رہا ناں..... محبوب ساتھ ہو یا محبت اور عزت کرنے والا شریک حیات ہو تو اوروں کے منفی رویوں اور نفرتوں کی حیثیت ثانوی ہو جایا کرتی ہے۔ محبت تو سب نفرتوں کو مات دینے کا ظرف اور حوصلہ رکھتی ہے۔ میری پیاری آپی جان.....'' حمزہ نے بڑے سمجھدار اور تجربہ کار شخص کی طرح اسے باور کراتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں..... مگر حالات نے محتاط کر دیا ہے جہاں سے چوٹ کھائی ہو وہاں کا سفر بے دھڑک اور آسان نہیں ہوتا، انسان رسی کو بھی سانپ سمجھتا ہے۔''

''بات تو آپ کی بھی درست ہے آپی! لیکن انجان سے رشتہ جوڑنے سے بہتر ہے کہ کسی جاننے والے کو اپنایا جائے اور مکمل مسٹر پرفیکٹ تو بس فلموں میں ہی ملا کرتے ہیں بظاہر بہت اچھے نظر آنے والے بعد میں جب کھلتے ہیں تو بہت مان ٹوٹ جاتے ہیں، آرب بھائی کے معاملے میں کم از کم یہ خطرہ تو نہیں ہے وہ مہذب انسان ہیں رشتوں کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہیں۔'' حمزہ سنجیدگی سے بولا تو جواباً حمسہ نے فقط ہوں...... کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

☆☆☆

آرب کی وڈیو کال آئی تھی بار، بار اگنور کر کے بھی وہ تھک چکی تھی سو اب کال اٹینڈ کر لی تھی۔

''السلام علیکم!'' حمسہ نے اس کی صورت اسکرین پر نمودار ہونے پر سلام کیا۔ آرب اپنے کمرے کی کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھا تھا اور بیک گراؤنڈ میں ہرے بھرے درخت دکھائی دے رہے تھے۔ اسکائی بلو شرٹ اور وائٹ پینٹ میں ملبوس وہ بے حد ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ حمسہ کا دل اسے دیکھ کر پہلے تو گھبرایا اور پھر بے ترتیب ہو کر دھڑکنے لگا۔ عجیب انوکھا سا احساس دل میں جنم لے رہا تھا نئے سرے سے وہ آرب کو اپنے دل میں اترتا، متعارف ہوتا مسکراتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

''وعلیکم السلام......! کیسی ہو حمسہ......؟''

''ٹھیک ہوں میں......''

''تو مجھے بھی ٹھیک رہنے دو ناں......'' آرب نے معنی خیزی سے کہا۔

''کیا مطلب......؟''

''مجھے کیوں ریجیکٹ کر رہی ہو تم......؟''

''میں نے کب ریجیکٹ کیا ہے آپ کو؟'' وہ سنبھل کر بولی تو اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے رشتے سے انکار نہیں کیا تم نے؟ اور ریجیکٹ کرنا کسے کہتے ہیں؟''

''آپ کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔''

''نہیں...... کیونکہ یہ بات میری زندگی میں اس وقت سب سے اہم اور ضروری ہے، تمہیں میری فیلنگز کا ذرا بھی احساس نہیں ہے دل سے چاہتا ہوں تمہیں......''

''لیکن میرے دل میں آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں......''

''تو دماغ میں رکھ لو، وہ تو خالی ہے ناں......؟''

آرب نے شوخ و شریر لہجے میں کہا تو اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

''فالتو چیزوں کو میں دماغ میں جگہ نہیں دیتی ورنہ دماغ خراب ہو جاتا ہے۔'' حمسہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اور تمہارا تو پہلے سے ہی خراب ہے اس کا علاج بھی مجھے ہی کرنا ہوگا۔'' وہ اسے مزید تپانے کے لیے شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو وہ چڑ تو گئی مگر مسکرا کر بولی۔

''پہلے آپ اپنے دماغ کا تو علاج کر لیں۔''

''دماغ کا علاج تو میں کر ہی لوں گا مگر معاملہ دل کا ہے اور اس کا علاج صرف تمہارے پاس ہے حمسہ حسین......'' آرب نے سنجیدگی سے اپنے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر حمسہ کی حسین صورت کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ قدرے نروس ہونے لگی۔

''اور اگر میں علاج کرنے سے انکار کر دوں تو؟'' حمسہ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''تو مریضِ محبت کی موت کا الزام تمہارے سر ہوگا۔''

''اللہ نہ کرے......'' وہ بے اختیار بولی۔

''تو سوچ لو اللہ کو کیا جواب دو گی؟ ایک انسان کی جان بچا سکتی تھیں، اس کی زندگی میں آ کر مگر نہیں بچائی تو اللہ کے غضب سے کیسے بچو گی؟'' وہ اسے جذباتی طور پر متاثر کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''میں نہیں کہہ رہا اللہ تعالیٰ نے کہا ہے جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی اور تم تو ایک ڈاکٹر کی جان بچا کر واقعی بہت

سارے بیمار انسانوں کی زندگی بچانے کا ذریعہ بن سکتی ہو......'' آرب نے مسکراتے ہوئے استاد کی طرح سمجھایا جیسے وہ کوئی کند ذہن شاگرد ہو۔

''واہ، واہ، وا......ایموشنل بلیک میلنگ، کتنے چالاک ہیں ناں آپ......'' حمسہ نے ہنس کر تالیاں بجاتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے ہنسا اور اس کے سندر چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''زیادہ نہیں، بس تھوڑا سا ہوں آخر یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔''

''یہ میری بھی زندگی کا معاملہ ہے۔'' حمسہ نے کہا۔

''تو آؤ، ہم دونوں ایک دوجے کی زندگی بچالیں، ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے اپنالیں، ہماری زندگی خوشیوں اور چاہتوں سے سجالیں۔''

''ارے، ارے......آپ تو شاعری کرنے لگے۔''

''تو تم بھی شاعری میں جواب دے دو......''

''سوچوں گی۔'' وہ نگاہیں چرا کر بولی۔

دھڑکنیں اقرار کا شور مچانے لگیں۔

''اتنا مت سوچو کے عمل کا وقت ہی گزر جائے۔''

''کیا مطلب......؟''

''کچھ نہیں......'' آرب نے گہری سانس لیتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

''کچھ تو ہے، بات مکمل کریں......''

''تم زندگی مکمل کردو میری......'' آرب نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی زبان سے اس کا نام بے اختیار نکلا۔

''آرب! آپ......''

''بہت پیار کرتا ہوں میں تم سے......تمہارے ساتھ اپنی پوری زندگی بتانا چاہتا ہوں، میرے ماں، باپ کے دیے دھوکے کی سزا مجھے تو مت دو......''

''میں ان سب باتوں کو یاد نہیں کرنا چاہتی۔''

''تو بھلا کر آگے بڑھو ناں......میرے ساتھ۔''

آرب نے اسے بے قراری سے دیکھتے ہوئے کہا تو چند لمحے وہ اسے دیکھتی رہی پھر جواب نہ بن پڑا تو کال

دسمبر کی اداس شامیں

دسمبر کی اداس شامیں
پورے برس کی ہلچل، کامیابیوں، ناکامیوں،
خوشی، غمی سب کو سمیٹ لیتا ہے یہ دسمبر
کیا کھویا کیا پایا سب یاد دلاتا
ہے دسمبر کا سکوت
ایک بیوہ کے روپ کی طرح
ہر سو بکھرے زرد پتے یاد دلا رہے ہوتے ہیں
کہ ایک عمر گزار کر ہمیں چلے جانا ہے
جھڑی ہوئی درخت کی شاخیں
اور سوکھی ٹہنیاں گویا بتا رہی ہوتی ہیں
کہ ہر عروج کے بعد زوال ہے

فرحت جہاں، کراچی

منقطع کردی۔ آرب کا دل ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا اور بے کلی سے لان میں ٹہلنے لگا اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ حمسہ حسین کو کیسے قائل کرے۔ بے قراری، اداسی اور بے بسی نے اس کے اندر ڈیرا جمالیا تھا۔

☆☆☆

''حمسہ تیار ہو جاؤ جلدی اسما کی سسرال وقت پر پہنچنا چاہیے ہمیں......'' نجمہ بیگم نے ٹی وی لاؤنج سے ہی اسے آواز دے کر کہا۔ وہ ہلکے گلابی فراک، دوپٹے اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی۔ فراک اور دوپٹے پر سلور کام کیا گیا تھا میچنگ چوڑیاں، ہاتھوں میں موتیے کے گجرے پہنے بالوں کی چٹیا میں چنبیلی کے ہار گندھے تھے۔ مناسب میک اپ میں حوروں کی جھلک دکھلا رہی تھی۔ ہائی ہیل اسٹرپ والی پہنی تھی۔ خوشبوؤں سے مہکتی وہ خود کو آئینے میں دیکھ کر شرما سی گئی تھی۔

''امی! تیار تو میں ہوگئی ہوں مگر میرا بالکل موڈ نہیں ہے وہاں جانے کا اسما باجی کی گود بھرائی میں بھلا

میرے جانے کی کیا تک بنتی ہے آپ اور ابو چلے جائیں بس......'' حمسہ اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تو نجمہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

''ماشاء اللہ چشم بددور...... میری بیٹی تو کسی دلہن سے بھی زیادہ حسین لگ رہی ہے۔''

''وہی تو، اتنا تیار کروادیا آپ نے...... شادی میں تھوڑی جانا ہے۔'' وہ اپنا دوپٹا درست کرتے ہوئے بولی۔

''لیکن شادی کا بہانہ تو بن سکتا ہے ناں......''

''کیا مطلب......؟''

''بیٹا! ایسی ہی تقریبات میں تو دوسروں سے ملنے کا موقع ملتا ہے لڑکی پسند آسکتی ہے کسی کو تو کوئی لڑکا کسی فیملی کو اپنی بیٹی کے لیے اچھا لگ جاتا ہے یونہی بات آگے بڑھ کر شادی تک پہنچتی ہے۔''

''مجھے نہیں کرنی شادی اور وہ جو دو رشتے آئے ہوئے ہیں پہلے سے بقول آپ کے وہ کافی نہیں ہیں جو مزید رشتوں کی توقع لگ کر مجھے یوں سولہ سنگار کروادیا ہے؟'' حمسہ نے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تو نجمہ بیگم ہنس کر بولیں۔

''ضروری تھوڑی ہے جو پہلا، دوسرا رشتہ آئے اسی کو قبول کرلیا جائے لڑکی کی پوری زندگی کا معاملہ ہوت ہے لہٰذا آپشنز ایک سے زیادہ ہوں تو بہتر ہے ان میں سے جو ہمیں بہترین لگے گا ہم اسے تمہارے لیے پسند کرلیں گے۔''

''آپ کی باتیں سن کر میرا دل ڈوبا جارہا ہے، مجھے نہیں جانا اسما باجی کی سسرال......'' حمسہ منہ بسورتے ہوئے بولی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تو اکیلی کیا کریں گی گھر میں......؟'' حمزہ بھی تیار ہوکر چلا آیا اس کی بات سن کر بولا۔

''بھنگڑا ڈالوں گی......'' وہ چڑ کر بولی۔ ''بھئی اتنا تیار ہوئی ہوں فوٹو سیشن تو بنتا ہے ناں......؟''

''ٹھیک ہے، اس کے لیے آپ کو لوکیشن بھی تو شاندار سلیکٹ کرنی چاہیے۔' حمزہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اچھا...... تو کہاں لے کر جاؤ گے؟''

''سی ویو چلیں......؟''

''دماغ خراب ہوگیا ہے تم دونوں کا سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو تمہارے ابو گاڑی میں انتظار کررہے ہیں اور تم لوگوں کے نئے، نئے پلان بن رہے ہیں۔'' نجمہ بیگم نے ڈانٹتے ہوئے کہا اور دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

''چلو اب، اپنے لیے لڑکی پسند کرلینا بقول امی کے ایسے موقعوں پر یہ کام بخوبی انجام دیا جاتا ہے۔'' حمسہ نے اٹھ کر حمزہ کو آنکھوں سے دروازے کی سمت چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں، ابھی تو بچہ ہوں میں، تعلیم مکمل ہوگی، جاب ملے گی تب کہیں جا کر شادی کا کوئی سین آئے گا فی الحال تو آپ اپنی خیر منائیں کیونکہ آپ کا کھونٹا تیار ہے......'' حمزہ نے اس کے ساتھ باہر آتے ہوئے ہنس کر کہا۔

''بکومت......'' حمسہ نے اسے گھورتے ہوئے اس کے بازو پر مکا رسید کردیا وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

☆☆☆

شفیق حسین نے گاڑی ایک شاندار بنگلے کے گیٹ سے اندر لے جا کر طویل روش پر روک دی۔ دائیں جانب خوب صورت لان تھا روش سے آگے گیراج نما جگہ بھی تھی اور سامنے مین دروازہ تھا اندر جانے کے لیے۔

''یہ اسما باجی کا گھر تو نہیں ہے۔'' حمسہ حیرانی سے چاروں جانب دیکھتے ہوئے بولی اور باری، باری وہ چاروں گاڑی سے نیچے اتر گئے۔

''یہ ہمارا نیا گھر ہے......'' حمزہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولا تو امی، ابو کو ہنسی آگئی۔

''کیا کہہ رہے ہو؟''

''آئیں آپ کی تصویریں بناتا ہوں کتنی خوب صورت لوکیشن ہے ناں......'' حمزہ اس کا ہاتھ پکڑ کر

لان کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ شفیق حسین اور نجمہ بیگم .... اندر چلے گئے۔

''وہ تو ہے لیکن مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' حمسہ نے لان میں قدم رکھتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

''آپ کی چھٹی حس کچھ زیادہ ہی کام کرتی ہے۔''

''تم بھی کام میں لاؤ اپنی چھٹی حس کو زنگ لگانا ہے کیا؟''

''نہیں، چلیں پہلے فوٹو سیشن ہو جائے لان کے بعد اوپر والے پورشن میں بھی کچھ پکچرز بناؤں گا آپ کی.....''

''اوکے.....'' حمسہ نے مزید سوال جواب کرنے کا ارادہ ترک کیا اور خوشی خوشی اپنی ڈھیروں تصاویر بنوائیں۔ پورا گھر دیکھتے ہوئے وہ اوپر والے پورشن کے ایک وسیع و عریض بیڈروم میں داخل ہوئی تو کمرے کی سجاوٹ کو سراہے بنا نہ رہ سکی۔ ڈبل بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل، قالین، صوفہ سیٹ، پردے، ایل سی ڈی بھی نئے جدید اور قیمتی تھے...... پردے ہٹا کر باہر کا منظر دیکھا نیچے لان کا ویو تھا جو بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ یکا یک اس کی نظر... دوسری طرف اٹھی جہاں دیوار پر آویزاں آرب حسین کی انلارج فریم شدہ تصویر دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ سفید کاٹن کی براق شرٹ، سیاہ پینٹ کوٹ اور سیاہ بوٹ پہنے بالوں کے دلکش اسٹائل میں پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا دلکش اسٹائل میں پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا دلکشی سے مسکراتا ہوا آرب حسین دھڑکن بن کر اس کے پورے وجود میں دھک، دھک کرنے لگا تھا وہ حیرت اور ناسمجھی کے عالم میں کھڑی اپنی کیفیت کو نا سمجھتے ہوئے خود کو بے بس سا محسوس کر رہی تھی۔ آرب کی حسین صورت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

''تو یہ آرب کا بنگلا ہے جو وہ بنوا رہے تھے، حمزہ نے جھوٹ کیوں بولا مجھ سے؟ اور امی، ابو بھی تو یہاں خوشی سے آئے ہیں، یہ کیا چکر ہے جو سب مل کر مجھے گھما رہے ہیں؟ مجھے یہاں سے فوری چلے جانا چاہیے یہی بہتر ہے۔'' حمسہ نے دل ہی دل میں کہا اور جانے کے لیے پلٹی تو آرب حسین کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ وہ لائٹ گرے کلر کے پینٹ، کوٹ سفید شرٹ اور گرے کلر کے جوتے پہنے بہت وجیہہ و خوبرو دکھائی دے رہا تھا۔

''آرب.....آپ.....!'' حمسہ کے لب ہلے۔

''حمسہ! میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں، زندگی تمہارے سنگ بتانا چاہتا ہوں، میرے ماں، باپ کے دیے دھوکے کی سزا مجھے مت دو...... دیکھو میں اتنی دور سے صرف تمہیں منانے کے لیے آیا ہوں، تم اگر ہاں کردو گی میرے پرپوزل کے لیے تو میں ممکن ہے ہمیشہ کے لیے پاکستان آجاؤں......اور اگر تمہارا جواب نہ میں ہوا تو......''

''تو؟'' حمسہ نے سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تو ہمیشہ کے لیے واپس لندن چلا جاؤں گا، تمہارا ساتھ مجھے یہاں روک سکتا ہے اور دوسری کوئی وجہ نہیں ہے میرے یہاں رکنے کی...... میرے پاکستان آنے کا علم صرف حمزہ کو ہے اور کسی کو نہیں بتایا میں نے۔ تم اب بھی نہیں مانیں تو اسی خاموشی سے واپس لوٹ جاؤں گا جس خاموشی سے یہاں آیا ہوں......'' آرب نے اسے وارفتگی سے دیکھتے ہوئے نہایت جذب سے کہا۔

''ڈاکٹر ہو کر اس قدر جذباتی ہیں علاج کریں اپنا۔''

''اپنا علاج تو کسی ''اپنے'' سے ہی ممکن ہے۔''

''میں کوئی ڈاکٹر تھوڑی ہوں......'' حمسہ نے شپٹا کر نگاہ چراتے ہوئے جواب دیا۔

''تو بتاؤ، میں اس دل کا کیا کروں......؟ جو تمہیں چاہتا ہے، جسے صرف تمہارا ساتھ چاہیے، تمہارا پیار بھرا ساتھ۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''سمجھائیں اپنے دل کو...... ہر خواہش پوری نہیں ہوتی، ہر خواب کو تعبیر نہیں ملتی۔ ہر کہانی مکمل نہیں ہوتی اور مکمل ہو بھی جائے تو اس کا انجام من چاہا نہیں ہوا کرتا......اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے جیسا نہیں ہوتا...... کچھ کہانیاں ادھوری ہی رہتی ہیں۔ اپنے مکمل ہونے کی حسرت میں سسکتی رہتی ہیں، کچھ خواب تعبیر

کے لیے تڑپتے ہوئے مر جاتے ہیں اور بعض خواہشیں، حسرت میں بدل جایا کرتی ہیں، سب کو سب کچھ نہیں ملا کرتا، کوئی نہ کوئی کمی، خلش، حسرت یا کسک رہ جاتی ہے اور یہی زندگی ہے۔'' حمسہ نے کھڑکی کے قریب آکر باہر کا روشن منظر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ آرب بھی اس کے عقب میں آکھڑا ہوا تھا اس کے خموش ہونے پر بولا۔

''گویا تم ہم دونوں کو ہی سزا دینا چاہتی ہو؟ معاف نہیں کرنا چاہتیں میرے پیرنٹس کو؟''

''میں کون ہوتی ہوں انہیں معاف کرنے والی؟ امی، ابو نے معاف کر دیا کافی ہے۔''

''تو انکار کی وجہ؟'' آرب اس کے عین سامنے آکر پوچھ رہا تھا حمسہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو حمسہ کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔

''مزید کوئی دھوکا نہیں کھانا چاہتی۔''

''گویا تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے...... ہوں...... ٹھیک ہے جس شخص کے ماں، باپ نے اپنے سگے بھائی کو دھوکا دیا ہو، دکھ سے دوچار کیا ہو تم اس پر بھروسا کر بھی کیسے سکتی ہو؟'' اس نے دکھ سے لبریز لہجے میں کہا۔

''لیکن ایک بات یاد رکھنا حمسہ...... میں ایک الگ شخصیت، مختلف سوچ اور مزاج کا حامل انسان ہوں میرا، امی، ابو کے قول و فعل سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے مگر میں شرمسار ہوں ان کے کیے پر اور بار ہا تم سے تایا اور تائی جان سے معافی بھی مانگ چکا ہوں، انہوں نے ابو کو دل سے معاف کر کے ہی جیل سے بری کروا دیا تھا۔ پھر کسی کے ایک جرم کو، غلطی کو بار، بار دُہرا کر اس انسان کو اور اس سے جڑے رشتوں کو شرمندہ کرنے کا کیا مقصد ہے؟ ایسے تو وہ شخص کبھی نئے سرے سے زندگی شروع نہیں کر سکے گا۔ کبھی درست نہیں ہو سکے گا بس، نظریں جھکائے رہے ہر وقت......'' آرب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

''ہرگز نہیں، ایسا ہی تو نہیں چاہتی میں، آپ پوچھ سکتے ہیں ابو، امی سے انہیں بھی میں نے یہی کہا تھا کہ چچا، چچی میرے سامنے شرمندہ رہیں یہ مجھے گوارا نہیں...... رشتوں میں خوف نہیں دل سے عزت ہونی چاہیے، مجبوری نہیں خلوص اور اپنائیت سے ساتھ رہنا ضروری ہوتا ہے...... چچا، چچی مجھ سے کچھ کہتے ہوئے بات کرتے ہوئے جھجک محسوس کریں، سوچ میں پڑ جائیں وہ بے ساختہ پن ہی نہ ہو ہمارے رشتے میں جو کبھی ہوا کرتا تھا تو کیا فائدہ ایسے رشتے کا چوروں کی طرح، مجبوروں کی طرح ساتھ رہنا بھی کوئی ساتھ رہنا ہے۔'' حمسہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ اس کی حساسیت کو اور سوچ کو جان کر اس کا مزید گرویدہ ہو گیا تھا۔

''تم اپنے خلوص اور پیار سے امی، ابو کو اس احساس سے نجات دلا سکتی ہو حمسہ...... جب تم گزری تلخیوں کو بھلا کر آگے بڑھو گی تو وہ بھی ماضی کی غلطیوں اور زیادتیوں کو بھلا کر تمہارے ساتھ ویسے ہی پیار اور اپنائیت سے ہنسی خوشی رہنے لگیں گے اور تمہیں تو میرے ساتھ زندگی گزارنی ہے حمسہ...... میرے بارے میں کوئی خیال، احساس یا فکر پیدا نہیں ہوتی تمہارے دل میں؟ میں تم سے سچی اور پُرخلوص محبت کرتا ہوں جس دن تمہیں میری محبت اور خلوص پر اعتبار آجائے...... مجھے آواز دے لینا، میں سب چھوڑ چھاڑ کر چلا آؤں گا تمہارے پاس...... خیال رکھنا اپنا بائے......'' آرب نے اسے دیکھتے ہوئے دکھی لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور تھکے، تھکے قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ حمسہ کا دل جیسے بند ہونے والا ہو گیا تھا اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''حمسہ روک لو آرب کو ورنہ ساری زندگی روتے ہوئے گزارو گی... پچھتاؤ گی آرب کی محبت ٹھکرا کر۔'' حمسہ کے دل و دماغ نے اکٹھے شور مچانا شروع کر دیا تھا وہ تڑپ کر بے قرار لہجے میں بے اختیار اسے پکار اٹھی۔

''آرب......''

آرب کے اٹھتے قدم رکے اس کے جسم میں جیسے نئی روح پھونک دی اس کی ایک پکار نے آرب نے

گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کیں خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ اس کی سماعتوں کا دھوکا نہیں واقعی حمسہ نے اسے پکارا ہے۔ آرب کے ہونٹوں پر خوشی اور طمانیت کے احساس سے بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آرب......'' حمسہ نے اس کے پاس آتے ہوئے دوبارہ اس کا نام لیا تھا۔

''ہوں......'' وہ اس کی سمت مڑا۔ ''کیا ہوا؟''

''خود تو کہہ رہے تھے کہ آواز دے لینا......اب آواز دے رہی ہوں تو نخرے دکھا رہے ہیں۔''

''نخرے نہیں دکھا رہا بلکہ خود کو یقین دلا رہا ہوں کہ واقعی میری محبت نے مجھے پکارا ہے۔''

''یقین کرلیں ورنہ میں مکر بھی سکتی ہوں......'' وہ اتراتے ہوئے بولی تو آرب نے ہنس کر کہا۔

''محبت سے تو نہیں مکر سکتیں تم......''

''کون سی محبت؟'' وہ بلش ہوکر کمرے سے باہر آتے ہوئے بولی۔

''وہی جو تمہیں مجھ سے ہے۔''

''وہ تو آپ کو مجھ سے ہے۔'' حمسہ نے شرماتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تو یقین کرتی ہوناں میری محبت پر؟''

''یقین نہ کرتی تو آواز نہیں دیتی......'' وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی تو وہ خوش ہوکر بولا۔

''اوہ، تھینک یو حمسہ، آئی لو یو، چلو اب......''

''کہاں......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اس سے پہلے کے تمہارا یقین ڈگمگانے لگے قاضی کو بلا کر نکاح پڑھوا لیتے ہیں۔''

''او ہیلو......تھم کے رہیں......'' حمسہ نے اپنا ہاتھ چھڑا کر اس کے سینے پر رکھا اور اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔

''امی، ابو ڈھونڈ رہے ہوں گے مجھے......ہمیں اسما باجی کی گود بھرائی کی تقریب میں جانا ہے۔''

''اسما کی گود بھرائی تو اگلے جمعہ ہے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''تو آج کیا ہے؟'' حمسہ حیرت سے اسے تکتی اس کے دل پر بجلی گرا رہی تھی۔ وہ شوخ و شریر انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ کر بولا۔

''آج ہمارا نکاح ہے۔''

''کیا؟'' حمسہ کو تو جیسے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

''ہاں، مائی ڈیئر حمسہ حسین تم کچھ ہی دیر میں حمسہ آرب حسین بننے جا رہی ہو، ایسے ہی تو تمہیں دلہن کی طرح تیار نہیں کرایا ہم نے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے مزید انکشاف کرتا حمسہ کو بے یقینی کی سی کیفیت میں مبتلا کر گیا۔

''مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کے یہاں آنے کا علم صرف حمزہ کو ہے پھر نکاح کا انتظام کیسے کر لیا۔ سب سے جھوٹ بولا یا سب ملے ہوئے ہیں آپ کے ساتھ؟''

''کافی ذہین ہو تم۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔

''مطلب آپ سب ملے ہوئے ہیں، مجھے بیوقوف بنا کر یہاں لایا گیا ہے۔'' وہ ایک دم سے غصے میں آتے ہوئے بولی۔

''اوں ہوں......بیوقوف بنا کر نہیں......دلہن بنا کر لایا گیا ہے۔ ماشاء اللہ! کتنی حسین ہے میری دلہن نظر نہ لگے۔'' آرب اسے محبت پاش اور والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے دلنشیں لہجے میں بولا تو حمسہ ٹپٹا گئی۔ چہرہ تپ کر سرخ ہوگیا، دھڑکنیں محبت کی تال پر جھومنے لگیں۔ وہ ذرا سنبھلی۔

''جب آپ سب کو اپنی مرضی کرنی تھی تو صاف کہہ دیتے......یہ ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''تم ''ہاں'' کر دیتیں تو مجھے یوں لندن سے صرف تمہارے لیے نہ آنا پڑتا۔''

''بار، بار جتانے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو کے یہاں میرے لیے آئے ہیں، آپ صرف اپنے لیے آئے ہیں، اپنے دل کی خوشی کے لیے آئے ہیں۔'' وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے خفا، خفا لہجے میں بولی۔ نیچے حمزہ، شفیق حسین، نجمہ بیگم اور آرب کے گھر والے

ڈرائنگ روم میں ان کے منتظر تھے۔
''اور تمہارے دل کی خوشی؟ کیا میں نہیں ہوں تمہارے دل کی خوشی؟'' آرب بھی اس کے ساتھ ہی نیچے آگیا تھا۔
''خوش نہیں ہے آپ کی۔'' حمسہ اپنے بیوقوف بنائے جانے کا بدلہ لیتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی تو وہ ایک دم سے بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔
''ایسا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔''
''مجھ سے پوچھ رہے ہیں یا بتا رہے ہیں؟''
''میں بس ابھی واپس جا رہا ہوں۔'' وہ جانے کے لیے مڑا تھا۔
''ایسے کیسے جا رہا ہوں؟ اپنی دلہن کو ساتھ لے کر جائیے ویزا لگوائیں میرا ورنہ بھول جائیں لندن کو۔''
''حمسہ! تم......'' آرب پر تو جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی وہ اسے دیکھتے ہوئے بھی آنکھوں سے مسکرایا تھا۔
''کیوں؟ ڈراما صرف آپ ہی کر سکتے ہیں؟ حمسہ نام ہے میرا ساتھ کے ساتھ حساب برابر کرنا آتا ہے مجھے۔'' اس نے اتراتے ہوئے کہا تو آرب سمیت سب گھر والے ہنسنے لگے۔
''یعنی محبت کے جواب میں مجھے بے حساب محبت ملنے والی ہے تم سے تمام عمر ہے ناں؟'' آرب نے شوخ لہجے میں اس کے قریب آکر سرگوشی کی تھی۔
''شاید۔'' وہ شرماتے، مسکراتے ہوئے بولی تو آرب خوش دلی سے ہنس پڑا۔
''آرب ولا'' کے خوب صورت ڈرائنگ روم میں حمسہ اور آرب کا نکاح پڑھایا گیا۔ مٹھائی کھائی اور کھلائی گئی۔ خوب صورت فوٹو سیشن ہوا، دولہا، دلہن کا اور مزیدار، پرتکلف ڈنر سب نے مل کر کیا۔ آرب اور حمسہ بے حد خوش تھے دو دل ہی نہیں دو بھائی اور دو خاندان بھی ایک ہو گئے تھے۔
''میری خوب صورت دلہن کے لیے خوب صورت تحفہ حاضر ہے، یہ نکاح کا گفٹ ہے۔'' آرب نے سیاہ رنگ کی ہارڈ فائل جو سرخ ربن میں بندھی تھی حمسہ کو دیتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا۔
''یہ کیا ہے؟'' حمسہ نے گھنیری پلکیں اٹھا کر آرب کے خوشی سے دمکتے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میری محبت کی سچائی کا ثبوت...... یہ اس بنگلے کے کاغذات ہیں جو میں نے تمہارے نام کر دیا ہے، تمہیں اس گھر سے کبھی کوئی نہیں نکال سکتا یہ گھر تمہاری ملکیت ہے۔'' آرب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرم و ملائم لہجے میں محبت سے جواب دیا تو حمسہ کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چھلک پڑیں۔
''تھینک یو آرب! یہ گھر ہماری ملکیت ہے یہاں سے کوئی کسی کو نہیں نکالے گا، نہ ہی جانے کے لیے کہے گا کیونکہ ہم سب ایک خاندان ہیں...... آپ کو محبت کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔''
''یعنی تمہیں میری محبت پر اندھا اعتماد ہے۔'' آرب شریر لہجے میں بولا تو وہ ہنس کر اور اترا کر بولی۔
''ہاں، ہے۔ کوئی اعتراض؟''
''نہیں...... میری خوش بختی ہے یہ تو جانی!''
''واؤ، واٹ آ رومینس۔'' اسما نے شرارت سے کہا تو وہ دونوں شرما کر ہنس پڑے۔ اور پھر سب گھر والوں نے اس نئے نویلے نکاحی جوڑے کے ساتھ خوب تصویریں بنوائیں۔ آرب اور حمسہ کی آنکھیں ایک دوسرے کے لیے محبت کے خزانے لٹا رہی تھیں۔ چہرے خوشی سے چمک دمک رہے تھے۔ ہر طرف پیار و محبت بھری آواز گونج رہی تھی۔

''جیون کی لکیروں سے
محبت کے جزیروں سے
کبھی مایوس مت ہونا
وفا کی آس تم رکھنا
کٹھن کیسا بھی ہو لمحہ
یقین کے کل سفیروں سے
محبت کے جزیروں سے
مجھے آواز دے لینا!
مجھے آواز دے لینا''

(ختم شد)



مل کر عہد کر لیں

کارزارِ حیات میں دونوں فریقین اسی وقت کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں جب ان کے درمیان پر اعتماد ذہنی ہم آہنگی ہو۔ طاہرہ سہیل کی ازدواجیات کے موضوع پر ایک سبق آموز تحریر

''آپ آخر میری بات پر توجہ کیوں نہیں دے رہے؟ اس سے بات کریں، یہ کون سا طریقہ ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسے گھر تھوڑی چھوڑا جاتا ہے۔ کتنی قربانیاں دینا پڑتی ہیں عورت کو۔''

''صبر بیگم، صبر...... اسے سنبھلنے کا موقع تو دو۔ ایک بڑا دھچکا لگا ہے اسے۔''

''کیسا دھچکا...... مرد کی باہر کی زندگی کی مکلف نہیں ہے عورت اور اگر ہے تو اسے کہاں، کہاں پکڑے

گی۔ آج کل تو یہ معمول بن چکا ہے۔ اس نے کون سا اس منحوس لڑکی سے شادی کرنی تھی۔''

''اچھا، آپ خاموش رہیں، میں بات کرلوں گا اس سے۔'' مومن صاحب نے دروازے پر عکس محسوس کرتے ہوئے فاطمہ بیگم کو ٹوکا۔

''آپی......!'' ماہم کی چیخ سن کر دونوں میاں بیوی باہر کی طرف دوڑے تو دیکھا رامین ہوش وخرد سے بیگانہ زمیں بوس ہو چکی تھی۔

آئی سی یو کے باہر سب متفکر سے رب کے حضور گڑگڑا رہے تھے۔ مومن صاحب کو دور سے رضا آتا نظر آیا۔ ان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ کتنا چاہا تھا خود انہوں نے اور ان کی بیٹی نے اس شخص کو...... اسی کی وجہ سے ہی ان کی پھولوں سی نازک اور حساس بیٹی آج ان حالوں تک پہنچی تھی۔

''ماموں جی! کیسی ہے رامین...... کدھر ہے؟'' اس نے بےتابی سے ایک، ایک کا چہرہ دیکھا مگر جواب ندارد۔

''ہاں میرے اللہ، میں مستحق ہوں اس تحقیر کا جس نے اتنی خوب صورت اور چاہنے والی بیوی کا دل ٹکڑے، ٹکڑے کیا۔ جتنا بھی برا ہو جائے کم ہے۔ میرے مولا، اسے زندگی دے، دے۔ میں اس سے گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہتا ہوں، اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میرے پور، پور پر اس کے احسانات ہیں، اسی کی حکومت ہے۔ بھلا اس کی جگہ کوئی کیسے لے سکتا ہے۔''

وہ دل ہی دل میں اپنے رب سے محوِ کلام تھا۔

''بابا۔'' چودہ سالہ سعد، اس کے جگر کے ٹکڑے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''آپ اِدھر بیٹھیں، تھک جائیں گے۔''

بالکل ماں والا انداز۔ خود زخمی ہوتا مگر دوسروں کے لیے دوا بنتا۔ سعد کی آنکھیں سرخ تھیں۔ شاید وہ بہت رویا تھا۔

''سعدی میرے بیٹے، مانگ لو اپنی ماں کو اپنے رب سے ورنہ تم باپ سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ اس کا دکھ مجھے قطرہ، قطرہ ختم کر رہا ہے۔ معافی دلا دو مجھے اپنے رب سے اور اپنی ماں سے۔'' وہ بےبسی کے ساتھ اپنے بیٹے کے گلے لگ کر سسک اٹھا۔

''بابا، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مما کہتی ہیں ناں کہ یہ دنیا اصل میں امتحان گاہ ہے، یہاں سب کا امتحان ہو رہا ہے، بس ٹائپ مختلف ہے۔ ہمیں بھی اس امتحان سے نکلنا ہے...... اللہ سے مدد مانگ کر...... توبہ کر کے۔ پلیز بابا! حماد اور آیت بہت ڈسٹرب ہیں، چلیں ان کے پاس چلتے ہیں۔''

''تمہاری کس، کس خوبی کا اعتراف کروں رامین۔ خود کن حالوں کو پہنچ گئی ہو اور میرے بچوں کو مجھ سے رتی بھر بھی بدگمان نہیں ہونے دیا۔ اے میرے اللہ، میری ناشکری کی سزا رامین سے دوری کی صورت میں مت دینا، تجھے تیرے حبیبؐ کا واسطہ۔'' اس نے نم آنکھوں سے اپنے کل تک معصوم نظر آنے والے بیٹے کی طرف دیکھا جو آج ایک دم سے اتنا بڑا لگ رہا تھا اور باہر آ گیا۔

☆☆☆

مومن بیگ اور فاطمہ بیگ کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا حمزہ جواب بچوں والا تھا اور کاروبار میں ان کے ساتھ ہی شریک تھا۔ دوسرے نمبر پر رامین، ان کی بہت پیاری اور لاڈلی بیٹی۔ تیسرے نمبر پر ماہم جو رامین کے تقریباً دس سال بعد پیدا ہوئی تھی اور اب ایم فل کر رہی تھی۔

ایم ایس سی کیمسٹری سے فراغت کے بعد انہوں نے رامین کی شادی اپنے بھانجے رضا محمود سے کر دی تھی۔ رضا کے والد محمود صاحب اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے جس کی وجہ سے ان کی بہن کے مالی حالات ان لوگوں کے مقابلے میں خاصے خستہ تھے۔ ان کے دو ہی بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا ملازمت کے سلسلے میں باہر تھا۔ مومن صاحب، رضا کی عادات اور قابلیت سے بہت متاثر تھے یہی وجہ تھی کہ سب کی مخالفت کے باوجود انہوں نے یہ رشتہ طے کر دیا تھا۔

رضا کی انجینئرنگ مکمل ہوتے ہی انہوں نے شادی کر دی۔ کچھ عرصہ اس نے پرائیویٹ اداروں میں جاب

کی لیکن اس کی محنت اور قابلیت رنگ لائی اور اسے سرکاری ادارے میں گریڈ 17 کی گورنمنٹ جاب مل گئی۔

پندرہ سال کیسے گزرے، رامین کو پتا ہی نہیں چلا۔ تین بچوں کی پرورش اپنے گھر کی نسبت محدود وسائل میں کرنا مشکل کام تھا لیکن وہ بہت خوش تھی۔ شکر اس کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ ایک جان چھڑکنے والا شوہر، دو پیارے، پیارے بیٹے اور معصوم سی بیٹی۔ وہ رب کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔ رضا سے بڑے ضیا بھائی کینیڈا اشفٹ ہو گئے تھے۔ پھپو ساری عمر ایک تھکا دینے والی زندگی گزارنے کے بعد اب مزے میں تھیں۔ کینیڈا سے اکتا جاتیں تو پاکستان آ جاتیں۔ پاکستان سے دل اچاٹ ہوتا تو کینیڈا پہنچ جاتیں۔

رامین اپنے گھر اور بچوں میں بڑی مست و مگن زندگی گزار رہی تھی۔ اس نے کبھی بلاوجہ رضا کے باہر کے معاملات کی کرید بھی نہیں کی تھی۔ وہ اتنا جانتی تھی کہ شادی سے پہلے رضا اپنی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھا۔ حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس لڑکی کی شادی رضا سے بھی پہلے ہو گئی تھی۔ اس نے کبھی رضا سے اس بارے میں بھی بات نہیں کی تھی کیونکہ وہ سمجھداری اسی میں سمجھتی تھی کہ وہ ماضی کے بجائے رضا کے حال اور مستقبل سے وابستہ رہے۔

لیکن ایک شام اس کی زندگی سے سارا سکون و اطمینان نچوڑ کر لے گئی۔ اس روز رضا جانے کیسے موبائل گھر بھول گیا۔ وہ بچوں کو لے کر آئس کریم کھلانے گیا تھا۔ اپنی جاب سے وابستہ پروجیکٹ مکمل کر کے ایک ہفتے بعد وہ رات ہی گھر آیا تھا۔ اس نے گلے کی خرابی کو غنیمت جانتے ہوئے سوچا کہ ان لوگوں کے جانے کے بعد گھر کے کام نمٹالے گی کیونکہ اس کے پاس ایک ہفتے کا اسٹاک تھا جو رضا سے شیئر کرنا تھا یعنی گھر سے، بچوں سے متعلق رضا سے مشورے کرنے تھے۔

وہ اب کام سے فارغ ہو چکی تھی۔ اس نے رضا کے نمبر پر کال کی تو تکیے کے نیچے ہوتی وائبریشن سے پہلے تو وہ ایک دم ڈری پھر مسکرا دی۔

''لو جی، محترم فون گھر پر ہی بھول گئے۔'' اس نے فون اپنی طرف کھینچا۔

''ارے چھ میسجز۔'' لیکن فرام نازیہ پڑھ کر اسے زندگی میں پہلی مرتبہ کچھ عجیب سا احساس ہوا اور تجسس بھی لیکن فون لاکڈ تھا۔ اس نے بے بسی سے فون کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے موبائل واپس تکیے کے نیچے رکھا اور باہر آ گئی۔

اس کے تینوں بچے اتنے دنوں کے بعد باپ کی کمپنی پا کر انتہائی خوش تھے۔ وہ اس سے شکوہ کرنے لگے کہ آپ نے ہمارے ساتھ نہ جا کر زیادتی کی۔

''اتنا مزہ آیا مما! بھیا نے بابا سے کہا، بابا...... آج ہم نے خالی آئس کریم نہیں کھانی۔ ہمیں برگر کھانا ہے۔''

سات سالہ آیت تفصیل بتانا شروع ہو چکی تھی اور رضا اسمائل پاس کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی وہ بچوں کے بیگ چیک کرے گی تب ہی کمرے میں آئے گی۔

رامین کی چھٹی حس اسے بے چین کر چکی تھی۔ اس نے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ رضا موبائل پر کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھا اور ہلکی مسکراہٹ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ وہ شام اس کا قرار لٹ جانے کی پہلی شام تھی۔

آخر اسے ایک آئیڈیا آیا۔ وہ اکثر رضا سے موبائل لے کر امی، ابو کو کال کیا کرتی تھی۔ رضا بھی جانتا تھا کہ وہ اپنے موبائل میں بیلنس بہت کم ڈلواتی تھی۔ سب اسے خود ہی فون کرتے تھے۔ کبھی ضرورت پڑتی تو وہ رضا کے فون سے کال کر لیتی۔

''بیٹا، بابا سے کہیں مما نے نانو سے ضروری بات کرنی ہے، پلیز ایک منٹ کے لیے فون دے دیں۔'' اس نے آیت سے کہا۔ اگلے لمحے آیت فون لے آئی۔

''بابا کہہ رہے ہیں میری ضروری کال آنی ہے، آپ جلدی سے بات کر کے دے دیں۔''

اسے کال کہاں کرنی تھی، فون کھلا ہوا تھا۔ جلدی،

جلدی میسجز پڑھے۔ اک قیامت تھی جو اس کے دل و دماغ میں برپا تھی۔ دونوں بیٹے تقریباً سو چکے تھے۔ اس نے آیت کو بھی سونے کے لیے کہا اور باہر آ گئی۔

لاؤنج میں آ کر اس نے مزید میسجز پڑھے۔

تو گویا رضا آپ زندگی کی نئی رنگینیوں میں گم ہو چکے ہیں۔

انتظار کرنے کے بعد رضا خود موبائل لینے آیا تو وہ بالکل ایسے بیٹھی تھی جیسے ایک لمبی مسافت سے آنے والے مسافر کو منزل کے قریب آ کر پتا چلے کہ اس کا تو سارا اسباب لٹ چکا ہے، وہ بالکل تہی دامن ہو چکا ہے۔ اس کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ کر رضا کی سٹی گم ہو گئی۔

"کیا...... کیا ہوا رامی؟" اس نے بے چینی سے اسے چھوا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھی اور موبائل صوفے پر پھینک کر وہاں سے چلی گئی۔

موبائل پر sent items میں اس کا لکھا sms جگمگا رہا تھا۔

"کل وہی سوٹ پہن کر آنا ہے جو میں لایا ہوں۔"

"اوہ......" رضا سانس لینا بھول چکا تھا۔ اس نے مشکل سے سانس کھینچی اور ڈرائنگ روم کی طرف دوڑا۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"رامی پلیز...... میری بات سنو۔"

"رضا، رامی مر گئی ہے...... سب کو بتا دیں۔ رامی کی موت ہو گئی، آ کر جنازہ پڑھ لیں۔ کوئی پلیز میرے امی، ابو کو بتا دے آ کے میرے بچوں سے تعزیت کریں۔ ان کی ماں بے موت بے خبری میں ماری گئی۔ ایک کامیاب اور پُرفخر عورت کی موت ہو گئی جس نے پندرہ سال اس نشے میں گزارے کہ وہ ایک کامیاب عورت ہے، جس کے پاس کائنات کی بہترین نعمتیں ہیں لیکن رضا میں تو اصل میں تہی دست تھی، بالکل خالی ہاتھ ہوں میں تو۔ بہت زور کا طمانچہ مارا ہے وقت نے میرے منہ پر۔" اس کا بلکنا رضا سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ خود اپنے ہاتھوں زندگی کی بساط الٹ دی تھی اس نے۔

"رامین، خدا کے لیے میری بات سنو۔ تم جانتی ہو ناں ایک سال پہلے میں نے ہی اسے جاب دلائی تھی۔ تم نے بھی کہا تھا یتیم ہے، کوشش کر دیکھیں۔ وہ میری بہت مشکور تھی۔ بس ایسے ہی وہ sms کر دیتی ہے، میں جواب دے دیتا ہوں۔"

"ہاں رضا...... بس ایسے ہی آپ اسے لیٹ آنے پر سرزنش کے بجائے شکوہ کرتے ہیں...... بس ایسے ہی وہ آپ کے ناراض ہونے پر عشقیہ شعر بھیجتی ہے...... بس ایسے ہی آپ سے پوچھ، پوچھ کر وہ ڈریسنگ کرتی ہے۔" وہ روئے جا رہی تھی۔

"بہت اچھا صلہ دیا ہے میری محبتوں کا آپ نے۔ اللہ کا بھی حکم ہے کہ قربانی کرتے وقت چھری تیز رکھو تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ آپ نے تو کند چھری سے ذبح کیا ہے مجھے۔ اب تماشا دیکھیں گے آپ میرے تڑپنے کا موت تک۔"

"کیوں...... میں ابھی تمہارے سامنے اس سے تعلق ختم کر دوں گا، بس شیطان کا جال تھا۔ رامی پلیز، مجھے معاف کر دو...... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"چپ کر جائیں......!" وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی۔ "معافی کس بات کی؟ آپ کا حق تھا کہ آپ اپنی زندگی کو رنگین بنائیں۔ بیوی پرانی ہو گئی تھی ناں، صرف ضرورت کی شے...... گھر کی رکھوالی بھی تو آخر کسی نے کرنی ہے...... اور میری بیوقوفی پر کتنا اعتماد تھا آپ کو کہ دو ماہ پرانے میسجز بھی ڈیلیٹ نہیں کیے، کال ہسٹری میں سارا ریکارڈ پڑا ہے۔ حالانکہ میں اکثر آپ سے فون لیتی تھی۔ پتا تھا ناں ایک احمق عورت سے نصیب جڑا ہے آپ کا جو اپنی فتح کے نشے میں چور اِدھر اُدھر دیکھتی ہی نہیں۔ اسے تو آپ کا طواف کرنے سے ہی فرصت نہیں تھی۔ معافی تو مجھے مانگنی ہے اپنے رب سے...... میرے اللہ، یہ کیا ہو گیا میرے ساتھ، اتنی اذیت ہے میرے مولا، کیوں تو نے میرے دل پر یہ سارے بھید کھولے...... میں اب کیسے جیوں گی۔" ایک

دم ہی وہ قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے مخاطب ہوگئی۔ رضا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

ساری رات روتے، روتے وہ ڈرائنگ روم کے فرش پر ہی لڑھک گئی تھی۔ سچ ہے نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔

صبح رضا نے بچوں کو اسکول بھیجا اور چھٹی کے لیے اپنے آفس فون کیا۔ صبح نماز کے لیے وہ خود ہی اٹھی تھی۔ اللہ سے شکوے شکایتیں کرتی اسے وہ بالکل معصوم بچی لگی تھی جیسے اچانک اس سے کسی نے اس کا عزیز ترین کھلونا لے کر توڑ دیا ہو۔

رضا نے اپنا اور اس کا ناشتا بنایا۔ ماسی کو کام کرنے کا کہہ کر وہ ڈرائنگ روم میں آگیا۔

”رامین، اٹھو پلیز۔“ رضا نے ہولے سے اسے جھنجوڑا تو وہ ایک دم ہی اٹھ بیٹھی اور خالی نظروں سے اسے تکنے لگی۔

”اب میں کیا کروں گی رضا...... مجھے کہاں جانا ہے؟“ اس نے معصومیت اور بیچارگی سے پوچھا تو رضا کو ایک دم ہی شدت کا رونا آگیا۔

”تمہیں کہیں نہیں جانا رامین...... میں تمہارا گناہ گار ہوں لیکن یہ گھر، یہ بچے، سب کچھ تمہارا ہے۔ پلیز، مجھے معاف کردو۔ میں شیطان کے بہکاوے میں......“

”بب...... بس۔“ اس نے رات والے ہسٹریائی انداز میں کہا۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر واش روم چلی گئی اور رضا بچوں کے واش روم میں نہانے چلا گیا۔

نہا کر واپس آیا تو اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ رامین کی ذہنی حالت کو کیسے ہینڈل کرے۔ وہ حقیقتاً ان بیویوں میں سے تھی جو دلوں کی راحت ہوتی ہیں۔ اسے کبھی اس طرح کے حالات تو کیا، اس کی ناراضی تک جھیلنا نہیں پڑی تھی۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ، ساتھ اس کے نخرے بھی ایک لاڈلے بچے کی طرح اٹھاتی تھی۔

”ماسی...... بیگم صاحبہ کدھر ہیں؟“

”صاحب! وہ تو ابھی باہر گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اپنی امی کی طرف گئی ہیں۔ میں نے کہا بھی آپ صاحب کے ساتھ گاڑی پر جاؤ......“ ماسی کی تفصیل سننے کا ٹائم نہیں تھا، وہ گیٹ کی طرف دوڑا۔ سڑک پر ہو کا عالم تھا۔ اس نے جلدی سے گاڑی نکالی، وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ گویا اسے کوئی رکشا مل گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کے گھر میں اس کا سامنا کرنے کی رضا میں ہمت نہیں تھی۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ واپس آگیا۔

رامین گھر آئی تو فاطمہ اس کے بے وقت آنے اور سوجی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ وہ بھی سلام کر کے اپنے اور ماہم کے مشترکہ کمرے میں چلی گئی۔

”بچوں کو اسکول بھیج آئی ہو بیٹا...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“

”جی امی، بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے......“

”اچھا تم آرام کرو، میں تمہارے لیے ناشتا لاتی ہوں۔“ کچھ دیر بعد وہ ناشتا لے کر آئیں تو وہ...... بے سدھ پڑی تھی۔

”یا اللہ خیر ہو۔“ شادی شدہ زندگی کے پندرہ سال میں وہ ہمیشہ ہنستی مسکراتی آتی اور ہنستی مسکراتی جاتی تھی۔ گھر، بچے، شوہر، یہی محور و مرکز تھے اس کا اور اس طرح بے ٹائم آنا تو اس کی سرشت میں ہی نہیں تھا۔ وہ پریشان سی کھڑی اسے دیکھے گئیں۔

مومن بیگ کچھ دیر پہلے ہی آفس آئے تھے کہ انہوں نے رضا کو اپنے آفس میں داخل ہوتے دیکھا۔

”ارے بھانجے، یہ تو آپ کے اپنے آفس کا ٹائم ہے، خیریت تو ہے؟“

”جی ماموں! بس تھوڑا آپ کا ٹائم چاہیے۔“ اس نے من و عن ساری داستان کہہ سنائی تو مومن صاحب کا دل دکھ سے بوجھل ہوگیا۔

”یہ کیا، کیا رضا تم نے...... تم جانتے ہو میری یہ بیٹی...... اس کی عادات...... اللہ کی خاص کرم نوازی ہے اس پر۔ جب میں نے تم سے اس کا رشتہ کیا تو ایک سے ایک رشتہ موجود تھا میرے ہاتھ میں، سب کی مخالفت کے باوجود اس نے میری خواہش کو دیکھتے ہوئے اپنا ووٹ میرے حصے میں ڈالا تھا۔“

"میں سب جانتا ہوں ماموں جی! وہ میرے لیے اللہ کا ایک خوب صورت تحفہ ہے لیکن ماموں، مجھے خود سمجھ نہیں آرہی میں کیسے اتنا آگے نکل گیا۔" وہ سراپا ندامت بنا ہوا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"ماموں جی! آپ کے بے شمار احسانات ہیں مجھ پر، خدا کے لیے ایک احسان اور کردیں، اسے کسی طرح گھر واپس بھیج دیں۔ میں اس کے پیروں میں بیٹھ کر اس سے معافی مانگ لوں گا۔"

"چلو پھر شام میں ملتے ہیں، تم گھر آجاؤ۔" مومن بیگ کی یخ بستہ سانس رضا کو مزید شرمندگی کے گڑھے میں گرا گئی۔

اس نے بازار سے کھانا لیا اور بچوں کو دو مختلف اسکولوں سے پک کرتے ہوئے اسے شدت سے احساس ہوا کہ یہ کس قدر مشکل کام تھا جو رامین کئی سالوں سے بے چون و چرا انجام دے رہی تھی۔ ماؤف ذہن کے ساتھ اس نے یہ بات نوٹ ہی نہیں کی کہ سعد نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے سلام بھی نہیں کیا تھا جبکہ آیت اور حماد مما کی جگہ بابا کو دیکھ کر چہک رہے تھے۔ راستے میں ہی اس نے بچوں کو بتایا کہ مما، نانو کی طرف ہیں، شام میں ہم انہیں لینے چلیں گے۔

آج اسے میکے آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا۔ اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے بھیجا جاتا۔ مومن صاحب نے رضا کو آنے سے منع کر دیا تھا۔ بچے البتہ ہر دوسرے دن آجاتے تھے۔ چھوٹے دونوں کو سنبھالنے میں سعد نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ سعد، ماں سے لپٹ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دیا تھا۔

"مما، مجھے بھی گھر واپس نہیں جانا۔ مجھے بابا بالکل اچھے نہیں لگتے۔ انہوں نے کیوں آپ کو دکھ دیا، کیوں ایک لڑکی سے دوستی کی؟" رامین نے چونک کر بیٹے کو دیکھا۔ یہ وہ پھل ہے جسے یہاں تک لانے کے لیے اس نے اپنے خون سے آبیاری کی تھی۔ آج وہ پھل اپنی جڑ سے بھی برگشتہ تھا۔ یہ تو اس سے بڑی ناکامی تھی۔

"نہیں سعد، میری جان، ایسے نہیں کہتے بیٹا...... آپ کے بابا ایک بہترین انسان ہیں...... غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ آپ کو پتا تو ہے آپ کے بابا کے بابا ان کے بچپن میں فوت ہوگئے تھے۔ پھپو بیچاری اپنی اولاد کو اس طریقے سے سب کچھ نہیں سمجھا سکیں جیسے میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔ اللہ کی رضا اور ناراضی والی باتیں...... محرم اور نامحرم کا فرق اور بہت کچھ...... اور پھر بابا کی تو مجبوری ہے۔ ان کی بہت سی کولیگز ہیں، انہیں سب کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ بس کبھی، کبھی غلطی سے توازن بگڑ جاتا ہے...... وہ ہی بگڑا ہے میری جان...... وہ اسے سیٹ کرلیں گے اللہ سے توبہ کر کے...... مجھ سے سوری تو وہ بارہا کر ہی چکے ہیں...... دیکھو جانو! کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اولاد کو ماں، باپ کو سنبھالنا پڑ جاتا ہے، میں اور آپ کے بابا تھوڑے مشکل ٹائم سے گزر رہے ہیں۔ آپ نے دل چھوٹا نہیں کرنا۔ ہمیں سنبھلنے کے لیے تھوڑا ٹائم دینا ہے، آپ کے بابا بہت ڈسٹرب ہیں، انہیں پراپر ٹائم دینا ہے، ان کے کھانے کا خیال رکھنا ہے۔"

"اور...... مما، بابا کو معاف کرنے کے لیے آپ کو کتنا وقت لگے گا؟" سعد نے بے تابی سے ماں کی بات کاٹی۔

"میں تو انہیں معاف کرچکی ہوں بیٹا...... بس یہ دل ہے ناں، بہت بری طرح ٹوٹا ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگتی، اس نے جلدی سے بچوں کو گھر کے لیے رخصت کیا۔

وہ اپنے دل و دماغ کی جنگ کے ہاتھوں بری طرح ہار رہی تھی۔ جب وہ مومن صاحب کے گھر میں دل ہلکا کرنے آئی تھی اور اس نے امی کی وہ ساری گفتگو سنی، نڈھال تو وہ پہلے ہی تھی، فاطمہ بیگم کی بات سن کر اسے شدید دھچکا لگا اور نتیجتاً نروس بریک ڈاؤن ہوا۔

کتاب زیست میں اپنا شمار کیسے کروں
کہ میرا نام بھی اب کٹ چکا فسانے سے
دکھا دیا میرے اپنوں نے آئینہ مجھ کو
کہ اب تو خوف ہی رہتا ہے دل لگانے سے

اسے اسپتال سے آئے تیسرا دن تھا جب اس نے ابو سے گھر چھوڑ آنے کے لیے کہا۔

"تم اپنی ماں سے ناراض ہو کے جا رہی ہو بیٹا؟" انہوں نے افسردگی سے اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھا۔

"نہیں ابو، جانا تو مجھے تھا ہی، بس تھوڑا سانس لینے آئی تھی۔ ایک ٹوٹے ہوئے انسان کو جڑنے کے لیے تھوڑا ٹائم تو چاہیے ہوتا ہے ناں ابو جی۔ لیکن اپنی ٹینشن میں، میں نے دیکھا ہی نہیں میرے بچوں کے آئیڈیل ہوم کے پرخچے اُڑ رہے ہیں، میرے اس طرح رہنے سے۔ میں اپنی ٹوٹ پھوٹ کا سایہ بھی ان پر نہیں دیکھنا چاہتی۔ آپ بس اللہ سے دعا کریں کہ اللہ پاک مجھے جلدی سے نارمل کر دیں۔"

"بالکل کروں گا میری بیٹی! میں لمحہ، لمحہ تمہاری صحت و عافیت اور پہلے جیسی فریش زندگی کی دعا کروں گا لیکن تم بھی اپنی قوتِ ارادی سے شیطان کے اس حملے کو جو وہ تمہارے دل و دماغ پر کرتا ہے تمہارا گھر خراب کرنے کے لیے، اسے شکست دو گی...... اور بیٹا، تم ایسے نہیں جاؤ گی۔ رضا کب سے بضد ہے آنے کے لیے۔ آج مجھے اسے بلانے دو۔"

بچے ماں کو لینے آئے تھے اور مسلسل چہک رہے تھے اور وہ پوری قوت سے نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

مومن بیگ اور فاطمہ کی نظریں مسلسل اس کا طواف کر رہی تھیں۔

"سنو رضا!" چلتے وقت مومن بیگ نے اسے روکا۔ "بیٹا، ہمارا دین کامل ہمیں ہر موقع پر راہنمائی فراہم کر رہا ہے میڈیا اور موبائل عفریت کے مقابلے کے لیے۔ اگر اپنے دین پر ڈٹے رہنے کا جذبہ اجاگر نہیں کرو گے تو بہہ جاؤ گے پھر دنیا ہاتھ آئے گی نہ آخرت۔ قرآن نے ہم پر ایک، ایک بات کھول دی ہے۔ مرد و عورت کی حدود...... شیطان کے اوچھے ہتھکنڈے...... اس عمر میں جب آپ کو اپنے بچوں کو صحیح، غلط کی راہنمائی دینی ہے تو خود اللہ کی حدیں توڑو گے تو اگلی نسل اور اس سے اگلی نسل کا نقشہ سوچو ذرا کیا ہوگا۔ اللہ نے حلال میں برکت رکھی ہے، چاہے وہ روزی ہو یا تعلقات...... مت بھولو کہ ہم اپنے ہر عمل کے لیے رب کائنات کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ پچھلی غلطیوں کو بھول کر ہم اپنے بچوں اور بچیوں کو گھر سے تربیت دیں، آگاہی دیں اللہ کی حدود کے بارے میں تو بربادی کا یہ طوفان جو گھر، گھر کا رخ کر چکا ہے ان شاء اللہ رک جائے گا۔ اللہ اپنی رحمتوں کی چادر میں تمہیں چھپا لے گا، ان شاء اللہ۔"

وہاں موجود سب نے مل کر کہا تو ننھی آیت کیوں پیچھے رہتی۔ اس نے بھی نعرے کی صورت "ان شاء اللہ" ادا کیا تو رامین نے بے ساختہ آنے والی مسکراہٹ کو روکا اور رضا نے والہانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

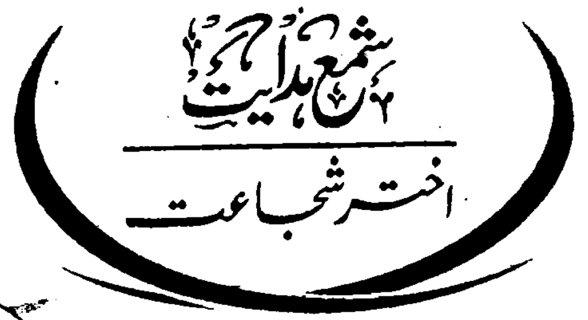
گویا اس کی توبہ اور دعائیں رنگ لا رہی تھیں۔ دراڑ پڑ چکی تھی۔ بے انتہا شکر واجب تھا۔ اس کا رواں، رواں اللہ کے حضور سجدہ ریز تھا۔ اب اسے اپنے ملال اور رامین کے دل میں جاگزیں احساسِ زیاں کو دھونا تھا جو یقیناً وقت کے ساتھ ہی ممکن تھا۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے رامین کو مسلسل معذرت کے میسجز کر رہا تھا۔ جواب صرف رات آیا تھا اور اس جواب نے اسے جیسے نئی زندگی عطا کی تھی۔

"میں کیسے بھول سکتی ہوں
کہ تم میرا حوالہ ہو
میرے ماتھے کا جھومر ہو
میرے ہاتھوں کا کنگن ہو
آؤ ناں سرتاج مل کر
عہد اک کرلیں
نہ تم بھولو کہ تم مجھ سے مکمل ہو
نہ میں بھولوں کہ تم میرا
حسیں سا پیراہن ہو"

"عہد کرلیا رامین رضا...... میں نے دل سے عہد کرلیا اپنے رب کو منانے کا اور اپنے سے وابستہ خوب صورت رشتوں کو خوش رکھنے کا۔" اس نے میسج پڑھ کر خود سے عہد کیا تھا۔







اخوت......فضلِ الٰہی

تمام تر حمد وثنا اللہ رب العزت کے لیے جو تمام جہانوں کا مالک، خالق اور رازق ہے......اے میرے رب! تجھ سے التجا ہے کہ ہمارے سب اعضا کو اپنی اطاعت وبندگی میں مشغول کردے۔

اے اللہ! ہمیں اپنا قرب اور صحت عطا فرما...... دنیا اور آخرت میں اپنی ملاقات نصیب کر......اپنی قربت اور زیارت سے ہمیں لذت عطا فرما......ہمارے دلوں کو اپنی معرفت کے ساتھ منور کردے......اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما......اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچائے رکھنا......یا الٰہی! ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلؑ پر رحمت نازل فرما......درود وسلام ہو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر......(آمین)

آج ہمارا موضوع ''اخوت'' ہے۔اخوت کے لغوی معنی ہیں بھائی بندی، بھائی چارہ، برادری...... عربی زبان میں ''اخ'' کے معنی بھائی کے ہیں اسی لفظ سے اخوت بنا ہے جس سے مراد بھائی بندی اور بھائی چارہ ہے۔دینی برادری اور بھائی چارے کو اخوت کہا جاتا ہے......اسلامی نقطۂ نظر سے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔یعنی کلمۂ طیبہ پڑھنے سے اسلامی برادری میں شامل ہونے کے اعلان کے بعد وہ انسان پہلے سے موجود مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے۔خواہ مسلمان ہونے والا کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کیونکہ اسلام میں شامل ہونے کے لیے رنگ، نسل، امارت، غربت، حاکم یا محکوم ہونے کا کوئی دخل نہیں......اسلامی اخوت کا رشتہ بہت مضبوط ہے۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے بعد جو سب سے پہلا کام کیا تھا وہ یہی اخوت کا رشتہ قائم کیا تھا......تاکہ آپس میں مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد پیدا ہوجائے۔اخوت مسلمانوں کے دلوں میں ہمدردی اور محبت پیدا کرتی ہے......جس کی بنا پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے کام آتا ہے...... اسلام میں اخوت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ......''سارے مسلمان بھائی، بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو......اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے......'' (سورۂ حجرات:۱۰)

دینی بھائی صرف وہ ہوسکتا ہے جو کفر وشرک چھوڑ کر اسلام کی راہ اختیار کرچکا ہو......غیر مسلم دینی بھائی نہیں ہوسکتا......ابتدائے اسلام میں کچھ لوگ مسلمانوں سے تعلق رکھتے تھے مگر صاحب ایمان نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ دینی بھائی نہیں ہیں...... اگر وہ توبہ کرکے مسلمانوں والے کام کرنے لگیں تو پھر وہ دینی بھائی ہوسکتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ......''اب اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ہم تو جاننے والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول، کھول کر بیان کرتے ہیں......'' (سورۂ توبہ:۱۱)

اسلام اپنی اطاعت کرنے والوں کو یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ نسب، نسل، خاندان، قبیلہ اور وطنیت کا اشتراک دینی رشتے کے سامنے ہیچ ہے۔ مسلمانوں کے درمیان وحدت کا جو رشتہ کلمہ طیبہ کے اقرار کے نتیجے میں قائم ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے..... خود اللہ تعالیٰ نے اس جذبۂ اخوت کو اپنے فضل و کرم سے تعبیر کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ..... ''اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی، بھائی ہو گئے۔''

(سورۂ آل عمران: ۱۰۳)

یعنی ملت اسلامیہ میں داخل ہوتے ہی وہ لوگ جو اب تک دشمن تھے اب بھائی، بھائی ہو گئے۔ اب تک جن نسبی اور نسلی تفاخر میں مبتلا تھے وہ مرض جاتا رہا..... جو لوگ معمولی، معمولی باتوں پر تلواریں کھینچ لیا کرتے تھے وہ ایک دوسرے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گئے..... جذبۂ اخوت کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کے آپس میں تعلقات ویسے ہی ہونے چاہیے جو بھائیوں میں ہوتے ہیں..... یعنی ان میں آپس میں شفقت و محبت ہو..... ایک دوسرے کے لیے جاں نثاری اور ہمدردی کے جذبات کارفرما ہوں..... ایک دوسرے کی خدمت گزاری اور خیر خواہی کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں اور وہ امور جو اُن کے تعلقات میں فساد کا باعث ہوں ان سے دور رہیں..... یعنی بغض، حسد، کینہ، کدورت اور عداوت وغیرہ..... اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے جو دو بھائیوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کا باعث بن جائے تو اس کو دور کرنے کی پوری کوشش کی جائے اور صلح کرا دی جائے..... جیسا کہ سورۂ حجرات میں ذکر ہے۔

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اخوت پر بہت زور دیا ہے اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات درج ذیل ہیں..... کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے دشمن کے سپرد کرے..... جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت براری فرماتا ہے۔ اور جو شخص کسی مسلمان سے سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں سے ایک سختی دور فرمائے گا اور جو آدمی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔''

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''مومن دوسرے مومن کے لیے مکان کی مثل ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔''

''باہمی مودت، رحمت اور شفقت میں مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں جب کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار کی سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس کی خیانت کرے..... نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اسے رسوا کرے..... ہر مسلمان کی عزت، مال اور خون دوسرے پر حرام ہیں..... تقویٰ یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ فرمایا) کسی آدمی کے لیے اتنی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کی بہترین خصلتیں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ''کسی سے دوستی کرے تو اللہ کے لیے..... اور دشمنی کرے تو اللہ کے لیے..... اور تیری

زبان پر اللہ کا ذکر جاری رہے......“ پھر میں نے دریافت کیا اور اس کے بعد کیا ہے یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا......
”تو دوسروں کے لیے اس چیز کا خواستگار ہو جو اپنے لیے چاہتا ہے اور دوسروں کے لیے اس چیز کو گوارا نہ کر جو اپنے لیے پسند نہیں کرتا......“

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا......”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم......“ ایک شخص عرض گزار ہوا......یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظلوم کی مدد تو کروں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ فرمایا ”اسے ظلم سے روک دو، یہی تمہارا اس کی مدد کرنا ہے۔“

☆☆☆

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ایک زمانے میں مزدوری کیا کرتے تھے......اور مزدوری کے بعد آپ کو جو رقم ملتی وہ سب کی سب آپ جذبۂ اخوت کے پیشِ نظر اپنے ارادت مندوں پر صرف کر دیتے اور ایک رات جب آپ کو آنے میں بہت تاخیر ہوگئی تو اس تصور سے کہ شاید اب آپ نہ آئیں سب مریدین کھانا کھا کر سو گئے......اور آپؒ نے واپسی پر جب سب کو محوِ خواب دیکھا تو یہ خیال کیا کہ شاید یہ سب بھوکے ہی سو گئے ہیں چنانچہ آپؒ آٹا لے کر آئے اور آگ روشن کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اتفاق سے اسی وقت ایک کی آنکھ کھل گئی تو اس نے سوال کیا کہ آپ یہ مصیبت کیوں برداشت کر رہے ہیں......؟ آپؒ نے فرمایا...... مجھے خیال آیا کہ تم لوگ بغیر کھائے سو گئے اس لیے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوں یہ سن کر اسے بے حد ندامت محسوس ہوئی اور اس نے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ہم سب تو آپ کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے نہ جانے کن شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور آپ ہمارے لیے کتنی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کی قیام گاہ کے قریب کچھ مکانات کو آگ لگ گئی۔ حضرت مکانات کو جلتے دیکھ کر رونے لگے......جب آگ بجھی تو اپنے خادم خاص کو بلایا......اور اس کو ہدایت دی کہ ان سب گھروں کو گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا اور پانی دو اور دو تنکہ زر لے جاؤ اور گھر والوں کو دلاسا دو......

ایک بار ملتان کے پاس ایک سوداگر لٹ گیا وہ حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ کی سفارش لے کر حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اپنے لٹنے کی داستان سنائی......حضرت نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہنچے وہ اس سوداگر کو دے دو......چاشت تک بارہ ہزار تنکے (اس وقت کا سکہ) آئے یہ سب سوداگر کو دے دیے گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اس میں ان کو کثیر منافع ہوتا تھا۔ جو سب کا سب فقرا، علما، طلبا اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

ایک بار بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ ابن مبارکؒ علما اور طلبائے دین پر بہت زیادہ مال خرچ کرتے ہیں آپؒ کو اس اعتراض کی خبر ہوئی تو فرمایا......علما اور طلبا بھی انسان ہیں اور ان کی ضرورتیں بھی وہی ہیں جو عام لوگوں کی ہوتی ہیں اگر ہم ان کو معاش ڈھونڈنے سے بے نیاز نہ کریں تو وہ اس کی تلاش میں لگ جائیں گے اور علم ضائع ہو جائے گا اور اگر ہم نے ان کو غنی کر دیا تو وہ امت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں علم کی اشاعت کریں گے اور نبوت کے بعد اشاعت علم سے افضل کوئی چیز نہیں ہے۔

☆☆☆

ایک شخص نے ایک پیاسے کتے کو بیابان میں دیکھا غریب جانور پیاس سے مر رہا تھا۔ اس نیک دل انسان سے اس کی حالت دیکھی نہ گئی اس نے اپنی پگڑی کھولی اور ٹوپی سر سے اتاری پگڑی کو رسی اور ٹوپی کو ڈول بنا کر کنویں سے پانی نکالا اور کمزور کتے کو پانی پلایا تو اس کی جان میں جان آئی......اس عہد کے پیغمبر خدا نے اسے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیکی اور بھلائی کے عوض اس شخص کے تمام گناہ معاف فرما دیے۔

جو اللہ کہتے کے ساتھ کی ہوئی نیکی اور بھلائی کو ضائع نہیں کرتا تو پھر وہ نیک انسان کے ساتھ بھلائی کو کب ضائع کرے گا۔ اے انسان! تو مخلوق کے ساتھ بھلائی کرتا کہ کل کو اللہ تعالیٰ تجھ پر سخت گیری نہ فرمائے۔

حضرت نظام الدین اولیا کی مجلس میں ہزاروں لوگ ہوتے تھے...... آپ کی تقریر سے مجلس میں حاضر ہونے والا ایک، ایک شخص استفادہ کرتا تھا۔ آپ کی آواز نزدیک ودور یکساں سنائی دیتی تھی اور یہی آپ کی کرامت تھی۔ حاضرینِ مجلس کو جاڑوں کے موسم میں تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی لیکن گرمی کا زمانہ شائقینِ درس پر بہت گراں گزرتا تھا۔ خانقاہ کے سائبان میں اتنے لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی، ایک دن حضرت نظام الدین اولیاؒ کا درس جاری تھا لوگ آآ کر جلتی دھوپ میں بیٹھنے لگے جب آپؒ نے یہ منظر دیکھا تو اپنا درس روک دیا اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمانے لگے...... لوگو! ذرا قریب، قریب بیٹھو...... کیونکہ اگلی صف کے حاضرین پاسِ ادب کی وجہ سے حضرت سے ایک مخصوص فاصلے پر بیٹھتے تھے تو پھر خاصی جگہ خالی رہ جاتی تھی اس طرح باقی صفوں کے لوگ بھی کھل کھل کر بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے...... ایک تو سائبان مختصر اور دوسرے لوگوں کا ہجوم...... یہاں تک کہ آخر میں آنے والوں کو تپتی دھوپ میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس تکلیف دہ صورتِ حال کو دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیا نے یہ حکم دیا تھا کہ لوگ مل کر بیٹھا کریں...... اور جب بھی یہ صورتِ حال ہوتی تو آپؒ... بہ آواز بلند فرماتے...... ''لوگو! ذرا پاس، پاس بیٹھ جاؤ تاکہ دوسرے لوگ بھی سائے میں بیٹھ جائیں، تمہیں نہیں معلوم کہ دھوپ میں بیٹھتے تو وہ ہیں مگر جلتا میں ہوں......'' یہی تو ہے حقیقی صوفیت اور مخلوقِ خدا کا خیال...... اور ان سے محبت......

☆☆☆

ابوادریس خولانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے آپ سے اللہ کے لیے محبت ہے...... فرمایا...... کہ اگر واقعی ایسا ہے تو تمہارے لیے ایک زبردست بشارت ہے...... میں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ''قیامت کے روز عرشِ الٰہی کے اردگرد کچھ لوگوں کے لیے کرسیاں بچھائی جائیں گی۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے جبکہ لوگ اس روز مضطرب اور پریشان ہوں گے لیکن وہ ہر پریشانی سے آزاد ہوں گے۔ لوگ خوفزدہ ہوں گے مگر وہ بے خوف نظر آئیں گے وہ اولیا اللہ ہوں گے کہ نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غم محسوس کریں گے......'' کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم...... وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا...... ''یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں......'' اسی طرح کی ایک روایت... حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ ''عرش کے چاروں طرف نور کے منبر ہوں گے اور ان منبروں پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں گے ان کا لباس بھی نورانی ہوگا اور ان کے چہرے بھی نورانی ہوں گے وہ نہ انبیا ہوں گے اور نہ شہدا...... لیکن انبیا و شہدا ان پر رشک کریں گے......'' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بتلائیں کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا...... ''یہ وہ لوگ ہوں جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اٹھتے ہیں۔ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔'' کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے دو محبت کرنے والے دوستوں میں سے ایک کا مقام آخرت میں بلند ہوا تو دوسرے کو بھی وہی مقام عطا کیا جائے گا جس طرح اولاد ماں، باپ کے ساتھ اور رشتے دار ایک دوسرے کے ساتھ ملحق کردیے جائیں گے...... اس لیے کہ دینی اخوت نسبی قرابت سے کسی طرح کم نہیں ہوتی......

دینی اخوت کے سلسلے میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ...... ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں...... میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میری خاطر ایک

دوسرے کو چاہتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔“

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی...... کہا ”اگر تم آسمانوں اور زمینوں کی عبادت کے برابر میری عبادت کرو اور تم میں محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ نہ ہو تو وہ عبادت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ گناہ گاروں سے نفرت کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرو اور ان سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرو...... اور ان سے ناراض رہ کر باری تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرو...... لوگوں نے عرض کیا پھر ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھا کریں؟ فرمایا ان لوگوں کے پاس بیٹھو جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے جن کی گفتگو سن کر تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جن کے عمل سے تمہارے اندر عمل کا شوق پیدا ہو۔

گزشتہ قوموں کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے عمران کے بیٹے! بیدار رہو اپنے لیے اچھے دوست بناؤ جو شخص میری خوشی پر ساتھ نہ دے اسے چھوڑ دو...... وہ تمہارا دشمن ہے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ! کیا تم نے صرف میرے لیے بھی کوئی عمل کیا ہے؟ عرض کیا...... ”یا اللہ! میں روزے رکھتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، صدقہ خیرات کرتا ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں......“ ارشاد ہوا کہ نماز تمہارے لیے برہان ہے۔ روزہ ڈھال ہے صدقہ سایہ ہے اور زکوٰۃ نور ہے۔ اب یہ بتلاؤ کہ تم نے میرے لیے کیا عمل کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا اللہ...... میں ناواقف ہوں، مجھے بتلادیجیے کہ کون سا عمل خاص آپ کے لیے ہے...... فرمایا...... اے موسیٰ! کیا تم نے میرے لیے کسی شخص کو دوست بنایا ہے؟ کیا تم نے میری خاطر کسی سے دشمنی مول لی ہے؟“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت افضل ترین اعمال ہیں۔

حضرت مجاہد کا ارشاد ہے کہ جب اللہ سے محبت کرنے والے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خزاں کے موسم میں درختوں سے پتے گرتے ہیں۔

حضرت فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ”آخر کس بنا پر تم فردوس بریں کے مکین بننا چاہتے ہو اور کس بنیاد پر دار رحمٰن میں انبیا صدیقین، شہدا اور صالحین کی معیت کی خواہش رکھتے ہو؟ تم نے کون سا عمل کیا ہے؟ کون سی شہوت ترک کی ہے؟ کون سا غصہ پیا ہے؟ کس کے ساتھ صلہ رحمی کی ہے؟ کس بھائی کی غلطی معاف کی ہے؟ کس شخص سے تم نے اللہ کے لیے نفرت کی ہے؟ اور کس شخص سے اللہ کے لیے محبت کی ہے؟“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”جو شخص علم سیکھے، عمل کرے اور دوسروں کو سکھلائے وہ شخص آسمان کے ملکوت میں عظیم سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا مال اللہ کے لیے خیرات کرتا ہو...... اور مہمانوں کو جمع کر کے انہیں کھانا کھلاتا ہو...... اور اپنے باورچی سے اس لیے محبت کرتا ہو کہ وہ اس کے مہمانوں کے لیے عمدہ کھانا بناتا ہے تو ایسے شخص کا شمار بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں میں ہوگا۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ سے مدینۂ منورہ ہجرت کی تو مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ان کے درمیان بے مثال محبت کی مثال قائم کی۔ ایک مومن کو دوسرے مومن کا بھائی قرار دیا...... اتنا جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کے دوسرے مسلمان بھائی پر کس قدر حقوق ہیں کتنی محبت اور پیار اور ایثار کا درس دیا ہے ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے......

اور آج ذرا ہم اپنے مسلمان بھائیوں پر نظر ڈالیں...... تو جس محبت اور اخوت کا درس ہمیں دیا گیا ہے وہ کہاں ہے؟ کون جانتا ہے؟ اور کون عمل کر رہا ہے۔

آج کا مسلمان زندگی کے ہر موڑ پر معاشی، مالی، اخلاقی تنزلی کا شکار ہے...... اس قدر بے حسی ہمارے وجود کا حصہ بن چکی ہے...... آج ہر جگہ، ہر ملک میں

مسلمان ذلیل وخوار ہو رہے ہیں اور یہ سب اپنے اللہ اپنے دین سے دوری کا سبب ہے۔

آج غزہ میں ہمارے ہزاروں مسلمان بہن، بھائی اور بچے شہید کر دیے گئے مگر کیا کہیے ہماری بے حسی کو کہ 57 اسلامی ممالک کے مسلمان حکمران اور عوام ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی، کوئی دکھ، درد، تکلیف کا احساس نہ ہوا...... ہم کیسے مسلمان ہیں؟ جو ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہیں ایک دوسرے سے حسد میں مبتلا ہیں اور سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہم آج فرقہ، فرقہ اور مسلکوں میں منقسم ہیں...... بھائی ہونا تو درکنار ہم ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور سب سے بڑی ذلیل و خوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے تعمیری رخ چھوڑ کر تخریبی رخ اختیار کر لیا ہے۔ اور تخریبی رخ یہ ہے کہ آپس میں تفرقہ ڈالا جائے۔ ایک دوسرے کو برا سمجھ کر نفرت کی جائے...... جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس تفرقہ بازی سے باہر نکلیں...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تو ارشادات ہیں کہ فاتح بن کر کسی ملک میں داخل ہو تو عبادت خانوں کو نہ گرایا جائے، منبر نہ توڑے جائیں ان کے مذہبی پیشوا کو قتل نہیں کیا جائے...... لیکن افسوس صد افسوس آج مسلمان نمازی کو قتل کر رہا ہے۔ مسلمان.... بے شمار مسالک، طبقات اور فرقہ جات میں منقسم ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ایک مسلک کا پیروکار دوسرے مسلک کے پیروکار کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا...... اپنے، اپنے مسالک کی مسجدیں بنالی ہیں۔ اللہ کے گھر کو تقسیم کر دیا ہے۔ جبکہ ہمارے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اس بات کا عزم کریں کہ ہم نوعِ انسانی کے لیے رحمت بننے کی کوشش کریں گے اور تفرقہ بازی سے بچیں گے کیونکہ تفرقہ بازی مسلمانوں کے لیے زہر قاتل ہیں...... سب کلمہ گو مسلمان آپس میں بھائی، بھائی ہیں...... اس لیے تفرقے اور مسلک سے اجتناب کرتے ہوئے دوسرے مسلمان کو برا نہیں کہے گا خود کو جنتی اور دوسرے کو دوزخی گمان نہیں کرے گا اور جب اس جذبۂ اخوت و محبت سے عمل کی کوشش کریں گے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہوگا...... یہ اللہ کا سب سے بڑا کرم ہے اور اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں امت مسلمہ میں پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے سرفراز فرمایا...... ہمیں چاہیے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا بار، بار مطالعہ کریں اور آپ کی تعلیمات کو اپنانے کی کوشش کریں جو کہ ہم سب بُھلا بیٹھے ہیں...... جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو انوارِ نبوت سے ہمارے قلوب اور ارواح منور ہو جائیں گی اور ہمیں دنیا میں ایک بار پھر وہی عروج حاصل ہو جائے گا جو ہم کھو چکے ہیں...... اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اور ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے...... آمین۔

حرفِ آخر:

اپنے رب کے حضور دکھ، شرمندگی کے احساسات کے ساتھ حاضر ہوں کہ آج ہمیں مسلمان ہونے پر شرمندگی ہے کہ ہم مسلمان کہلانے کے بھی حقدار نہیں ہیں۔ ہمارا ہر عمل ہر فعل اسلامی تعلیمات کے مخالف ہے اور جس کی ہم آج سزا بھگت رہے ہیں اپنے معاشرے میں ذلت آمیز زندگیاں گزار رہے ہیں...... اللہ کریم سے التجا ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دے ہمارے اعمال درست فرمادے اور مجھ سے جو اس مضمون میں غلطی و کوتاہی ہوئی ہو اسے معاف فرمادیں، آمین۔ ان قابلِ احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین لیے ہیں اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے...... آمین۔

☆☆☆

کتاب، مصنف

۱۔ احیا العلوم، امام ابو حامد محمد الغزالیؒ

۲۔ ہمارا اخلاق، علامہ عالم فقریؒ

۳۔ تربیتی نصاب، ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری

۴۔ اللہ کے سفیر، جناب خان آصف

۵۔ دین کامل، نزہت رئیس

۶۔ علمی وفکری لیکچر، عالمہ سعدیہ حبیب صاحبہ

۷۔ خطاب جامعہ عظیمہ، خواجہ شمس الدین عظیمی لاہور





بھائی سے بھائی کا ناتا
سب سے اچھا سب سے پیارا

مشہور ٹی وی آرٹسٹ اسد بٹ اپنے برادر عزیز بلال حیدر بٹ کے ہمراہ



2011ء سے فنی سفر کا آغاز کرنے والے اسد بٹ نے شروع ہی سے ایک اچھے اور مضبوط کردار کے لیے کوشش جاری رکھی۔ جس کا ثمر شیریں ''محبتیں چاہتیں'' میں کیے جانے والے منفی مگر مضبوط کردار کی صورت میں سامنے آیا۔ پھر تو گویا سلسلہ چل نکلا اور اسد بٹ نے کئی مشہور ڈراموں میں اداکاری کے جوہر دکھائے جن میں، تیرے نام کا ٹیٹو، ڈر خدا سے، پاکیزہ پھپھو، لاپتا، شہزادی ہاؤس، ہم سے محبت، الزام عشق، مہرہ

وغیرہ شامل ہیں۔ ''ایک بھول'' میں اسد کا مثبت اور توانا کردار ناظرین کی توجہ کا مرکز بنا۔ اسد نے اداکاری کی باقاعدہ تربیت نہیں لی لیکن ''میرے بابا کی اونچی حویلی'' کی عکس بندی کے دوران ممتاز اور منجھے ہوئے فنکار طلعت حسین صاحب سے اداکاری کے اسرار و رموز سیکھے۔ محنتِ شاقہ سے اداکاری کا سفر طے کرنے والے اسد بٹ نے متنوع کرداروں میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کر کے خود کو منوا لیا اور اپنی واضح شناخت بنانے میں کامیاب رہے۔ اپنے فن سے لگن اور سیکھنے کا جذبہ ان شاء اللہ ایک دن اسد بٹ کو صفِ اول کے فنکاروں کی صف میں لا کھڑا کرے گا۔ اسد بٹ meerab constructions and developers کے C E O بھی ہیں۔ اسد کا چھوٹا، اکلوتا اور لاڈلا بھائی بلال حیدر بٹ جس نے ایک ٹی وی اشتہار میں کام کیا۔ اور پھر اپنی تمام توجہ اپنی پڑھائی پر مرکوز کر دی۔ ماشاء اللہ حیدر C A کر رہا ہے۔ حیدر کے مشاغل میں بائیک کی سواری، دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا اور کرکٹ کھیلنا ہے۔

پڑھتے ہیں گھر آنگن کے فروزاں تاروں کی گفتگو۔

پاکیزہ ✧......بچپن میں کون کتابی کیڑا تھا اور کون پڑھائی سے بھاگتا تھا؟

اسد بٹ ✧......میں پڑھائی سے بہت کم بھاگتا تھا، پڑھاکو تھا اور حیدر بہت زیادہ بھاگتا تھا۔

بلال حیدر بٹ ✧......بھائی بھی بھاگتے تھے بچپن میں پھر بھی فرسٹ پوزیشن لاتے تھے۔

پاکیزہ ✧......بچپن میں شرارتوں کی وجہ سے والدین کے غصے کی زد میں آنے سے پہلے ہی اپنا دفاع کر لیتے تھے یا تواضع ہو جاتی تھی؟

اسد بٹ ✧......میں تو ہمیشہ ہی پھنس جاتا تھا اور پٹائی لگ جاتی۔

بلال حیدر بٹ ✧...... مجھے بہت کم مار پڑی ہے، بھائی پکڑے جاتے تھے۔

پاکیزہ ✧......بچپن میں بہن بھائیوں کی شکایت امی سے لگانے میں کون پیش پیش رہتا تھا؟

اسد بٹ ✧......میری چھوٹی بہن صبغہ ہر بات امی کو بتا دیتی تھی۔

بلال حیدر بٹ ✧......آپی ہیں جو ہماری شکایت لگا دیتی تھیں۔ ہم دونوں بھائی کبھی ایسا نہیں کرتے تھے۔

پاکیزہ ✧......بچپن میں سب سے زیادہ کس کھیل میں مزہ آتا تھا جو آج بھی موقع ملے تو کھیل لیتے ہیں؟

اسد بٹ ✧......میرا پسندیدہ کھیل ہمیشہ ہی سے وڈیو گیم رہا ہے۔

بلال حیدر بٹ ✧......کرکٹ کا بہت شوق ہے مجھے، ابھی تک کھیلتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......بچپن تو بیت گیا لیکن بچپن کا کوئی واقعہ جس کی وجہ سے آج بھی مذاق کا نشانہ بننا پڑتا ہے؟

اسد بٹ ✧......اسکول سے واپس آتے ہوئے کھلونوں کی ضد کر رہا تھا اور امی سے مار کھاتا ہوا گھر آیا تھا۔

بلال حیدر بٹ ✧......بچپن میں گم ہو گیا تھا تین گھنٹے بعد ملا تھا۔

پاکیزہ ✧......بچپن کی وہ ایک یاد جو بھلائے نہیں بھولتی؟

اسد بٹ ✧......ابو کے ساتھ zoo Park جانا۔



اسد بٹ جیو نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے

بلال حیدر بٹ ❖...... ہر وقت کھیلتے رہنا۔
پاکیزہ ✧......اپنے راز ایک دوسرے سے بانٹتے ہیں؟
اسد بٹ ❖...... ہم اپنے راز خود تک محدود رکھتے ہیں۔
بلال حیدر بٹ ❖......نہیں بھئی، بالکل بھی نہیں۔
پاکیزہ ✧...... کس کو والدین سے شکوہ رہتا ہے کہ "اس کو" مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں؟
اسد بٹ ❖......حیدر ہی کو شکوہ رہتا ہے امی سے کہ مجھ سے زیادہ بھائی سے پیار کرتی ہیں۔
بلال حیدر بٹ ❖...... بھائی کو امی زیادہ پیار کرتی ہیں۔
پاکیزہ ✧......کون زیادہ ضدی ہے اور کس میں لچک زیادہ ہے؟
اسد بٹ ❖......حیدر مجھ سے زیادہ ضدی ہے کیونکہ مجھ میں لچک زیادہ ہے اس لیے میری ضد کا خاتمہ جلد ہو جاتا ہے۔
بلال حیدر بٹ ❖......ضدی تو بھائی بھی ہیں لیکن میرے جیسے نہیں، لچک بھی بھائی میں زیادہ ہے۔
پاکیزہ ✧......زمانۂ طالب علمی میں غیر نصابی سرگرمیوں میں کون بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا؟
اسد بٹ ❖...... مجھے تو بالکل بھی شوق نہیں تھا حیدر کو دلچسپی تھی۔
بلال حیدر بٹ ❖......میں...... کیونکہ مجھے ہمیشہ ہی سے شوق تھا۔
پاکیزہ ✧......امی، ابو سے وہ کیا سیکھا...... جس پر آج بھی فخر محسوس ہوتا ہے؟
اسد بٹ ❖......دوسروں کی عزت کرنا...گھر میں پیار سے رہنا، آپس میں لڑائی نہیں کرنا۔
بلال حیدر بٹ ❖......سب سے عزت سے پیش آنا، گھر میں پیار سے رہنا، آپس میں لڑائی نہیں کرنا۔
پاکیزہ ✧...... بڑا بھائی ہونے کے ناتے اسد نے حیدر کے لاڈ زیادہ اٹھائے یا اس سے اپنے کام زیادہ کروائے؟
اسد بٹ ❖......حیدر کے لاڈ ہی اٹھائے ہیں اپنا کام تو کم ہی کرواتا ہوں۔
بلال حیدر بٹ ❖...... بھائی نے بہت کم کام کروایا ہمیشہ لاڈ ہی اٹھائے ہیں۔ میں ہوں ہی اتنا اچھا اور بھائی مجھ سے بھی زیادہ اچھے۔
پاکیزہ ✧......شاہ خرچی میں کون بازی لے جاتا ہے؟
اسد بٹ ❖...... میں بہت بچت کرتا ہوں۔
بلال حیدر بٹ ❖...... میں بہت شاہ خرچ ہوں بچت تو مجھ سے ہوتی ہی نہیں۔
پاکیزہ ✧......اپنے غصے پر جلد قابو پا لیتے ہیں یا کچھ وقت لگتا ہے؟
اسد بٹ ❖......الحمدللہ جلد قابو پا لیتا ہوں۔
بلال حیدر بٹ ❖......میرا غصہ ذرا دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔
پاکیزہ ✧......وقت کی پابندی بھلی لگتی ہے یا اس معاملے میں بے نیاز ہیں؟
اسد بٹ ❖...... مجھے ہر کام وقت پر کرنے کی عادت ہے۔
بلال حیدر بٹ ❖......کوشش تو کرتا ہوں لیکن ہمیشہ دیر ہو جاتی ہے پتا نہیں کیوں!
پاکیزہ ✧......برجستہ گوئی میں کسے زیادہ کمال حاصل ہے؟
اسد بٹ ❖......یہ کمال تو میرے ہی حصے میں آیا ہے۔
بلال حیدر بٹ ❖...... بھائی کو ہے اور بہت زیادہ ہے۔
پاکیزہ ✧......لوگوں میں آسانیاں تقسیم کرنے میں کون سبقت لے جاتا ہے؟
اسد بٹ ❖......الحمدللہ اللہ نے اس قابل بنایا۔
بلال حیدر بٹ ❖......اس معاملے میں بھائی مجھ سے بہت آگے ہیں۔
پاکیزہ ✧......فیصلہ جذبات میں آ کر کرتے ہیں

یا بہت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں؟
اسد بٹ ❖......میں جذبات میں آ کر کرتا ہوں۔
بلال حیدر بٹ ❖......میں بہت سوچ سمجھ کر کوئی بھی فیصلہ کرتا ہوں۔
پاکیزہ ✧......کس کی طبیعت درویشانہ ہے؟
اسد بٹ ❖......ہمارے حیدر کی طبیعت ہے درویشانہ۔
بلال حیدر بٹ ❖......اللہ کا کرم ہے کہ میری طبیعت درویشانہ ہے۔
پاکیزہ ✧......دونوں کی غذائی عادات میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟
اسد بٹ ❖......وزن زیادہ نہ بڑھ جائے اس لیے میں خوراک میں پرہیز اور احتیاط سے کام لیتا ہوں۔
بلال حیدر بٹ ❖......میں تو ڈٹ کے کھاتا ہوں۔
پاکیزہ ✧...... طبعاً، مزاجاً، عادتاً دونوں ایک دوسرے سے کتنے مختلف ہیں؟
اسد بٹ ❖......فرق......زمین آسمان کا فرق ہے۔ہاں محبت کے معاملے میں ایک ہی جذبہ ہے۔
بلال حیدر بٹ ❖......دونوں کی ہر بات ایک دوسرے سے مختلف ہے مگر محبت ہم ایک دوسرے سے بہت کرتے ہیں۔
پاکیزہ ✧......وہ ایک پل جب ایک دوسرے سے اپنے تعلق پر فخر اور خوشی محسوس ہوئی ہو؟
اسد بٹ ❖......حیدر سے تعلق پر ہمیشہ فخر اور خوشی ہوتی ہے لیکن سب سے زیادہ بقرعید کے دنوں میں ہوتا ہے جب وہ میرے ساتھ مل کر سب سنبھال لیتا ہے۔
بلال حیدر بٹ ❖......جب بھی کوئی بھائی کی تعریف کرتا ہے کہ تمہارا بھائی بہت اچھی اداکاری کرتا ہے۔
پاکیزہ ✧......لوگوں کے راز اور کمزوریاں چھپا لیتے ہیں یا اوروں کو بتا دیتے ہیں؟
اسد بٹ ❖......اس معاملے میں ہم ایک جیسے ہیں، چھپا لیتے ہیں دونوں۔
بلال حیدر بٹ ❖......ہم دونوں ہی کسی کو نہیں بتاتے۔
پاکیزہ ✧...... آپ کے دلی جذبات و احساسات چہرے سے عیاں ہو جاتے ہیں؟
اسد بٹ ❖...... بالکل بہت آسانی سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔
بلال حیدر بٹ ❖......پل بھی نہیں لگتا فوراً نظر آ جاتے ہیں۔
پاکیزہ ✧......وہ ایک پل جب اپنا آپ بہت معتبر لگا؟
اسد بٹ ❖......آزمائش میں ڈال دیا آپ نے اپنے منہ سے اپنی تعریف کیسے کروں!
بلال حیدر بٹ ❖...... جاب کرتے ہوئے ہر پل۔(سی اے کے ساتھ جاب بھی کر رہا ہوں)
پاکیزہ ✧......کون بہت جلد حالات کے آگے سپر ڈال دیتا ہے اور کون ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے؟
اسد بٹ ❖......ہمیشہ حالات کا مقابلہ کیا اور



گھومنے پھرنے کے لیے پیسے دے دیتا ہوں۔

بلال حیدر بٹ ❖......زبان سے نہیں کہا کبھی لیکن بھائی مصروف ہوں تو ان کا کوئی کام کر دیتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......

بھلا لگا ہے زباں بندیوں کے موسم میں
دلوں کی بات کا دیوار پر لکھا ہونا

یہ تو شاعر کا خیال ہے آپ کیا کہتے ہیں؟

اسد بٹ ❖......شاعر دیوار خراب کرنا چاہتا ہے (شرارتی لہجہ) دلوں کی بات کا دیوار پر لکھنا نامناسب بات ہے۔اپنی آواز پہنچانے کا یہ طریقہ درست نہیں۔

بلال حیدر بٹ ❖......مجھے شاعر کے خیال سے بالکل بھی اتفاق نہیں......اپنی بات کہنے کے لیے زبان کا استعمال کریں دیواروں کا نہیں۔

پاکیزہ ✧......پسندیدہ رشتہ، شخصیت ، موسیقی ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، تفریحی مقام، مشغلہ، مشروب؟

اسد بٹ ❖......امی، نعمان اعجاز، کہو ایک دن ، نیلا رنگ، Boss سردی کا موسم، رات کا وقت، ،وڈیو گیم کھیلنا، Peanut butter shake-

بلال حیدر بٹ ❖......امی، Spider man ،english song، سیاہ رنگ، کوئی بھی خوشبو، سردی کا موسم، رات کا وقت، بائیک کی سواری، کولڈ ڈرنک۔

پاکیزہ ✧......ایک دوسرے کے لیے آپ کے دلی جذبات؟

اسد بٹ ❖......حیدر مجھے بہت عزیز ہے۔میرا بازو ہے۔اللہ ہمیشہ اسے سیدھے راستے پر چلائے۔ اور ہر امتحان میں کامیاب کرے، اس کا مستقبل تابناک بنائے، آمین۔

بلال حیدر بٹ ❖...... بھائی! میں نے کبھی کہا نہیں لیکن یہ سچ ہے کہ میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں، آپ کا مداح ہوں، آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔آپ کا ساتھ مجھے مضبوط بناتا ہے۔

☆☆☆



ڈٹ کر کیا۔

بلال حیدر بٹ ❖......ہم دونوں بھائی ہمت نہیں ہارتے۔بے خوف ہو کر مقابلہ کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......لوگوں کے غلط رویے کے جواب میں سبق سکھانا ضروری ہے یا درگزر سے کام لینا؟

اسد بٹ ❖......سبق سکھانا لازمی ہے اگلی مرتبہ خبردار کرنے کے لیے۔

بلال حیدر بٹ ❖......پکڑ کے سبق سکھانا چاہیے۔

پاکیزہ ✧......اپنی غلطی تسلیم کرنے میں وقت لگتا ہے یا احساس ہوتے ہی مان لیتے ہیں؟

اسد بٹ ❖......میں مان لیتا ہوں فوراً اپنی غلطی۔

بلال حیدر بٹ ❖......میں اپنی غلطی مان لیتا ہوں لیکن بہت جلدی نہیں، وقت لگتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... بھائیوں کی باہمی محبت کے لیے لفظی اظہار ضروری ہے یا رویّہ ہی کافی ہے؟ آپ کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے؟

اسد بٹ ❖......لفظی اظہار کبھی نہیں کیا میرا رویّہ ہی کافی ہے۔حیدر کے لیے کوئی تحفہ لے آتا ہوں۔



اقبالیات کے مشاعرے کی دلچسپ روداد

افتخار شوق

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال کی خدمات کے اعتراف میں میاں چنوں والوں نے خوب صورت مشاعرے کا انعقاد کیا۔ بلاشبہ علامہ اقبال پاک و ہند کی عہد ساز اور تاریخ ساز شخصیت ہیں جنہوں نے نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے جدید نظریہ پیش کیا بلکہ اپنی شاعری میں جدید نظریات، سائنس اور عالمی فکر کی آفاقی قوت کو بیان کیا۔ فکر اقبال کا فروغ وقت کا لازمی تقاضا ......اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے DPS والوں نے خوب صورت تقریب کا اہتمام کیا۔ پرنسپل ساجدہ صاحبہ سے گہری محبت اور انسیت کا رشتہ ہے۔ وہ ہمیشہ اس رشتے کا مان رکھتے ہوئے ہر ایونٹ میں یاد رکھتی ہیں۔

انسان زندگی کے جھمیلوں میں جتنا بھی الجھ جائے مگر جب وقت اسے ایسی جگہ لے جائے جہاں پرانی رفاقتوں اور دوستوں کے ملنے کا امکان ہو تو ذرہ برابر تاخیر نہیں کرتا۔ وقت نکال کر یادوں سے ملنا ایک مسحور اور خوش کُن لمحہ ہے۔ ذہنی وسعت اور خوش نصیبی کے لمحے، ترقی پسند، ادب نواز اور روشن خیال عورتوں کی باوقار محفل، تعلیم یافتہ اور جرأت مند خواتین کی محفل شام ڈھلنے سے ذرا پہلے مشاعرے کا آغاز ہوا۔

سب مہمانوں کو خوب صورت ویلکم کیا گیا۔ بچوں نے خوب صورت طریقے سے کلامِ اقبال پڑھا اور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ پرنسپل صاحبہ نے اناؤنسمنٹ کروائی کہ آج بچوں کو ڈسپلن کے نام پر کچھ نہ کہا جائے۔ یہ فن ہے اور بچوں کو روک ٹوک یا ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے۔ (بہت اچھا لگا) اکثر شاعرات کا تعلق متعلقہ اسکول سے ہی تھا۔

ماہ نور شوق (چھوٹی سسٹر) دور سے یعنی عبدالحکیم سے تشریف لائیں۔ سب سے زیادہ اسے داد ملی سبھی نے اپنے





کلام سے مسحور کیا۔ زریں منور نے ترنم سے سنا کر محفل کا لطف دوبالا کیا۔

ماہ نور کی شاعری تصوف ، روحانیت، زندگی، موت کے فلسفے پر بنی تھی۔ گہرائی لیے ہوئے، سب نے بہت توجہ اور دلچسپی سے سنا۔

اسی دوران رائے صفدر حسین مینج بوائز نگ کے پرنسپل صاحب تشریف لائے۔ سب مہمانوں سے نہایت احترام سے ایک، ایک کے پاس جا کر خود ملے اور شکریہ ادا کیا۔ سب کی حسِ مزاح بھی عروج پر رہی۔ ہنسنے ہنسانے کے ساتھ ساتھ شاندار تبصروں کا سلسلہ بھی عروج پر رہا۔

سب سے آخر میں مجھے دعوتِ کلام دی گئی۔ میں نے اپنی کتاب اکیلا چاند میں شائع ...... علامہ اقبال پہ لکھی یہ نظم پڑھی۔ علامہ اقبال نے شکوہ جواب شکوہ لکھی تھی۔ ہم نے بھی اقبال سے شکوہ پڑھا۔

آپ کے مرقد پہ کڑا پہرہ ہے\
آپ کی روح بھی گویا مقید ہے\
دانستہ حالات سے بے خبر رکھنے کی\
کتنی بڑی سازش ہے\
تیری حوا کی تذلیل کرتے ہیں لوگ\
تیرے چولستان میں پیاسے مرتے ہیں لوگ\
خواب دیکھے اور اس کی تعبیریں ملیں\
کتنی ہم کو ادھوری تعبیریں ملیں

نظم سن کر سب نے بہت سراہا...... ساون رُت اور اکیلا چاند سے نظمیں سنائیں۔ مکرر مکرر کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ میں نے کہا آپ فکر نہ کریں ویسے تو میرے مزاج کے خلاف ہے کہ ایک چیز کو بار، بار پڑھا جائے مگر چونکہ میں آخر میں پڑھ رہی ہوں لہٰذا آپ بے فکر رہیں آج میری سب تخلیقات آپ سنیں گے اور میں نے گھر فون کر دیا ہے۔ بقیہ کتابیں بھی میری اٹھا کر لے آئیں۔

سبھی بہت محظوظ ہوئے۔ پرنسپل ساجدہ صاحبہ کا ترنم بہت اچھا ہے انہوں نے کلام اقبال ترنم سے سنایا۔ میں نے کہا۔

''ساجدہ، علامہ اقبال کی روح کو اب سکون آیا ہوگا تمہاری آواز اور ترنم سن کر۔'' اس تقریب کی ایک انفرادیت یہ بھی تھی کہ ہم دونوں بہنیں ماہ نور شوق اور افتخار شوق اکٹھے تھے آخر میں ساجدہ نے نغمہ سنایا سب کی فرمائش پر۔

زندگی کے سفر میں گزر جاتے ہیں جو مقام\
وہ پھر نہیں آتے...... وہ پھر نہیں آتے

اس محفل کے سحر میں ابھی ہم گم تھے کہ ماہ نومبر کے چمکیلے دن کی خوب صورت سرمئی شام ڈھل چکی تھی۔

DPS والوں کا شکریہ جو علم کے قیمتی اثاثوں کے امین ہیں۔ زندگی کے ہزار رنگوں میں ایک اور یادگار رنگ کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اس تقریب کی انفرادیت یہ تھی کہ شاعری کی مروجہ پرانی ریت و روایت سے ہٹ کر تھی۔ آگہی اور عرفان کا پیغام لیے سب نے الوداع کہا۔ شکریہ عاشقانِ اقبال کی محفل کو دوام ہو۔



رفتارِ زمانہ کے مطابق تحریریں اور خوش آئند تبدیلیوں کے ضمن میں قلم کاروں کی خواہشات

شائستہ زریں

کہانی کا سلسلہ ازل سے ہے۔ ادبی سطح پر جائزہ لیں تو تیرھویں صدی عیسوی سے مافوق الفطرت واقعات پر مبنی داستان گوئی کا آغاز ہوا۔ عالمی افق پر در آنے والی سیاسی، معاشرتی، معاشی تبدیلیوں اور تیزی سے بدلتے حالات و واقعات نے قارئین کی سوچ کا رخ موڑ دیا۔ دنیا کے نقشے پر واضح طور پر ابھرنے والے انقلابات سے طرزِ فکر میں تبدیلی آئی۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے کہانی کی ارتقائی شکل افسانہ کے نام سے منظرِ عام پر آئی۔ جنگِ عظیم اول اور دوئم کے نتیجے میں ہونے والی تباہ کاریوں اور انتہائی تکلیف دہ واقعات نے اردو افسانے کو نئی جہت اور مختلف النوع موضوعات دیے۔ اب افسانہ حقیقت نگاری کا آئینہ دار بن گیا۔ اکیسویں صدی میں دنیا میں برق رفتاری سے تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں۔۔ نت نئی ایجادات ہی نہیں اچانک در آنے والی مہلک بیماریاں بھی منظرِ عام پر آئیں جسے اہلِ قلم طبقے نے بہت شدت سے نہ صرف محسوس کیا بلکہ اپنی تحریروں کا حصہ بھی بنایا۔ بیسویں صدی سے شائع ہونے والے خواتین کے رسائل میں اکیسویں صدی تک پہنچتے تک اقتضائے وقت کے تحت بتدریج موضوع اور اسلوب کے لحاظ سے واضح اور نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ اب وہ دور رخصت ہوا جب صرف رومانوی کہانیاں دلچسپی کا باعث بنتی تھیں تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا اور رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے ہمارے قارئین کو ایسی تحریروں کی ضرورت ہے جن سے نہ صرف اُن کی آگہی میں اضافہ ہو بلکہ تعلیم، ٹیکنالوجی، طب، صحت، عالمی اور ملکی سطح پر تازہ بہ تازہ رونما ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہی بھی حاصل ہو اور وہ ان تمام موضوعات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنا کر اپنے قارئین کو دنیا کے جدید معاملات سے منسلک کر سکیں۔ ایسی تحریریں جن میں نہ صرف مسائل کا ذکر ہو بلکہ واضح شعور کے ساتھ ان کا ہر ممکنہ حل بھی اس طرح پیش کیا جائے کہ قارئین کی دلچسپی برقرار رہے۔ قارئین کی تحریری ضرورت کے ساتھ، ساتھ خود قلم کار 2026ء میں بحیثیت قلم کار کسی بھی قسم کی خوش آئند تبدیلیوں کی آرزومند ہو سکتی ہیں۔ لیکن کیسی تبدیلیوں کی؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے اپنی محترم اور معتبر لکھاریوں سے معلوم کیا۔

سوال 1: رفتارِ زمانہ کے مطابق آج کے قارئین کو کیسی تحریروں کی ضرورت ہے؟

سوال 2: بحیثیت قلم کار 2026ء میں آپ کیسی خوش آئند تبدیلیوں کی آرزومند ہیں؟

رفعت سراج

1: ڈیٹا اور انفارمیشن کے اس دور میں جس میں ہم آپ اس وقت جی رہے ہیں یہاں پر آج کی نسل to the point بات کر رہی ہے۔ وہ واٹس ایپ کا آدھے منٹ کا میسج رفتار بڑھا کر سنتی ہے تحریروں پر رکنے والے بہت کم لوگ رہ گئے ہیں۔ جن لوگوں کو پڑھنے کی عادت ہے وہ پڑھتے رہیں گے سیکھنا نہ سیکھنا انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ دل کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کون سی تحریریں پڑھ کر انسان کی نفسیات پر کیا اثر پڑتا ہے یہ راز کی بات ہوتی ہے جو انسان کسی سے شیئر نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے "نصیحت ایک ایسا فعل ہے کہ عقلمند کو ضرورت نہیں ہوتی اور بیوقوف اس کو قبول نہیں کرتا" تحریریں کسی زمانے

میں بہت اثر انداز ہوتی تھیں اب وہ خواب سا لگتا ہے۔ اب لوگ وقت گزارنے کے لیے دلچسپ تحریر پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیے کتابوں کو لوگوں نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ اب ایک اندھی دوڑ لگی ہوئی ہے لکھنے والے اور شعرا ایک طرح سے ہکا بکا ہیں۔ تخلیق کا عمل کبھی نہیں رکتا اور نہ رک سکتا ہے لیکن یہ کیا ہو گیا ہے زمانے کو کہ وہ reality کی طرف آ ہی نہیں رہے۔ ایسی تحریریں جو شعور کی سطح کو اس بلندی پر لے جائیں جہاں انسان بے ایمانی، دو نمبری کے راستوں سے بیزار ہو اور مکافاتِ عمل پر اس کا پورا ایمان ہو کیونکہ اگر انسان اپنے انجام سے بے خبر ہے تو اس میں جو سب سے خوفناک اور زہریلی چیز پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر احساس ذمے داری بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور جب تک شعور کی سطح پر یہ چیز اچھی طرح سے ثبت نہ ہو جائے کہ آپ کتنے بھی ہوشیار اور ذہین ہوں کتنے بھی داؤ پیچ چلانے کے استاد ہوں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی اور دوسری چیز یہ کہ موت کو نہیں بھولنا چاہیے کیونکہ جس کو موت یاد رہتی ہے خود کار نظام کے تحت اس کے اندر ایسا طریقہ اور ایسا وسیع دائرہ بننا شروع ہو جاتا ہے کہ انسان اس میں گھومتے ہوئے اپنے شعور کی سطح کا اپنے افعال کا خود ہی جائزہ لیتا رہتا ہے اسے کسی کی تنقید اور تعریف کی محتاجگی نہیں رہتی۔



2: جو میری ریڈر شپ ہے مجھ سے گزشتہ تیس، پینتیس سال سے وابستہ ہیں اگر میں لکھوں گی تو وہ مجھے پڑھیں گے اور ان کو اگر پسند آئے گا تو بہت خوشی کے ساتھ میری تعریف کریں گے اور نیا کچھ بھی نہیں ہونے جا رہا جن لوگوں کو میں ساتھ لے کر چل رہی ہوں وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چل رہے ہیں 2026ء میں بھی وہی ہوں گے اور شکر اتنے ہیں یہی امید ہے کہ وہ ہوں گے اللہ ان سب کو سلامت رکھے۔

عنیزہ سید

1: آج کے قارئین کو اگر وہ ڈائجسٹ کے قارئین ہیں جن کی زیادہ تعداد خواتین اور بچیوں کی ہوتی ہے کو ایسی تحریریں پڑھنے کو ملنی چاہئیں جو انہیں نئے زمانے کے تقاضے سمجھا سکیں۔ دنیا میں آنے والی اچھی بری تبدیلیوں سے آگاہ کر پائیں۔ اپنی مذہبی اور ثقافتی حدود میں رہتے ہوئے نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے اور ان کے ساتھ قدم ملا کے چلنے کی ترغیب دیں۔ اب گھریلو معاشرتی کہانیوں کا دور نہیں رہا۔ لکھاری کو اب یہی چیزیں ذہن میں رکھ کر ترقی پسند کہانیاں لکھنے کی ضرورت ہے۔



2: میں اپنے ملک کو معاشی طور پر مستحکم دیکھنے کی خواہشمند ہوں۔ یہ خواہش بھی ہے کہ لکھے اور پرنٹ ہوئے لفظ اور تحاریر کو پڑھنے والے قارئین کی تعداد بڑھنے لگے کیونکہ سوشل میڈیا کے اس دور میں چھپے ہوئے الفاظ اور کہانیوں کی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی چاہوں گی کہ ڈائجسٹ میں اچھا لکھنے والی نوجوان بچیوں کی تحریروں کی حوصلہ افزائی کا کام جاری رکھیں۔ اس چمن میں نئے پھول کھلتے رہیں گے تو ہی چمن آباد رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

عالیہ حرا

1: پاکیزہ دور دراز علاقوں، گاؤں، قصبوں، دیہاتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ قارئین اس میں شامل تحریروں سے سیکھتے، سمجھتے ہیں۔ وہاں مسائل کے حل کا فقدان ہے۔ انہیں اصلاحی، معاشرتی، معاشی، ذہنی الجھنوں جیسی کہانیوں کی ضرورت ہے جس سے وہ اپنے مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ شرم، جھجک کی وجہ سے وہ کچھ

کہہ نہیں سکتیں تو کہانیوں میں اپنے مسائل کا حل نکال لیتی ہیں۔ حقیقت نگاری قارئین اور تحریر کو قریب کرتی ہے۔ قارئین کو ایسی تحریروں کی ضرورت ہے اور ماشاءاللہ .... پاکیزہ کی ہر تحریر ہر کہانی ایسی ہی ہوتی ہے۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

2: خواب تو خواب ہوتے ہیں شائستہ! 2026ء میرے لیے خوش آئند خوابوں کا مرکز ہے۔ وہ خواب جو پچھلے کئی سالوں سے دیکھ رہی ہوں، اب ان کی تکمیل کا سال ہوگا۔ بس ذرا سی دیر ہے ساقی۔ میری کوشش ہوگی کہ میرا ناول پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ وہ سب کہانیاں مکمل کرلوں جو مکمل ہونے کے انتظار میں ادھوری پڑی ہیں۔ ایک سیریل آن ائیر آجائے۔ گئے سالوں کی طرح پاکیزہ کی ایک گیدرنگ ہو جائے۔ ساری لکھاری بہنیں آپس میں ملیں۔ بحث و مباحثہ ہو، گلکاریاں ہوں، قلمکاریاں ہو۔ خوابوں پر اختیار کہاں؟ لیکن......



پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

شیریں حیدر

1: شائستہ! تحریر تو ہمیشہ وہی اچھی ہوتی ہے جو قاری کے دل کو چھو جائے۔ ہم لکھاریوں کی کوشش ہونی چاہیے کہ تحریر ثقیل نہ ہو ہلکے پھلکے انداز میں مگر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہو۔ لڑکیوں کو (کیونکہ عموماً ڈائجسٹ لڑکیاں ہی پڑھتی ہیں) تعلیم کے حصول میں دلچسپی، دوسروں کی عزت کر کے عزت کروانا اور اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرنا۔ لڑکیوں سے زیادہ آج کل لڑکوں کی تربیت اہم ہے کہ ان کے وجود سے لڑکیاں محفوظ ہوں۔ رشتوں کو خوب صورت طریقوں سے نبھانا اور ہر کہانی میں کوئی مقصد یا سبق ضرور ہو۔ آج کل نفسا نفسی کا دور ہے اور والدین نے بچوں کی تربیت



کا ذمہ فون کو دے دیا ہے۔ نئی نسل بہت بگڑ رہی ہے۔ چھوٹے، چھوٹے بچے اس قدر غصیلے اور بدتہذیب ہیں کہ الاماں نئی نسل کی تربیت کے حوالے سے بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ لکھاری انگریزی الفاظ کی بلاوجہ بھرمار سے اجتناب کریں۔

2: جس چیز کا فقدان ہوتا جا رہا ہے وہ ہے مزاح۔ کبھی کوئی تحریر پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ آجائے تو کیا ہی کمال ہے۔ نئے سال سے میں یہی چاہتی ہوں کہ کچھ ایسا پڑھنے کو ملے کہ انسان کچھ دیر کے لیے اپنی زندگی کے مسائل کو بھول جائے۔

ریحانہ آفتاب

1: زمانۂ قدیم سے ازل تک ایک لکھاری کی یا ادب سے جڑے ہر فرد کی یہ ذمے داری ہے کہ جو حالات و واقعات چل رہے ہوتے ہیں اس کے مطابق وہ تحریر لکھی جائے جو ہمارے معاشرے کی صحیح عکاسی کر سکے لیکن بدقسمتی سے ایسے کچھ موضوعات ہیں ایسی کچھ برائیاں ہیں جو پہلے تو بالکل نہیں تھیں اور اب بہت ہیں لیکن ہم پر قدغن لگ چکی ہے۔ famine policy ہے سنسر پالیسی ہے ہم کھل کر ان موضوعات پر نہیں لکھ سکتے جس سے ہماری آنے والی نسل متاثر ہے۔ دھوکا دہی بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ کھلے عام ساری چیزیں ہو رہی ہوتی ہیں۔ cripshion خواص و عوام میں عام ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم نہیں لکھ سکتے مادر پدر آزادی کی میں بھی مخالفت کروں گی اتنی آزادی ضرور دینی چاہیے کہ کوئی بھی لکھاری اپنے قلم کے ذریعے عوام کو معاشرے کا بدنما چہرہ دکھا سکے۔ بنیادی طور پر پاکستان کی زیادہ آبادی گاؤں، دیہات میں ہے یہی وہ لوگ ہیں جو ادب سے جڑے ہوئے ہیں ورنہ اتنے ترقی یافتہ دور میں جہاں سب کے پاس موبائل

ہیں۔ بیسٹ سیلرز ہیں، ویب سیریز، ویب سائٹس ہیں ان کے پاس وقت نہیں ہے کہ وہ ڈائجسٹ پڑھیں تو جو ہمارا کم ترقی یافتہ اور کم پڑھا لکھا طبقہ ہے جہاں جہالت بہت زیادہ ہے معذرت کے ساتھ وہاں پر حق حقوق ثواب، گناہ جائز، ناجائز شاید ان لوگوں کو اتنی آگہی ہی نہیں ہے کہ جو وہ کر رہے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ میرے لیے بہت افسردگی کا مقام ہے کہ آج کے قارئین کو جیسی تحریروں کی ضرورت ہے انہیں لکھنے کی ہمیں آزادی نہیں۔

2: چھبیس ہو، ستائیس یا اٹھائیس آجائے لکھاری بہت حساس ہوتا ہے وہ اپنے وژن سے، اپنے نظریے سے معاشرے کو بہت دور تک دیکھتا ہے اور ہمارے حالات و واقعات ملکی ہوں، گھریلو ہوں، وہ بد سے بدتر کی طرف جا رہے ہیں وجہ سسٹم کا نہ ہونا اور لاقانونیت ہے، قانون صرف غریب اور حق پر کھڑے رہنے والوں کے لیے ہے۔ ناانصافی عام ہے۔ بچیوں کے ریپ اور قتل کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر کچھ دن ان کے لیے آواز اٹھتی ہے پھر دب جاتی ہے۔ میرا اپنے ملک اور شہریوں سے بہت محبت کا رشتہ ہے تو یہ چیزیں دیکھ کر دل دکھتا ہے، چونکہ میں ایک قلم کار ہوں، کہانی نویس ہوں اس لیے عام لوگوں سے زیادہ حساس ہوں۔ انسانوں کی نسل کشی، فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ تمام واقعات توجہ طلب ہیں۔ اللہ سے امید ہے کہ 2026ء میں ظلم کا خاتمہ ہوگا دلی دعا ہے کہ ہمیں قلم کی آزادی میسر آئے تب ان تمام موضوعات پر جن کا لکھنا محال ہے ہم لکھ سکیں۔ قلم کی آزادی کی خوش آئند تبدیلی آجائے تو معاشرے میں سدھار اور ہمیں قرار آجائے۔

نفیسہ سعید

1: زمانہ بے شک تیز رفتار ہو چکا لیکن ڈائجسٹ پڑھنے والے قارئین جن میں اکثریت خواتین کی ہے آج بھی محبت کے الجھے دھاگے سلجھاتی کہانیاں پسند کرتے



ہیں۔ انہیں آج بھی محبت کی روایت پسند گھرانوں کی کہانیاں پسند ہیں جہاں ہر زنجیر توڑ کر محبت خود کو منواتی ہے۔ البتہ زمانے کی ترجیحات کے مطابق اس دور کی کہانی میں مضبوط عورت کا کردار اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ اب چھوٹی موٹی عورت کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ اب پڑھنے والے اس عورت کے کردار کو پسند کرتے ہیں جو زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ پیش کرے۔

2: 2025ء ایسا سال تھا جس میں، میں نے بہت کم لکھا تھا جس کی بڑی وجہ گھریلو مصروفیات رہیں اب میں 2026ء میں بہت کچھ ایسا لکھنا چاہوں گی جس میں الجھے اور پریشان کن معاشرتی مسائل کا حل ہو۔ ایسی تحاریر جو دلوں میں امید پیدا کریں۔ کوشش ہوگی اپنے قلم کے زور پر پڑھنے والوں کو ایسا راستہ دکھایا جائے جو اُن کی زندگی سہل بنا سکے امید کے جگنو، یقین کے چمکتے تارے، محبت کے مہکتے گلاب، یہ سب وہ تبدیلیاں ہیں جن کی آرزو میرے دل میں ہے اور میں اپنے قلم کے ذریعے صفحے پر بکھیر کر قارئین تک پہنچانا چاہوں گی۔

فرح بخاری

1: یوں دیکھا جائے تو موضوعات کی رنگا رنگی میں جو خوب صورتی ہے وہ کسی ایک قسم کی کہانیاں پڑھتے چلے جانے میں نہیں آسکتی۔ ہر قسم کے موضوع زیرِ مطالعہ رہنے چاہئیں لیکن اگر سوال کے مطابق یعنی موجودہ دور کے مطابق چلیں تو یہی کہوں گی آج ہر دوسرا انسان depression اور دباؤ کا شکار دکھائی دیتا ہے اور مجھے ہمارے رسائل میں مزاح کی واضح کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہلکے پھلکے مزاحیہ ناولز مجھے خود بھی بہت پسند ہیں اور میری خواہش ہے کہ وہ قلم کار خواتین جو فطری طور پر اس ہنر میں کمال رکھتی ہیں وہ ضرور اس

پر غور کریں ہلکہ وقت ملا تو میں بھی ڈرامہ اور ناول کی طرف راغب ہوں گی، ان شاءاللہ۔
2: میری اولین خواہش یہی ہے کہ دنیا ایک مرتبہ پھر کتاب سے محبت میں وہ مقام حاصل کرے۔ آن لائن ڈیجیٹل دنیا نے ہمیں کتابوں سے اتنا دور کر دیا ہے کہ اب ہمارے پاس کوئی کتاب پڑھتا دکھائی دے تو اسے حیرت سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک قلم کار ہونے کے ناتے اگر ہمارے قارئین میں اضافہ ہونا چاہئے تو یہ ہمارا ایک خوش آئند تبدیلی ہوگی۔

اسما اشرف منہاس

1: ادب اور خاص طور پر رسالوں میں لکھا جانے والا ادب پاکستان کے بیشتر گھرانوں اور خاص طور پر خواتین تک پہنچتا ہے آج جبکہ ہمارے رویے شدت اور انتہا پسندی کی جانب زیادہ مائل ہو رہے ہیں مثبت کے بجائے منفی اقدار اور ہر طرح کی گراوٹ فروغ پا رہی ہے وہاں ایسی تحریروں کی ضرورت ہے جو قارئین اور خاص طور پر عورت کو اس کی اصل حیثیت، مقام اور کردار یاد دلائیں نہ صرف یاد دلائیں بلکہ اس حوالے سے اس کی مناسب تربیت بھی کریں۔ میں سمجھتی ہوں کہ مثبت کہانیاں ذہن سازی میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں ہم نے زندگی میں جو کچھ بھی سیکھا اس میں بڑا حصہ ان خوب صورت کہانیوں کا بھی ہے جو وقتاً فوقتاً پڑھنے کو ملیں۔
2: پہلے تو یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ میں کوئی قلم کار ہوں۔ بس یونہی چیزیں دل و دماغ کو پریشان کرتی ہیں یا پھر خوش ان کے حوالے سے کچھ نہ کچھ کبھی کبھار لکھ لیتی ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس قسم کا ادب ہم نے پڑھا اور پسند کیا چاہتی ہوں کہ ویسا ہی مثبت سبق آموز اور ہلکا پھلکا ادب سب کو میسر آئے۔ میرے نزدیک کسی بھی تحریر کا مقصد زندگی سے، تہذیب سے، رشتوں سے نفرت، بیزاری اور بغاوت پیدا کرنا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمارے ہاں عموماً اعلیٰ درجے کا ادب وہی سمجھا جاتا ہے جس کا کوئی خوفناک یا کراہت

[illegible]

[illegible]

1: [illegible]

رومانس کا تڑکا بھی ضرور لگائیں لیکن معاشرے کے تکلیف دہ حصوں کو سامنے لانا ہوگا چاہے وہ موضوع کتنا ہی تلخ ہو قلم کی زد میں ضرور لانا ہوگا۔

2: پہلے تو میں اپنے اندر یہ تبدیلی لانا چاہتی ہوں کہ اچھا، اچھا سبق آموز موضوع میرے قلم سے آبشار کی طرح نکلے۔ آگے بڑھنے کی آرزومند ہوں۔ ڈائجسٹ سے بھی امیدیں وابستہ ہیں کہ پرانے مصنفین سے دوبارہ لکھوایا جائے گا، نئے موضوعات کا چناؤ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکیزہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!



خولہ سعید جاوید

1: آج کل معاشرے کو جو مسائل درپیش ہیں ماضی میں ان کا نام ونشان تک نہ تھا۔ دو فریقین کی دلچسپی، والدین کی طرف سے دباؤ پھر شادی اور افسانوی اعتبار سے خوشیوں کی ابتدا۔ ان سے ہٹ کر پھر زندگی کے مسائل کی طرف آیا گیا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سے کیسے نمٹا جائے؟ ہر کلاس کے مسائل الگ ہیں اس طرح تحریروں کے ذریعے مختلف زاویوں سے ایک ہی مسئلے کا الگ، الگ حل بیان کرنا چاہیے۔ اخلاقی اقدار دم توڑ رہی ہیں، مشترکہ خاندانی نظام کو بوجھ سمجھا جا رہا ہے۔ بزرگ روک ٹوک بہت کرتے ہیں، ہر بات میں اپنی رائے ضرور دیتے ہیں اور زبردستی اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہر بات بچوں کے سامنے کی جاتی ہے۔ میاں بیوی کی آپس کی برداشت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ نتیجتاً سمجھدار ہونے تک ایسے گھرانوں کے اکثر بچے اپنا نفسیاتی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ پھر والدین ان کو لے کر چوری، چوری نفسیاتی معالجین کے پاس جاتے ہیں۔ بزرگوں سے یہ سب چھپایا جاتا ہے۔ جن کے پاس برسوں کا تجربہ ہوتا ہے۔ اسٹیٹس کی دوڑ میں شامل ہو کر والدین کا بچوں اور خاندان کے دیگر افراد سے تعلق کم ہو جاتا ہے۔

عدم توجہی کے باعث بچے موبائل کے ذریعے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ توجہ حاصل کرنے کے لیے موبائل پر اپنی تصویریں لگاتے ہیں اور follower کی تعداد بڑھاتے ہیں اور اکثر تباہی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ نامور اور منجھے ہوئے قلم کاروں کو ان مسائل کو اجاگر کرنے کے بعد ان کا مناسب حل بھی بتانا چاہیے۔ تحریر رومانویت کے ساتھ سبق آموز بھی ہو یعنی دوائی شہد میں لپیٹ کر دی جائے کہ نصیحت سننا آج کل ناپسندیدہ کام ٹھہر چکا ہے۔

2: 2026ء میں افسانوں کا اختتام خوشی سے لبریز کیا جانا چاہیے یہی طر یہ اختتام مسائل سے بھرا دن گزار کر افسانہ پڑھ کر خوشی، خوشی بستر میں جانا چاہیے تا کہ اگلے دن تازہ دم اٹھیں۔

معزز قارئین! یہ کیسے اطمینان، خوشی اور فخر کی بات ہے کہ بات قارئین کی ضرورت کے تحت پیش کی جانے والی تحریروں کی ہو یا قلم کار بہنوں کی بحیثیت قلم کار خوش آئند تبدیلیوں کی آرزو کی مثبت خواہشات پُرجوش خیالات کی ہے اور سب سے زیادہ دل کو چھو لینے والی بات یہ لگی کہ تخلیقات میں مزاح کی چاشنی کی خواہش ہماری لکھنے والی بہنوں کو ہے جو واقعی بہت خوش آئند ہے۔ گو کہ مزاح لکھنا اور اس میں تحریر کا وقار اور معیار قائم رکھنا کارِ محال ہے لیکن اگر سنگین اور تلخ مسائل کو سمجھداری سے مزاح سے مزین کر دیا جائے تو لطفِ تحریر بڑھ جاتا ہے۔

چونکہ مزاح نگار بھی ہوں سو یہ بات اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ رہی ہوں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر موضوع میں رنگِ مزاح شامل نہیں کیا جا سکتا کہ ہر تحریر کا تقاضا الگ ہوتا ہے۔

سو کبھی کبھی ہو یہ کیفیت تو بھلی بھی لگے

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com
03316266612,021.35386783.021.35802552,Ext:110

پیاری اور محترم بہنو! السلام علیکم!

تمام تر حمد و ثنا اس ذاتِ والا صفات کے لیے جو واحد ہے، خالقِ کائنات ہے۔ وہ رب حکمت جس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ہر صنعت کو محکم بنایا۔ وہ بے مثال، لازوال، ہر ایک کی سننے والا، ہر شے کا دیکھنے والا اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

کائنات کی ہر مخلوق ثنائے پروردگار میں مصروف ہے۔ ہر شے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ پر دن رات درود و سلام بھیجتی ہے۔ خدایا رحمت نازل فرما حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ جن کو تو نے بہترین دین کے ساتھ بھیجا اور تمام عالم کے لیے نجات کا وسیلہ قرار دیا۔ بس تھامے رہو دامن رحمۃ اللعالمین کہ وہی دنیا و آخرت میں مددگار اور شفیع روزِ محشر ہیں۔

تمام اہلِ وطن کے لیے پُرخلوص دعائیں اور نیک تمنائیں لیے حاضر ہیں۔

☆☆☆

موسمِ سرما سے لطف اندوز ہوتی پیاری بہنو! نئے سال کی آمد دل کو خوشیوں اور امنگوں سے بھر دیتی ہے اور نئے، نئے منصوبے اور پروگرام طے پاتے ہیں، بہت سارے کام جو پچھلے برس نہیں ہو پائے یا جو تکمیل تک نہ پہنچے وہ سب مکمل کرنے کی لگن ہوتی ہے، جیسے نئے سال میں کوئی پریشانی، کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ ہر کسی نے نئے سال کے آغاز پر کچھ نہ کچھ ضرور سوچا ہوتا ہے جو پچھلے برس نہیں ہوا وہ کر گزرنے کا۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے لہٰذا جو کام اب تک ادھورے ہیں انہیں تکمیل تک پہنچائیں لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ دوسروں کے کام آئیں اور اگر کوئی مدد نہ کر سکیں تو کم از کم تکلیف بھی نہ پہنچائیں۔

☆☆☆

پیاری بہنو...... حسبِ روایت نت نئی خبروں اور سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے قبل ایک بار خلوصِ دل سے درودِ ابراہیمیؑ اور اس کے بعد تین بار آیتِ کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

☆☆☆

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ 19 دسمبر 2025ء کے عالمی کتب میلے میں حلقہ خواتین جماعت اسلامی کے زیرِ اہتمام محترمہ عالیہ شمیم کی کتاب "قرآن شاہ کلید" کی تقریبِ رونمائی منعقد ہوئی۔ (ماشاء اللہ)

☆ پاکیزہ کی قاری و مستقل تبصرہ نگار، روحی صبا ان دنوں اپنے بیٹے اسامہ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف

دعائے صحت

٭ ماہنامہ پاکیزہ کی مستقل قاری، شاعرہ فاطمہ شفیق، کراچی کی مکمل صحت یابی کے لیے ہم سب دعا گو ہیں۔
٭ پاکیزہ کی رائٹر سماہت عاصم کی والدہ کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔ بہنوں سے دعا ہے صحت کی دعا کی درخواست ہے
٭ زینیا حسن، کراچی اب روبہ صحت ہیں، انہوں نے بہنوں کا بہت شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے ان کے حق میں دعائیں کیں۔

بہنوں اب آیئے...... اپنے خطوط کی طرف......

٭ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''تبصرہ کرتے وقت سوچنا پڑتا ہے کہ کیا لکھوں روز بروز پاکیزہ نکھرتا جارہا ہے اس مرتبہ اختر شجاعت نے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ پر خوب لکھا حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی صفات اور کرامات کو دو تین صفحات میں قید کرنا ناممکن ہے پھر بھی اختر نے کافی اچھی طرح حق ادا کیا۔ فرح بخاری کا، اس موڑ سے آگے، سب پر بازی لے گیا حالانکہ کہیں، کہیں طوالت نے بور بھی کیا اور بیچاری رباب کو ایک شہر سے دوسرے شہر مصنفہ نے خوب ہی گھمایا اور بڑھاپا جو کام چالیس سال میں بخوبی ہو جاتا وہ بڑھاپے میں ہوا لیکن دونوں نسلوں میں فرح نے پیغام لاجواب دیا ہے۔ اس زمانے میں آج کل کی اولاد کسی کی نہیں ہوتی اور ماں ہو یا باپ اپنے بڑھاپے کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے اب اولادیں ماں، باپ کے بڑھاپے کا سہارا نہیں ہوتیں ڈیل ڈن...... روبینہ قریشی کا فیصلہ...... بھی لاجواب، انتھک محنت کی کہانی اور پھر سمجھداری والا فیصلہ کاش ہر ساس اسی طرح سوچ لے تو گھر جنت بن جائے۔ میرا دل میرا چمن ہے، قانتہ رابعہ نے وطن سے محبت کا حق ادا کر دیا جو گھر میں سکون سے بیٹھ کر افواج پاکستان کو برا بھلا کہتے ہیں تو دل چاہتا ہے ان کے بچے لے جا کر سرحد پر چھوڑ دیں، اپنے شہید ہوں گے تو انہیں شہدا کی قدر آئے گی۔ ساس کل پر تبصرہ اگلے ماہ، قرۃ العین سکندر کی محبت رائگاں نہیں، جی، اچھی لگی۔ شمیم فضل خالق کی محبت کی چالاکیاں بھی خوب رہیں۔ حمیرا شفیع نے بھی برانڈڈ محبت، کو بالکل صحیح طریقے سے اجاگر کیا ہے۔ عنوان بڑا خوب صورت ہے برانڈڈ محبت۔ غزالہ عزیز کی تربیت بھی بامقصد ہی کاش خواتین اس پر عمل بھی کرلیں ورنہ تو کہتے ہیں۔'' ساس کے نام کی خالہ اس کا بھی منہ کالا شکر ہے، ڈرامے والا حال نہیں ہوا۔ ناراض سمندر ان لوگوں کے لیے ایک سبق ہے جو ملک کی روکھی سوکھی چھوڑ کر حلوے مانڈے کے چکر میں زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ قرۃ العین خرم ہاشمی نے بہت خوب صورت لکھا جو در حقیقت وقت کی ضرورت بھی ہے زندگی تماشا نہ تھی۔ مرد کی کم ہمتی، بزدلی اور ڈرپوک ہونے کی کہانی ہے جو ماہ وش طالب نے خوب لکھی۔ طیبہ ہاشمی کا سراب، ٹھیک رہا۔ ڈاکٹر سیدہ عارفہ زہرا، میری پسندیدہ ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کے افکار، ان کی باتیں، ان کے مشاہدات اور ان کی نصیحتیں...... بہت کم لوگ ان کے پائے کے ہوتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ تعزیتی پیغام بہت مختصر رہا مزہ نہیں آیا اور زیادہ کی وہ حقدار تھیں۔ ''محبت کی کیمیا گری'' پر بھی سب کے احساسات اور جذبات نے کافی محظوظ کیا مزہ آیا۔ روحانی مشورے میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور کچھ پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہوں۔ پکوان بس پڑھ لیتی ہوں لیکن پکانے سے دلچسپی ذرا کم ہوگئی ہے ہاں کوئی پسندیدہ شخصیت تشریف لائیں تو شوق سے بناتی ہوں۔ اب اجازت ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر نئے تبصرے کے ساتھ حاضری ہوگی۔'' (بہت شکریہ تبصرے کا بڑا گہرا تبصرہ کرتی ہیں)

٭ عنبر وسیم ظفر، گوجرانوالہ سے۔ ''محترمہ آپا جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ...... کیا حال ہے؟ سب سے پہلے نئے سال کی بہت، بہت مبارک...... میری دعا ہے کہ یہ نیا سال تمام امت مسلمہ کے لیے باعث خیر و برکت ہو، آمین اور تمام نیک خواہشات اور دلی تمنائیں سب کی پوری ہوں اور ہمارے وطن کی تاقیامت خداوندِ کریم حفاظت فرمائے، (آمین) کافی عرصے بعد آپ سے مخاطب ہوں۔ ستمبر میں اکتوبر کے لیے تبصرہ بھیجا تھا مگر وہ اب تک نہیں

پہنچا۔ بھائی سے پوسٹ کروایا تھا۔ (پہنچا تو نہیں عنبر، ورنہ تو اگلے ماہ ہی لگ جاتا) خیر...... ضروریاتِ زندگی کے لوازمات پورے کرتے اور گردشِ حالات کے باعث لکھنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ مگر آپ کے لیے اور تمام پاکیزہ قارئین کے لیے تہ دل سے پُرخلوص دعائیں کرتے ہیں۔ آپ بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اب تبصرے کی طرف آتی ہوں، ماڈل کی شکل عنبرین حسیب عنبر سے کافی حد تک مل رہی تھی۔ ان سے مل کر اداریے کی طرف بڑھے۔ چیدہ، چیدہ نظر مار کر آپ سے باتیں کرنے کا مزہ آیا۔ نئے سال کے مصمم ارادے اور عزم جان کر ہماری بھی ہمت اور حوصلے بلند ہوئے اور واقعی قائداعظم کا یومِ ولادت تو ہم ذوق وشوق سے مناتے ہیں مگر قائد کا سا عزم وجذبہ اور حب الوطنی ہم میں ناپید ہے۔ قائد کا پاکستان بنانے میں ابھی بہت عرصہ درکار ہے۔ خدا کرے ہمت مرداں ...... القرآن اور احادیث مبارکہ سے فیضیاب ہوتے ہوئے مستقل سلسلوں کی اور بڑھے۔ بہنوں کی محفل وِن زیادہ...... اینڈ اولی گزشتہ سال کی سرگرمیاں اور نئے سال کی آمد کی نوید دل خوش اور اداس بیک وقت کر گئیں۔ ساتھ ہی حمیرا طارق کی وفات پر دلی رنج ہوا۔ ریحانہ آفتاب جی کو بھی خدا صبرِ جمیل عطا فرمائے اور رفاقت جی کے شوہر نامدار کی وفات کا جان کر بھی دکھ ہوا۔ خدا سب کو جوارِ رحمت میں جگہ اور لواحقین کو صبر و استقامت عطا فرمائے (آمین) تمام بہنوں کے خطوط اور تبصرے پڑھ کر ٹھنڈک پہنچی ہاں۔ اُمِ طیفور جو کہ میرے شہر کی ہیں ان کے بارے میں بھی جاننا چاہوں گی۔ اپنی کمی بہت محسوس ہوئی۔ لک دیا ہے۔ نگہت سیما جی...... اچھے انداز میں ناول چلا رہی ہیں۔ سلمان کو اپنی پرانی مانوش مل گئی مگر وہ اس میں منفی پہلو مزید اجاگر کرے گی۔ اسے نہیں ملنا چاہیے تھا۔ خیر نگہت جی زیادہ جانتی ہیں کہ کہانی کو کیسے لے کر چلنا ہے۔ آگے دیکھتے ہیں، افشاں جی بھی اپنے اندازِ تحریر کے ساتھ روایتی انداز میں چل رہی ہیں۔ جوزفین کا پُراسرار کردار ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔ ناول کے شروع میں گزشتہ اقساط کا خلاصہ لازمی دیا کریں۔ تاکہ نئے پڑھنے والوں کے لیے آسانی رہے۔ (دے تو رہے ہیں ڈیئر) اس موڑ سے آگے مکمل ناول کے آخر میں باقی آئندہ دیکھ کر تشنگی باقی رہی تھی مگر اس ماہ اس کا باقی حصہ پڑھ کر دل مطمئن ہو گیا۔ واقعی ہر عورت کو اپنے بارے میں سوچنے کا حق حاصل ہے۔ جبکہ شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے۔ سباس گل کافی عرصے بعد آئیں لیکن چھا گئیں، مجھے آواز دے لینا، اب حمسہ اور آرب کا رشتہ کس نہج پر چلے گا اور آگے کیا، کیا کٹھنائیں آئیں گی اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ افسانے سارے ہی بہترین لگے۔ لیکن برانڈڈ محبت، حمیرا شفیع نے لکھ کر محبت کا حق ادا کر دیا۔ واقعی آج کے دور میں حقیقی اور اصل محبت کا وجود ہی نہیں ہے۔ آٹے میں نمک کے برابر محبت رہ گئی ہے۔ دلوں میں بھی اور رشتوں میں بھی۔ میرا دل میرا چمن ہے، ایک سچے محبِ وطن کی کہانی، فیصلہ، ایک سبق آموز کہانی تھی جو کہ معاشرے کی عکاسی کر رہی تھی۔ واقعی میں شادی کے موقع پر مختلف لوگ اپنے تجربات سے ساسوں کے دماغ بڑھکا دیتے ہیں لیکن اقرا نے عقلمندی کا ثبوت دے کر حالات کو اپنے قابو میں کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بہت اچھا کیا۔ تربیت بھی بہت اچھا افسانہ لگا۔ ماؤں کو اس سے کافی کچھ سیکھنے کو ملا گویا۔ باقی پورا پاکیزہ جاندار بلکہ شاندار تھا۔ نئے سال میں ملنے کی امید پر اب اجازت چاہوں گی۔ خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ (بہت عرصے بعد تبصرہ کیا، یہ اچھی بات ہے کہ گھریلو مصروفیات کے باوجود تم پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھ رہی ہو۔ اچھی بات ہے، اسی طرح کبھی، کبھی تبصرہ بھی بھیج دیا کرو)

✍ فریدہ ہاشمی، کراچی سے۔ ”رسالہ تو ماشاء اللہ خوب اچھا جا رہا ہے۔ ہر ماہ نئی بہنوں کی بہترین کہانیاں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ اور ہماری جانی پہچانی بہنوں کا تو جواب ہی نہیں...... ہر بار بہت بہترین نگارشات سے سجا ہمارا رسالہ خوب صورت پھولوں کا دلکش گلدستہ معلوم ہوتا ہے، ماشاء اللہ...... بہن اختر شجاعت مقالہ جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی سیرت پر لکھا گیا تھا۔ بہت عمدہ، وقت کی مناسبت سے بھی ضروری تھا۔ بہت، بہت شکریہ بہن ہمیشہ بہترین انسانوں کے بارے میں پوری تحقیق سے لکھتی ہیں جس سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور عمل کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

ناول دونوں خوب صورت انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ مصعب کی زندگی اب تک پراسرار ہے۔ اسی وجہ سے
زیادہ تجسس ہوتا ہے اور یہی بہترین مصنفہ کی نشانی ہے جو اپنے قاری کو کیا ہوا، کیسے ہوا کی سوچ کے ساتھ دلچسپی بھی
برقرار رکھتی ہے۔ قانعہ رابعہ نے بہت عمدہ کہانی لکھی ہے۔ بہت دل خوش ہوا۔ آج کل تو یہ سب لکھنا اس لیے بھی
ضروری ہے کیونکہ یہ احساس دلوں سے بالکل محو ہو گیا ہے کہ ہم سب کے لیے وطن کی سالمیت کتنی ضروری ہے۔
ہماری زندگی عبارت ہے وطن سے۔ اگر وطن نہ ہو تو ہم کہاں ہوں گے۔ کس کا حوالہ دیں گے۔ خوش رہیں بس۔
(بہت خوب صورت بات ہے) ساس گل بہت دنوں بعد نظر آئیں ایک اچھے ناولٹ کے ساتھ۔ افسوس سگے بھائی بھی
مختلف خصلتوں کے ہیں کہ ایک جتنے اچھے ہیں دوسرے اتنے ہی برے۔ خدا بہتری فرمائے، دوسرا حصہ ان شاء اللہ
اگلے ماہ پڑھیں گے۔ شمیم فضل خالق نے اس بار مختلف انداز میں کہانی لکھی ہے۔ بہت ہی شگفتہ انداز ہے۔ پڑھتے
ہوئے کئی بار بڑی ہنسی آئی۔ بہت خوب، آج کل کے حالات میں جبکہ بہت سی فکروں سے ذہن پریشان رہتا ہے۔ یہ
چھوٹی، چھوٹی باتیں جو فضا میں مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں۔ (درست کہا) بہت ضروری ہیں۔ کیونکہ ذہنی بالیدگی کے لیے
ہنسی ایک ٹانک ہے۔ شکریہ شمیم بہن...... حمیرا شفیع اور غزالہ عزیز کی کہانیاں بھی سبق آموز تھیں۔ قرۃ العین خرم ہاشمی کی
کہانی نے متاثر کیا۔ فرح بخاری کے کیا کہنے...... بہت اچھا ناول لکھا۔ بچوں کا رویہ، دنیا کی باتیں، حالات کی
تبدیلیاں، بہت خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے۔ یہ دنیا بالکل ایسی ہی ہے۔ اولادیں بھی بہت سی ایسی ہی ہوتی
ہیں جب ہی تو یہاں بھی اب اولڈ ہوم چل رہے ہیں۔ بہت اچھا لکھا۔ واہ مریم رضا اور ثروت حسین کے پیغام اچھے
تھے۔ جون ایلیا کی غزل پسند آئی۔ پاکیزہ ڈائری میں ہر چیز اعلیٰ سے اعلیٰ تر ہے۔ سب نے بہت اچھا لکھا۔ میرا نام
بھی نظر آیا۔ شکریہ ان محبتوں کا...... حمیرا طارق اور عارفہ زہرا کا جانا دل کو دکھی کر گیا۔ عارفہ زہرا کو میں اکثر سنتی تھی۔
اپنی زبان دانی اور بہترین نصیحتوں کے لیے ہمیشہ یاد رہیں گی۔ خدا مغفرت عطا کرے، آمین۔ سب بیماروں کے
لیے دعائے صحت اور بہنوں کے لیے خیر اور عافیت کی دعا کرتی ہوں...... نیا سال سب کو مبارک ہو اور ہم سب کے
لیے امن وسکون اور وطن عزیز کے لیے بہتری لائے، آمین۔ (جزاک اللہ، پر خلوص دعاؤں کا شکریہ بہت خوب
صورتی سے شاندار تبصرہ کرتی ہیں۔ سلامت رہیں)

☜ تسنیم کوثر، کراچی سے۔ ''شکر اللہ کا چار عمرے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ بہت ساری زیارتوں پر
بھی جانا ہوا۔ چوتھا عمرہ طائف سے کیا۔ طائف شہر مکہ سے کافی دور ہے کہہ سکتے ہیں کہ پہاڑوں پر ایک خوب
صورت شہر آباد ہوا ہے۔ (بہت، بہت مبارک ہو، بہت بڑی سعادت پائی) اور جناب آنے کے بعد نومبر کا
پاکیزہ پڑھا۔ ماشاء اللہ ہمیشہ کی طرح اچھا لگا اور چھوٹا سا تبصرہ دسمبر کے پیارے پاکیزہ کے لیے ہے۔ اک دیا
ہے ہاتھوں پر، نگہت سیما کا حسین ناول دل سے پسند آ رہا ہے۔ ایک ساتھ تین کہانیاں چل رہی ہیں یقیناً ایک
دوسرے سے تانا بانا ضرور جڑا ہو گا...... دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے اور ساس گل کا مجھے آواز دے لینا بھی بے
حد اچھا لگ رہا ہے بس ایک بات جو عجیب لگی وہ یہ کہ چھت پر حمسہ بندر سے محو گفتگو تھیں تو اچانک ہی آر ب
صاحب چھت پر کیسے آ گئے یعنی ائر پورٹ سے ڈاکٹر چھت پر سمجھ نہیں آیا یا شاید ہو سکتا ہے کہ ہماری ہی سمجھ کا ہیر
پھیر کچھ تو پلیز برا نہیں مانیے گا۔ (دوبارہ سے پڑھو سمجھ آ جائے گا) اس کے علاوہ فرح بخاری کا بہترین ناول
اس موڑ سے آگے لاجواب تخلیق کہہ سکتے ہیں تمام افسانوں، ناولز کی کہانیوں سے ہٹ کر ایک شاندار منفرد
اسٹوری بہت، بہت پسند آئی۔ فرح بخاری کو بہت مبارک باد کہیے۔ اور جناب افشاں آفریدی کے کون خوابوں
کے پار رہتا ہے میں ابھی دل لگا نہیں ہے۔ شاید کچھ اقساط کے بعد دل پسند ہو جائے۔ افسانوں میں حمیرا شفیع
بازی لے گئیں برانڈڈ محبت کا جواب نہیں۔ غزالہ عزیز کی تربیت بہت ٹھیک ٹھاک رہی تو روبینہ قریشی کا فیصلہ
درست لگا اور محبت کی کیمیا گری پر شائستہ زریں کا سروے مزید ارلگا باقی تمام پاکیزہ بھی پیارا، پیارا ہی

رہا۔'' (جزاک اللہ، عمرے کا احوال بھی ہو سکے تو ضرور لکھنا۔ تبصرے کا شکریہ رائٹرز بہنیں بھی تاثرات کے انتظار میں رہتی ہیں)

☙ فہمیدہ جاوید، ملتان۔ ''قارئین پاکیزہ کو سب سے پہلے سالِ نو کی بہت، بہت خوشیاں! اللہ کرے یہ نیا سال آپ سب کے لیے خوشیوں بھرا، سکون بھرا اور صحت بھرا ہو۔ (آمین) دیکھیں، وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے، پچھلا سال بھی کتنی جلدی ختم ہو گیا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی اپنے ساتھ خوشیاں لایا اور کچھ اداسیاں بھی۔ کبھی سوچتی ہوں کہ زندگی کتنی عجیب ہے، ایک طرف خوشیاں ہوتی ہیں، دوسری طرف دکھ اور مشکلات بھی آتی ہیں۔ غزہ کی حالت بھی کچھ خاص نہیں ہے۔ وہاں کے لوگ آج بھی صبر سے کام لے رہے ہیں، ظلم کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور ہر مشکل کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ واقعی، یہ دیکھ کر دل کو سکون بھی ملتا ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے کہ لوگ کتنی ہمت سے صبر کرتے ہیں۔ (درست کہا) لیکن ہمارے اپنے ملک کی بات کریں تو بس افسوس ہوتا ہے۔ حکومت اکثر صرف فرضی باتیں کرتی ہے، کام کم اور باتیں زیادہ۔ ہماری نوجوان نسل میں اخلاقیات کی کمی بڑھتی جا رہی ہے۔ سوشل میڈیا، فلمیں اور ڈرامے اس بے حیائی کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔ میڈیا بھی عجیب ہے۔ ہر غیر ضروری خبر کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے اور اصل مسائل پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ رسالوں کی دنیا ابھی باقی ہے، اور ماہنامہ پاکیزہ نے اپنی ایک الگ پہچان بنائی ہوئی ہے۔ یہاں نہ صرف معیاری تفریح ہے بلکہ ادب، اخلاقیات اور تعمیری اصلاح بھی ملتی ہے۔ قارئین بہنیں، جو دنیا کے مختلف گوشوں سے شامل ہوتی ہیں، یہاں کہانیاں اور مضامین پڑھ کر خوش ہوتی ہیں، کبھی ہنسی بھی آتی ہے اور کبھی سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ہر شمارہ ایک چھوٹا سا سبق ہے، جو دل کو لگتا ہے اور دماغ کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ پاکیزہ کا انداز ایسا ہے کہ پڑھتے ہی دل خوش ہو جائے، اور ساتھ ہی زندگی کے لیے بھی کچھ سیکھنے کو مل جائے۔ یہ رسالے صرف کہانیاں نہیں دیتے بلکہ ایک ماحول بھی فراہم کرتے ہیں جہاں ادب، اخلاقیات، معلومات اور تفریح سب ایک ساتھ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہنامہ پاکیزہ معاشرے پر مثبت اثر ڈال رہا ہے۔ یہ نہ صرف قاری بہنوں کے لیے ایک دلچسپ ساتھی ہے بلکہ زندگی میں رہنمائی کا بھی کام کرتا ہے۔ اس شمارے میں آپ کو ہر قسم کے مضامین ملیں گے: کبھی ہنسی کے لیے، کبھی سوچنے کے لیے، کبھی دل کو چھو لینے کے لیے اور کبھی نصیحت کے لیے۔ یہی خوب صورتی ہے پاکیزہ کی، جو ڈائجسٹ کی دنیا میں اپنی پہچان رکھتی ہے اور قارئین بہنوں کو ہر شمارے میں کچھ نیا دیتی ہے۔ (جزاک اللہ) دسمبر کے پاکیزہ کا سرورق بہت حسین تھا جو محبت نمبر کی مناسبت سے سجا ہوا تھا اور ماڈل کے زیورات کافی نفیس تھے جبکہ صفحات کا معیار بھی پہلے سے بہتر ہوتا جا رہا ہے جو اچھی بات ہے ورنہ اس ٹیکنالوجی زدہ دور میں بھی ڈائجسٹ مارکیٹ میں آ جائیں یہ غنیمت ہی ہے۔ کہانیوں کی بات کریں تو نگہت سیما کے ناول کے یہ تمام کردار کسی بڑے دعوے کے بغیر اپنی، اپنی زندگی جی رہے ہیں، اسی لیے کہانی عام گھریلو عورت کو بھی اپنی سی محسوس ہوتی ہے اور دل کو لگتی ہے۔ افشاں آفریدی کی کہانی بھی بہترین انداز میں آگے چل رہی ہے۔ کرداروں کا تعارف عمدہ لکھا گیا ہے جبکہ ناول کے شروع میں لائنز بہت دلکش ہیں۔ رافع اور مصعب کی نوک جھوک اچھی لگتی ہے۔ رومائزہ نام بہت پسند آیا مگر نشوئی نام اچھا نہیں لگا۔ کہانی میں جو منظر کشی کی گئی ہے یہ انداز بہترین ہیں اور سردیوں میں لندن کی صرف شاموں کو پڑھنا لطف دیتا ہے۔ سباس گل ہمیشہ سے عمدہ لکھتی ہیں اور مجھے ان کی شاعری بھی بے حد پسند ہے۔ کہانی کی پہلی قسط اچھی تھی مگر اب تفصیل سے تبصرہ دوسری اور آخری قسط پڑھ کر کروں گی ہاں عنوان کہانی کا دلچسپ رہا اور وہیں فرح بخاری نے عرق ریزی سے اپنے ناول کو ختم کیا اور کرداروں کے ساتھ انصاف کیا۔ بہنوں کی محفل میں تبصرے ایسا لگا جیسے کم ہیں تمام قارئین شریک ہو جایا کریں۔ جو بیمار ہیں سب وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں۔ جن کے پیارے چلے گئے اللہ ان کو صبر دے اور جانے والوں کو جنت میں جگہ دے۔ جن کی کوئی مشکل ہے اللہ بہت ساری آسانیاں کرے جن بہنوں کو کوئی خوشی یا کامیابی ملی ہے اللہ برکت دے اور نظرِ بد سے

جائے۔ اختر کو تو اللہ پاک ہی جزا دے گا جو ہر ماہ اتنی نیکیاں کما رہی ہیں ماشاء اللہ۔ تبصرہ کی انداز میں اپنا تبصرہ
ہدایت سلسلہ لکھ کر اور شروع میں حدیثوں کا سلسلہ مجھے قرآن کی باتوں کی طرح بہت پسند ہے۔ نزہت نے صفحات
سے ملاقات میں کمی کر دی ہے۔ گمراہ کن کے تارے اس بار بالکل بھی پسند نہیں آیا بہت عام سا تھا معذرت اپنی پسند
بس کیا کریں۔ (ہر کسی کی اپنی، اپنی پسند ہے) شائستہ کا سروے ہمیشہ بہترین ہوتا ہے۔ بزم پاکیزہ میں سوالات
اتنے اصلاحی سے اب قارئین دیتی ہیں اور الیہ سے جبکہ سلسلے کا انداز اپن واا ہے اور یہی اس سلسلے کی ڈیمانڈ ہوتی
ہے۔ اب ذرا نظر کمزور ہوگئی ہے تو بہت آرام، آرام سے پڑھا جاتا ہے اور اکثر مکمل نہیں پڑھ پاتی مگر جتنا پڑھا
کوشش کرتی ہوں کہ شرکت لازمی ہوجائے اس پیارے سے پھولوں کے باغ میں جو پاکیزہ کی محفل ہے تو ساری
قارئین کو سال نو کی پھر سے مبارک باد اس دعا کے ساتھ کہ ساری بہنیں ہنستی مسکراتی اور جوان رہیں آمین۔'' (تفصیلی
تبصرے کا شکریہ)

سحر روحی صبا، کراچی سے۔ ''کئی مہینے بعد آپ سے مخاطب ہوں۔ صوابی سے واپس آئی تو پکا ارادہ تھا
کہ آپ کو خط لکھوں گی مگر اتنی زیادہ مصروفیت رہی کہ بس پوچھیں نہ...... بہر حال پاکیزہ تو مطالعے میں رہا اور
تھوڑا، تھوڑا کر کے پڑھتی ہوں بہت سکون ملتا ہے اور تھکن اتر جاتی ہے۔ دسمبر کے شمارے پر تبصرہ کرنے سے
پہلے حوصلہ شرط وفا کا اختتام ہوا اس پر بات کہ بڑا زبردست اینڈ تھا حاجرہ، بدرالدین کی کیا کمال جوڑی اور
آسیہ کا انجام بس بہت پیغام دیتی تحریر تھی بشریٰ کو بہت، بہت شاباش اور دعائیں...... (آپ کی رائے پہنچائی
جا رہی ہے) قرۃ العین کی تحریر بہت اچھی اور سبق آموز تھی یہ آج کے فرعونوں کی وجہ سے نہ جانے کتنی
زندگیاں تباہ ہوگئی ہمارے ارد گرد کتنے ہی نوجوان اسی طرح ضائع ہوگئے اور ہماری ایک قریبی عزیزہ ہیں
جس نے حال ہی میں بیٹے کی شادی کروائی اور لڑکی والوں کے سونے کی ڈیمانڈ پوری کرنے کے لیے اپنا
مکان بیچنا پڑا بس اللہ ہدایت دے سب کو۔ (آمین) حمیرا شفیع کی کہانی برانڈڈ محبت بھی پسند آئی شکر ہے کہ
سمجھ تو آگئی لڑکے کو اور لڑکیوں کو بھی اللہ ہدایت دے کہ پردے میں رہیں تاکہ صنفِ مخالف بھی آزمائش میں
نہ پڑے۔ اسلام کے ہر حکم میں آخرت کے ساتھ، ساتھ دنیا کے بھی فائدے ہیں بس کوئی سمجھے اور عمل کرے
تو...... نزہت اس بار پاکیزہ میں کئی جگہ لکھائی دھندلائی ہے۔ ہمارا تو پہلے ہی عینک کا نمبر روز بروز بڑھ رہا ہے۔
لہٰذا تھوڑا خیال رکھا کریں اس چیز کا پلیز...... ہاں میرا ارادہ تھا کہ بھانجے کی شادی کا احوال لکھوں گی مگر
مصروفیت نے اجازت نہ دی لیکن دو چار باتیں بتاتی ہوں اسے حذف نہ کریں۔ عبداللہ حافظ قرآن ہے اور کیا
زبردست شادی تھی جسے اپنے پرائے سب نے بہت انجوائے کیا۔ بارات نے پنڈی سے صوابی آنا تھا اور اسی
دن واپس جانا تھا مجھے تو بہت، بہت مزہ آیا کیونکہ سب رشتے داروں سے ملاقاتیں بھی ہوگئیں کسی سے تین
سال بعد کسی سے آٹھ، سات سال بعد اور ایک بزرگ خاتون سے جب ملی تو کچھ دیر بعد وہ دوبارہ ملنے آئی اور
مجھے گلے لگا کر بولیں آپ روحی ہیں ناں؟ میرے ہاں کہنے پر بولی میں اور آپ کی امی دوست تھیں وہ بہت
اچھی تھیں وغیرہ، وغیرہ نزہت باتیں تو بہت ہیں مگر اس شادی کی ایک خاص بات یہ تھی کہ بارات کی واپسی کے
ٹائم دو نمازیں آرہی تھیں راستے میں ان کے لیے باقاعدہ گاڑیاں رکوائی گئیں اور الحمدللہ سب نے نمازیں
پڑھیں۔ (ماشاء اللہ) اس کے علاوہ میوزک پوری شادی اور ولیمے میں نہیں تھا اور بینکوئیٹ میں ولیمہ تھا مگر
پردے کے مکمل انتظام کے ساتھ باقی ہلا گلا شرعی حدود میں رہ کر فیشن کے کپڑے اور بہت اچھا کھانا سب تھا
مگر کوئی غیر اسلامی رسم نہیں کی۔ لہٰذا اگر ارادہ اور کوشش ہو تو اپنی خوشیوں کو گناہوں سے بچ کر منایا جاسکتا
ہے۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی کہ عبداللہ نے جہیز لینے سے سخت انکار کیا تھا کہ جو شخص بیٹی دے اس کے
لیے یہی کافی ہے کہ لہٰذا فرنیچر وغیرہ سب خود خریدا...... بہنوں کی محفل میں خطوط مزے کے تھے خاص کر فہمیدہ

اور آسیہ عامر کے خطوط کچھ پسند آتے ہیں بس لمبے ہوتے ہیں۔ نزاہیر ساری بہنوں۔ کرام ایک گر مجھ بھول گئی چلو خیر ہے کوئی بات نہیں ہم تو ویسے بھی سب کے دلوں میں رہتے ہیں۔ (ہاہاہا) دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ ناہید نعیم، ملتان سے۔ ''سال کے آخری مہینے کا پاکیزہ میرے سامنے ہے۔ سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ اک دیا ہے ہاتھوں پر، نگہت سیما کا پڑھا جو بہت ساری کہانیوں کو اپنے ساتھ لیے ہوئے چل رہا ہے۔ کسی کہانی میں کوئی جھول نظر نہیں آرہا۔ نگہت سیما ایک منجھی ہوئی رائٹر ہیں جو ہمیشہ اچھی کہانی دیتی ہیں۔ (جی بالکل) روبینہ قریشی کا افسانہ فیصلہ، بہتر لگا۔ میرا دل میرا مخلص ہے، قانتہ رابعہ کی بہترین تحریر ہے جو پسند آئی۔ غزالہ عزیز کی تربیت، ایک سمجھاتی ہوئی اور سبق آموز کہانی ہے۔ اس موڑ سے آگے، فرح بخاری کی دوسری کہانی بھی اچھے انداز میں لکھی گئی ہے اور بہت اچھے موضوع پر لکھی ہے۔ اعظم اور رباب کو آخر بڑھاپے میں ملا ہی دیا، انجام اچھا تھا۔ قرۃ العین خرم ہاشمی کا ناراض سمندر، پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا کہ دنیا میں اتنے ظالم لوگ بھی ہیں، آخر اس کے خود غرض خالو نے شہروز کی جان ہی لے لی اور اپنی بیٹی سونیا کی زندگی بھی برباد کردی۔ شمع ہدایت، اختر شجاعت اب کی بار بھی بہت اچھا لکھا۔ افشاں آفریدی کا سلسلہ وار ناول کون خوابوں کے پار رہتا ہے، ابھی پڑھ رہے ہیں، دیکھو آگے، آگے کیا ہوتا ہے۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی اس لیے خط دیر سے لکھتی ہوں، دوسرے پاکیزہ بھی دیر سے ملتا ہے۔ فہمیدہ جاوید کا تبصرہ پڑھا جس میں انہوں نے مجھے یاد کیا، شکریہ۔ پاکیزہ تو میں شروع سے آخر تک تبصرے سمیت ایک، ایک لفظ پڑھتی ہوں، یہ میرا پسندیدہ ڈائجسٹ ہے۔ زینیا حسن کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ ان کا حادثہ ہوگیا ہے۔ اللہ پاک انہیں جلد از جلد صحت یابی سے ہمکنار کرے۔ اسی طرح شاعرہ فریدہ جاوید فری کو اللہ پاک مکمل صحت دے، آمین۔ تبصرہ طول پکڑ گیا ہے، اب اجازت چاہوں گی۔ میری جانب سے تمام تبصرہ نگار بہنوں کو اور عذرا رسول و رائٹر بہنوں کو میری جانب سے سلام کہیے گا۔'' (جی بالکل اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے)

٭ زینیا حسن، کراچی سے۔ ''پیاری نزہت دسمبر کے پاکیزہ کے لیے تبصرہ یقیناً لیٹ ہوگیا۔ اب جنوری کے شمارے پر تبصرہ لکھ کر بھیجوں گی، ان شا اللہ۔ سالگرہ نمبر دو میں میری تصویر لگانے کا بے حد شکریہ اپنی تصویر دیکھ کر دلی خوشی ہوئی تھی۔ آپ کی محبت خلوص کے لیے اور ہمیشہ مجھے یاد رکھنے کے لیے ڈھیروں دعائیں اور ان تمام بہنوں کا بھی بہت شکریہ جنہوں نے مجھے دعاؤں میں یاد رکھا۔'' (اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور اب تفصیلی تبصرے کے ساتھ آنا)

اب اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نئے سال میں نئی امنگوں، نئی امیدوں اور خواہشوں کے ساتھ بیماریوں، پریشانیوں سے بچا کر اپنی پناہ اور عافیت میں رکھے۔ یہ سال ہم سب کے لیے، عالم اسلام اور ہمارے وطن کے لیے کامیابیوں اور کامرانیوں کا سال ہو، آمین۔

والسلام

خیر اندیش، نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783, 021-35802552 EXT 110

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ

ہر ایک شے سے الگ شے ہے آرزو تیری
کہ مہر و ماہ کو ہر پل ہے جستجو تیری
تیرے اثر سے نکل کر کوئی کہاں جائے
کہ کائنات میں خوشبو ہے چار سو تیری
ترا کرم کہ بہار آشنا ہی رہتی ہے
ہمارے واسطے دنیائے رنگ و بو تیری
مری زباں کو دے جو حوصلہ تو میری زباں
تمام عمر کرے صرف گفتگو تیری
متاعِ زیست تری آرزو کو سمجھا
سو کام آئی ہمیشہ ہی آرزو تیری

شاعر: رحمان خاور

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

نعت رسول مقبول ﷺ

میرے آقا مرے سرکار مدینے والے
مجھ کو کب آپ بلائیں گے مدینے والے
ایک آہٹ پہ گماں تھا کوئی قاصد آیا
اپنے قدموں میں بٹھالیں گے مدینے والے
آپ کی خوشبو سے مہکا ہوا سارا عالم
اپنی خوشبو میں چھپالیں گے مدینے والے
عشق کی راہ میں کانٹے بھی بہت ہوتے ہیں
آزمائش بھی ہے ہر آن مدینے والے
خوف جب، جب بھی مری روح میں بس جائے گا
کالی کملی میں چھپالیں گے مدینے والے
ہاتھ خالی ہیں مرے اور گنہگار بہت
جنتیں لوٹنے آؤں گی مدینے والے
بخشوانے کا ہے وعدہ تو یہ وعدہ ہے بہت



ہے یہ احسان پہ احسان مدینے والے
آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا سب نے دیکھا
آپ کے سائے تلے ہم ہیں مدینے والے
آپ پر نعت لکھوں دل نے کہا ہے مجھ سے
آپ پر جان بھی قربان مدینے والے

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

حدیث نبوی ﷺ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس آدمی کی نیت آخرت کی تیاری کی ہو اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی کر دیتا ہے، اس کی پریشانیاں سمیٹ دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر خود ہی اس کے پاس آجاتی ہے اور جس شخص کی نیت دنیا کمانے کی ہو اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں بھوک پیدا کر دیتا ہے یعنی جتنا بھی انہیں مل جائے وہ سیر نہیں ہوتے اس کے کاموں کو اس طرح بکھیر دیتا ہے کہ وہ ان ہی میں الجھا رہتا ہے اور ملتا وہی کچھ ہے جو پہلے سے اس کے مقدر میں لکھا ہے۔

مرسلہ: نجل شاہین، رحیم یار خان

تابعین اور تبع تابعین

جب فاتحہ خوانی کی جاتی ہے تو دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا ذکر بھی آتا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا یا آپؐ سے تعلیمات حاصل کیں انہیں صحابہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے تعلیمات حاصل کیں انہیں تابعین کہا جاتا ہے۔

اسی طرح جن لوگوں نے تابعین کو دیکھا اور ان سے تعلیمات حاصل کیں انہیں تبع تابعین کہا جاتا ہے۔
از: فرحت جہاں، کراچی

خاموشی

خاموش انسان، خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔ خاموشی خود ایک راز ہے اور ہر صاحب اسرار خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔ خاموشی دانا کا زیور ہے اور احمق کا بھرم۔

عنبر وسیم، گوجرانوالہ

کام کی باتیں

1- بڑا احمق ہے وہ شخص جو دوسروں کی برائیوں کو برا سمجھے اور خود ان پر جما رہے۔
2- مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو۔
3- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھو۔
4- ندامت کے آنسو غرور کی ہنسی سے بہتر ہیں۔
5- معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔
6- میٹھی بولی سب سے اچھی مٹھاس ہے۔
7- خودکشی نہ کرنا چاہو تو اپنے آپ کو مصروف رکھو۔
8- کسی کو بیوقوف بنانے کی تدبیر یہ ہے کہ اس کو عقلمند کہو۔
9- جاہل کے لیے سب سے اچھی بات خاموشی ہے۔
10- ہمت سے زندگی بنتی ہے اور بے دلی سے موت۔

از: نادیہ فاطمہ رضوی، کراچی

بچے ہمارے عہد کے

”دیکھو بیٹا اگر آج تم خاموشی سے اسکول چلے جاؤ گے اور کوئی شرارت نہیں کرو گے تو میں تمہیں شام کو دو روپے کا بالکل نیا اور چمکتا سکہ دوں گی۔“ ماں نے بیٹے کو لالچ دیا۔ ”نیا اور چمکتا ہوا سکہ آپ اپنے پاس رکھ لیں مجھے دس روپے کا میلا سا نوٹ دے دیں۔“ بچہ بولا۔
از: عالیہ، لاہور

قابلِ غور نکات

☆ اگر لوگ آپ کو ضرورت کے وقت یاد کرتے ہیں تو برا مت منائیں۔ انہیں مطلبی نہ کہیں اس لیے کہ چراغ کی ضرورت اندھیرے ہی میں پڑتی ہے۔
☆ آج کل عقل ٹھوکر سے نہیں، آن لائن شاپنگ کرنے سے آتی ہے۔

بہت خوب

☆ ڈرائنگ کے ماسٹر مجھے کہتے ”اُلو بناؤ“ مگر مجھ سے کسی طور نہیں بنتا تو غصے سے کہتے۔ ”کبھی اُلو دیکھا ہے؟“
میں شرم سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا تو کہتے۔ ”اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہے ہو، میری طرف دیکھو۔“
مرسلہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

دعا

میرے مالک اے میرے اللہ
اے میرے بے نیاز شہنشاہ
جملہ عالم کا کارساز ہے تو
بخش پروردگار جہاں نواز ہے تو
یاالٰہی بشانِ فتاحی
کھول دے غیب سے درِ روزی
زندگی دے جو ہو حیات میں خیر
موت دے جو ہو ممات میں خیر
جان جائے نہ جائے تیری یاد
موت آئے نہ آئے غیر کی یاد
یا حلیم اپنے حلم کے صدقے
عزت و آبرو میری رکھ لے
یاالٰہی میں ہوں وہ سرتاپا
شرم سے منہ اٹھا نہیں سکتا
یاالٰہی میں ہوں وہ بدکردار
میرے ہی جرم سے ہے نار کو آر
مخلصی کی کوئی امید نہیں
کیا تو غفار ہے، غفور نہیں

از: والدہ معز اکبر، کراچی

انمول موتی

☆ زندگی کی ٹھوکریں بہترین ذریعۂ تعلیم ہیں۔

☆ سورج کو نمایاں ہونے کے لیے تاریکی درکار ہے۔
☆ اس دوست کا گلہ کرر ہے ہو جو دھوکا دے گیا گلہ اپنی عقل سے کرو جو دھوکا دینے والے کو اپنا دوست سمجھتی ہے۔
☆ جھوٹ بول کر جیت جانے سے بہتر ہے سچ بول کر ہار جاؤ۔
☆ دل اور اعتماد کانچ کے مانند ہوتے ہیں جو ٹوٹنے کے بعد جڑتے نہیں۔
☆ کسی کو پالینا محبت نہیں بلکہ کسی کے دل میں جگہ بنالینا محبت ہے۔
☆ دنیا میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اپنی غلطی تسلیم کرلے۔
☆ مخلص دوست یقیناً آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔
☆ پر کمزور ہوں تو اونچی اڑان سے نقصان بھی ہوسکتا ہے۔
☆ یہ نہ دیکھو کہ بات کون کررہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ بات کیا کہہ رہا ہے۔

پسند: بیگم عبدالجبار، رومی انصاری، چوہنگ

دعا

مجھے بخش دے
میری لغزشوں کے واسطے
مجھے نواز دے
اپنی رحمتوں کے واسطے
مجھے سکون دے
اپنے نبیؐ کے واسطے
مجھے عطا کر
دل کے سکون کے راستے

شاعرہ: صائمہ سید، کراچی

زندگی

ایک جوکر نے لوگوں کو ایک لطیفہ سنایا لوگ بہت زیادہ ہنسے اس نے وہ لطیفہ پھر سنایا تو کم لوگ ہنسے...... اس نے پھر وہی سنایا تو کوئی بھی نہیں ہنسا تو پھر اس نے ایک بہت خوب صورت بات کہی۔
''اگر تم ایک خوشی کو لے کر بار، بار خوش نہیں ہو سکتے تو پھر ایک غم کو لے کر بار، بار پریشان کیوں ہوتے ہو...... زندگی زخموں سے بھری ہے وقت کو مرہم بنانا سیکھو، موت سے تو ہارنا ہی ہے، زندگی سے جیتنا سیکھو۔''

از: فاطمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ

نیا سال

نتیجہ پھر وہی ہوگا، سنا ہے سال بدلے گا
پرندے پھر وہی ہوں گے، شکاری جال بدلے گا
بدلنا ہے تو دن بدلو، بدلتے کیوں ہو ہندسے کو
مہینے پھر وہی ہوں گے، سنا ہے سال بدلے گا
چلو ہم مان لیتے ہیں مہینہ ساٹھ سالوں کا
بتاؤ کتنے سالوں میں ہمارا حال بدلے گا

از: ساجدہ ظفر، کمالیہ

خصوصی پیشکش

کائنات بنانے والے کی طرف سے شاندار آفر...... جنت میں خوب صورت پلاٹ بک کرانے کا سنہری موقع، انتہائی آسان شرائط پر بیمہ...... توبہ سے ایڈوانس بکنگ کروائیں اور پھر روزانہ پانچ نمازوں کی قسط جمع کرواتے جائیں۔ کارنر پلاٹ کے لیے رمضان مبارک کے روزے رکھیں اور بہترین تعمیرات کے لیے دل کھول کر زکوٰۃ و خیرات دیں اس کے علاوہ بہترین باغ و بہار کے لیے حج کی سعادت حاصل کریں۔ مزید خوب صورتی کے لیے تہجد کا اہتمام کریں۔
جلدی کیجیے...... یہ پیشکش صرف آپ کی زندگی تک محدود ہے۔

از: ارم کمال، فیصل آباد

نیا سال......؟

اس نئے سال میں سرخاب کا پر کون سا ہے
سال بدلا ہے پر احوال نہیں بدلا ہے
وہی باتیں، وہی قصے، وہی آشفتہ سری

نہ امنگیں، نہ ترنگیں
تر و تازہ نہیں اس قوم کا احوال میاں
دل پرانے ہیں تو پھر کیسا نیا سال میاں
زندہ قومیں
نئے سورج میں سحر دیکھتی ہیں
کیا خبر ہم کو کہ یہ رنگ سحر کون سا ہے
اس نئے سال میں سرخاب کا پر کون سا ہے
سال بدلا ہے پر احوال نہیں بدلا ہے
شاعر: ڈاکٹر بلال نقوی
از: شائستہ، کراچی

دوستی

دو دوست راستے میں اچانک ایک دوسرے کو دیکھ کر بغل گیر ہوئے اور خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ خیر خیریت و مزاج پرسی کے بعد ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا۔ ”آج چائے پلانے کا تمہارا نمبر ہے۔“ دوسرے دوست نے پوچھا۔ ”نمبر سے کیا مطلب ہم تو بہت عرصے سے ملے ہی نہیں۔“

پہلے نے جواب دیا۔ ”تمہیں یاد ہوگا جب بیس سال پہلے ہم ملے تھے تو چائے میں نے پلائی تھی۔“

کتاب

پہلا دوست: ”کیا تم نے میری دی ہوئی کتاب ”بیوی پر قابو پانے کے طریقے سے فائدہ اٹھایا؟“

دوسرا دوست: ”نہیں مجھے افسوس ہے کہ میں اس کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔“

پہلا دوست: (حیرت سے) ”کیوں؟“

دوسرا دوست: ”کیونکہ میری بیوی پہلے ہی ”شوہر پر کیسے قابو پایا جائے؟“ نامی کتاب پڑھ چکی ہے۔“

از: مسز حسنین، کراچی

غزل

بھولی بسری یاد کا ساون قطرہ، قطرہ گرتا ہے
میرے دل کے سارے سکوں کو پارہ، پارہ کرتا ہے

ذرہ، ذرہ حسن کا تیرے پرتو ہے اے شانِ ازل
لمحہ، لمحہ عشق میں تیرے جان و جگر سب جلتا ہے
تنہا، تنہا اس دنیا میں تیری یاد کے ساتھ چلوں
دل پاگل ہے مان نہ پائے کیسی ضد یہ کرتا ہے
ساری امیدیں غرق ہوئیں وقت کے ظالم دھارے میں
وقت کا دھارا دھیرے دھیرے دیکھیں کیسے سنبھلتا ہے
ترے عشق کی دشت ساری مخفی ہے مجبور محض
عشق ہی چاہت عشق ہی لذت عشق تو چڑھتا دریا ہے
کلام: فریدہ ہاشمی مخفی، کراچی

برجستہ جواب

ایک صاحب اپنے جوتے صاف کر رہے تھے کہ ایک دوست ان کے پاس آیا اور حیرت سے بولا۔
”ارے آپ خود اپنے جوتے صاف کر رہے ہیں؟“
دوست نے برجستہ جواب دیا۔
”تو آپ کس کے جوتے صاف کرتے ہیں؟“
از: سباس گل، رحیم یار خان

دعا

چلو آؤ دعاؤں سے کریں آغاز سالِ نو
کریں روشن دلوں کو آنسوؤں کے دیپ کی ہی لو
خدا محفوظ رکھے ساری دنیا کو وباؤں سے
نئے اس سال میں دے دے رہائی سب بلاؤں سے
چلو آؤ منائیں جشن آنکھوں کے ستاروں سے
چلو اس سالِ نو کو رنگ دیں نوری بہاروں سے
چلو جا کر اذانیں دیں محبت کے مناروں سے
چلو لیتے ہیں سب جا کر دعائیں ہم خلافت کی
چلو پڑھتے ہیں سالِ نو پہ ہم نظمیں محبت کی
نئے اس سال کی آمد پر ہم کچھ خواب بنتے ہیں
چلو پھولوں کی خوشبو سے ہوا پر ”پیار“ لکھتے ہیں
چلو نفرت کے صحرا پر محبت کو چھڑکتے ہیں
نئے اس سال میں مولا! ہوائیں پھول ہوں ساری
دعائیں دل سے جو نکلی ہیں وہ مقبول ہوں ساری
کلام: جبین نیاز، ملتان



میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ فریدہ ہاشمی...... کراچی

نہ شب و روز ہی بدلے ہیں نہ حال اچھا ہے
کس برہمن نے کہا تھا کہ یہ سال اچھا ہے

☆ ناہید امجد...... اوکاڑہ

یکم جنوری ہے نیا سال ہے
دسمبر میں پوچھوں گا کیا حال ہے

☆ نائمہ خان...... اسلام پورہ

گزشتہ سال کوئی مصلحت رہی ہوگی
گزشتہ سال کے سکھ اب کے سال دے مولا

☆ مریم علی...... لاہور

نئے سال میں پچھلی نفرت بھلا دیں
چلو اپنی دنیا کو جنت بنا دیں

☆ فصیحہ آصف خان...... ملتان

پچھلا برس تو خون رلا کر گزر گیا
کیا گل کھلائے گا یہ نیا سال دوستو!

☆ مسکان نور...... لاڑکانہ

اب کی بار مل کے یوں سالِ نو منائیں گے
رنجشیں بھلا کر ہم نفرتیں مٹائیں گے

☆ زرینہ خان...... بہارہ کہو

مبارک، مبارک نیا سال آیا
خوشی کا سماں ساری دنیا پہ چھایا

☆ زینیا حسن...... کراچی

نیا سال آیا ہے خوشیاں مناؤ
نئے آسمانوں سے آنکھیں ملاؤ

☆ عفت...... پنجاب

اس کو حاصل کرنے کے سب ریت گھروندے ٹوٹ گئے
جس کی ایک جھلک کی خاطر رہن رکھے تھے خواب تمام
اب کے سال بھی میں نے لکھا اس کے نام کا دیباچہ
میرے ذکر سے خالی رکھے جس نے اپنے باب تمام

☆ ماہ نور...... لیہ

کرنے کو کچھ نہیں ہے نئے سال میں یشب
کیوں نہ کسی سے ترک محبت ہی کیجیے

☆ ماریہ...... میرپور خاص

عشرتِ حالِ نو مبارک
آپ کو سالِ نو مبارک ہو

☆ عنبل ملک اعوان...... شاہدرہ

پرانے سال کی ٹھٹھری ہوئی پرچھائیاں سمٹیں
نئے سال کا نیا سورج افق پر اٹھتا آتا ہے

☆ انیقہ انا...... چکوال

جس برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
اس کو دفناؤ مرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں

☆ فریال اکرام...... فیصل آباد

تم بہت دور بس رہے ہو مگر
اب ہواؤں پہ اعتبار کرلینا
نئے سال کی ابتدا ہے جانِ جاناں
تھوڑی دیر ہم کو بھی یاد کرلینا

☆ نگینہ ضیا بنگش...... کراچی

نیا سال دیوار پر ٹانگ دے
پرانے برس کا کیلنڈر گرا

☆ مہتاب خان...... چترال

خدا کرے کہ یہ دن بار، بار آتا رہے
اور اپنے ساتھ خوشی کا خزانہ لاتا رہے

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

اِک سال گیا اِک سال نیا ہے آنے کو
پر وقت کا اب بھی ہوش نہیں دیوانے کو

☆ ساجدہ ظفر...... کمالیہ

اتنا تاوانِ بہاراں زرد موسم نے لیا
ٹہنیوں کے ہاتھ خالی ہوگئے اب کے برس

☆ طلعت شاہد...... ملتان

کس نے فون پہ دی سالِ نو کی تہنیت مجھ کو
تمنا رقص کرتی ہے تخیل گنگناتا ہے

☆ آسیہ......کراچی

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اِک براہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

☆ راحت اکرام......ٹاؤن شپ لاہور

دلہن بنی ہوئی ہیں راہیں
جشن مناؤ سال نو کے

☆ ثوبیہ ظہور......ضلع اٹک

ہر ایک سانس نیا سال بن کے آتا ہے
قدم، قدم ابھی باقی ہے امتحان میرا

☆ ثمرہ......لاہور

اک اجنبی کے ہاتھ میں دے کر ہمارا ہاتھ
لو ساتھ چھوڑنے لگا آخر یہ سال بھی

☆ نسرین یاسین......حیدرآباد

کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

☆ ماہ نور خان...... بہارہ کہو

منہدم ہوتا چلا جاتا ہے دل سال بہ سال
ایسا لگتا ہے گرہ اب کے برس ٹوٹتی ہے

☆ نرمین اعجاز......کراچی

نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

☆ حمنیٰ طلحہ......فیصل آباد

ٹھہر گئی ہے زندگی ایک ہی مقام پر
ہندسے بدل جانے کو سال نو کہتے ہیں

☆ نسرین رانا......راولپنڈی

کسی کو سالِ نو کی کیا مبارک باد دی جائے
کیلنڈر کے بدلنے سے مقدر کب بدلتا ہے

☆ نگہت اصغر......اسلام آباد

اس گئے سال بڑے ظلم ہوئے ہیں مجھ پر
اے نئے سال مسیحا کی طرح مل مجھ سے

☆ رخسانہ کمال   حیدرآباد

اک پل کا قرب ایک برس کا پھر انتظار
آئی ہے جنوری تو دسمبر چلا گیا

☆ سنبل......لاہور

پلٹ سی گئی ہے زمانے کی کایا
نیا سال آیا نیا سال آیا

☆ اریشہ سعید......فیصل آباد

آج پھر تیری یاد مانگی ہے
آج پھر وقت ہم کو ٹال گیا
تو دسمبر کی بات کرتا ہے
اور ہمارا تو سارا سال گیا

☆ مریم زبیر......کراچی

سالِ نو آتا ہے تو محفوظ کر لیتا ہوں میں
کچھ پرانے سے کیلنڈر ذہن کی دیوار پر

☆ عروبہ ناز......حیدرآباد

تو نیا ہے تو دکھا صبح نئی شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

☆ حمیرا انجم......واہ کینٹ

پھر نئے سال کی سرحد پہ کھڑے ہیں ہم لوگ
راکھ ہو جائے گا یہ سال بھی حیرت کیسی

☆ تسنیم کوثر......کراچی

آج بھی یاد آتی ہے تڑپاتی ہیں
تیرے ساتھ گزری دسمبر کی بارشیں

☆ حمیرا......کوٹری

آج اک اور برس بیت گیا اس کے بغیر
جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے

☆ عفت مسعود......کمالیہ

ہم نئے سال سے خیرات نہیں مانگیں گے
رکھ دیا ہم نے بھی کشکولِ گدائی اپنا

☆ سائرہ ارم ڈوگر......کمالیہ

ہر سال تیری یاد کی چاہت کے نام تھا
ہر سال تیری دید کی چاہت رہی ہمیں

☆☆☆

خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین



آسان مچھلی کی ترکیب

موسم سرما میں مچھلی اگر نہ کھائی جائے تو بھی اپنے ساتھ زیادتی ہے۔ ویسے بھی ڈاکٹرز مچھلی کا گوشت کھانے کو ہر وقت کہتے رہتے ہیں۔ پیاری بہنو مچھلی بہت طرح سے بنتی ہے کچھ لوگ مسالے والی زیادہ تیل میں تلی مچھلی نہیں کھاتے اس لیے ان کے لیے ایک ترکیب لائی ہوں۔

چھوٹی مچھلی یا پلیٹ جیسے عرفِ عام میں پاپلیٹ کہا جاتا ہے اگر ہے یا فلے ہیں تو اسے اچھی طرح نمک ملے پانی سے صاف کر کے جالی میں رکھ دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو اسے پسی ہوئی کالی مرچ، سویا ساس اور لیموں کے رس میں اچھی طرح الٹ پلٹ کر کے کچھ دیر رکھ دیں۔ اگر ٹن فوائل ہے تو اس میں لپیٹ لیں اور اوون میں بیک کر لیں۔ اوون نہ ہونے کی صورت میں ایک دیگچی میں ٹن فوائل میں لپٹی مچھلی اسٹیل کی پلیٹ میں رکھ کر مچھلی کسی اسٹینڈ پر رکھیں اور دیگچی کا ڈھکن بند کر دیں اور مزید پندرہ منٹ پکا کر اتار لیں۔ اور نوش فرمائیں۔

فروٹ ویجیٹیبل سلاد

اشیا: کھیرا، سیب، آڑو، ٹماٹر، کچے شلجم، شملہ مرچ، گاجر، انگور، سردا، امرود، ابلے ہوئے آلو، لال اور سفید لوبیا، ابلا ہوا اخروٹ کی گری، سلاد کے پتے باریک کٹے ہوئے، ہری پیاز کے تازہ ڈنٹھل۔

ترکیب: یہ تمام اشیا تھوڑی، تھوڑی مقدار میں لیں کہ ایک بڑا ڈونگا سلاد بن جائے۔ اخروٹ کی گری چھٹانک بھر بھی کافی ہے۔ اس کے علاوہ کالی سفید، مرچ، نمک حسب ذائقہ۔ سلاد، آئل دو کھانے کے چمچ۔ تازہ لیموں کا رس، دو کھانے کے چمچ۔ یہ تمام اشیا چوکور صورت کاٹ کر ایک برتن میں مکس کر لیں اور اس میں لیموں کا رس اور دیگر مسالے بھی چھڑک کر ملا لیں۔ کچھ دیر فریج میں رکھ کر پیش کریں۔

افریقن ویجیٹیبل رائس

اشیا: چاول، دو پیالی۔ مشرومز، ایک پیالی۔ نمک، حسب ذائقہ۔ پیپریکا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ پیاز، ایک عدد، درمیانی۔ یخنی، ساڑھے تین پیالی۔ ٹماٹر، دو عدد درمیانے، مارجرین یا مکھن، دو کھانے کے چمچ۔ سرخ شملہ مرچ، ایک عدد۔ آئل، دو کھانے کے چمچ۔ بروکلی، ایک پیالی۔

ترکیب: چاولوں کو دھو کر بیس منٹ کے لیے بھگو کر رکھ دیں۔ پیاز اور ٹماٹر کو باریک کاٹ کر رکھ لیں، شملہ مرچ اور مشرومز کے حسب پسند سائز کے ٹکڑے کاٹ لیں اور بروکلی کے چھوٹے، چھوٹے پھول علیٰحدہ کر لیں۔ چاولوں کو پانی سے نکال کر پین میں ڈالیں اور اس میں آئل، نمک اور یخنی ڈال کر تیز آنچ پر پکنے رکھ دیں۔ جب ابال آ جائے تو آنچ درمیانی کر دیں۔ دوسری طرف فرائنگ پین میں مارجرین یا مکھن ڈال کر پگھلا لیں اور اس میں پیاز کو ہلکا سا نرم ہونے تک فرائی کریں پھر اس میں ٹماٹر، بروکلی اور مشرومز کو ڈال کر فرائی کریں۔ بروکلی تھوڑی سی نرم ہونے پر آ جائے تو اس میں شملہ مرچ اور پیپریکا پاؤڈر ڈال کر ملائیں اور چولھے سے اتار لیں۔ چاولوں کا پانی خشک ہونے پر آ جائے تو اس میں سبزیوں کا مکسچر ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ پانچ سے سات منٹ بعد چولھے سے اتار لیں۔

چٹنی بینگن

اشیا: گول بینگن، ڈیڑھ پاؤ۔ سبز مرچ، چھ عدد۔ املی دانے، بارہ عدد۔ دھنیا اور پودینے کے پتے، ایک پیالی۔ لہسن کے جوے، آٹھ عدد۔ نمک، حسب ذائقہ۔

ترکیب: بینگن کو چھیل کر کچل لیں۔ لہسن، سبز مرچ، دھنیا، پودینہ، نمک اور املی کو ملا کر گرائنڈ کر لیں پھر اس پسے ہوئے مصالحے کو کچلے ہوئے بینگنوں پر اچھی طرح

اچھا کر مکس کر دیں اور چند گھنٹے اسی طرح رکھا رہنے دیں۔
نہایت ہی لذیذ چٹنی تیار ہے۔
نوٹ: یہ چٹنی ذیابیطس کے مریضوں کے کھانوں میں بطور خاص ذائقہ پیدا کرتی ہے۔
ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسیپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

میٹھی ٹکیاں

اشیاء: میدہ، ایک کپ۔ چینی، آدھا کپ۔ گڑ کی شکر، شکر نہ ہو تو چینی ڈال دو۔ سوجی، ایک تہائی کپ۔ گھی، دو چمچ کھانے کے۔ دودھ، چار کھانے کے چمچ۔

ترکیب: تمام اجزا کو ایک پیالے میں ڈال کر دو چمچ گھی شامل کر دیں تمام اجزا کو اچھی طرح مکس کریں۔ تھوڑا سا دودھ یعنی چار کھانے کے چمچ شامل کریں۔ اب آمیزے کو گوندھ لیں پھر ڈھک کر رکھ دیں۔ اب دو بڑے پیڑے بنا کر بیل لیں اور گلاس یا پیالی سے ٹکیاں کاٹ کر تل لیں۔ مزیدار ٹکیاں تیار ہیں۔

از: زرینہ خانم انصاری، مظفر گڑھ

گشتابہ

گشتابہ کشمیری کھانوں کی ایک شاہانہ اور روایتی ڈش ہے، جو عموماً خاص تقریبات اور وازوان میں پیش کی جاتی ہے۔ یہ باریک پسے ہوئے مٹن قیمے کے نرم و نازک کوفتوں سے تیار کی جاتی ہے جو خوشبودار دہی کی گریوی میں آہستہ، آہستہ پکائے جاتے ہیں۔ گشتابہ اپنی ملائم ساخت، نفیس ذائقے اور ہلکے مسالوں کی وجہ سے کشمیری کھانوں میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔

اشیا: قیمہ (بون لیس مٹن) پانچ سو گرام۔ دہی، دو کپ۔ سونف پاؤڈر، ایک چمچ۔ سونٹھ (خشک ادرک) ایک چمچ۔ الائچی، دو عدد۔ دار چینی، ایک چھوٹا ٹکڑا۔ لونگ، دو عدد۔ نمک، حسب ذائقہ۔ گھی، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، حسب ضرورت

ترکیب: قیمے کو بہت باریک پیس کر نمک کے ساتھ خوب گوندھیں۔ قیمے کے کوفتے بنالیں۔ دیگچی میں دہی، سونف، سونٹھ، الائچی، دار چینی اور لونگ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اب کوفتے ڈالیں اور آہستہ آہستہ پکنے دیں۔ آخر

میں گھی شامل کریں اور دم پر رکھ دیں۔ اُبلے چاول یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

از: فہمیدہ جاوید، ملتان

جھٹ پٹ چکن اسٹیک

مرغی والے سے مرغی کے سینے کے حصے سے دو انچ موٹے پارچے بنوالیں۔ پارچوں کو دھو کر خشک کرلیں۔ اب ان پارچوں میں حسب ذائقہ نمک، کالی مرچ، چلی ساس اور سویا ساس لگا کر کم تیل میں تل لیں۔ (shallow fry) کرلیں۔ پارچوں میں تھوڑا سا مسٹرڈ پیسٹ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ پانچ، دس منٹ میں یہ چکن اسٹیک تیار ہو جائیں گے۔ بچوں کے لیے صحت بخش مرغوب غذا بچوں کو لنچ باکس میں بے دے سکتی ہیں۔ پارچوں کے سینڈوچ بنا سکتی ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کریں یا خود کھا کر انجوائے کریں۔ یاد رکھیں مرغی اور مچھلی کے گوشت کو اتنا ہی پکائیں کہ وہ جوسی رہیں۔ بہت زیادہ پکانے سے وہ ذائقہ کھو دیتے ہیں۔ یہی اصول جھینگوں اور بکرے، گائے کے گوشت کے لیے بھی اپنائیں۔

از: زینیا حسن، کراچی

گاجر کا حلوا

اشیاء: گاجر، (چھیل کر کدوکش کرلیں) ایک کلو۔ دودھ، دو لیٹر۔ شکر، حسب ذائقہ۔ گھی، آدھی پیالی۔ بادام، پستہ حسب پسند۔ کھویا، آدھا پاؤ۔ ہری کشمش، دس سے بارہ عدد۔ چھوٹی الائچی، دو عدد۔ (پیس لیں)

ترکیب: گاجریں بھاری پیندے کے برتن میں دودھ میں دو گھنٹے ابالیں برتن کھلا رکھیں اور آنچ کو دھیما رکھیں۔ چمچ چلاتے رہیں۔ اتنا پکائیں کہ دودھ پک کر ختم ہو جائے اور ربڑی سی رہ جائے اس آمیزے میں تھوڑی شکر ملائیں، 30 منٹ پکا کر شیرے کا پانی خشک کرلیں اب اس میں گھی، پستہ، بادام، کشمش اور الائچی شامل کرلیں۔ مستقل چمچ چلائیں۔ یہاں تک کہ گھی گاجروں سے علیحدہ ہو جائے۔ کھوئے کو ایک چمچ کی مدد سے حلوے میں شامل کردیں۔ پیش کرنے سے پہلے پستہ اور بادام سے ڈش کو سجالیں۔

از: آسیہ عامر، کراچی

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں



پہلا انعام یافتہ سوال

☆ نادیہ......کراچی

سوال: نئے سال کی آمد پر آپ پاکیزہ کی جانب سے ہمیں کیا تحفہ دیں گی؟

جواب: پورے کا پورا پاکیزہ آپ کے لیے تحفہ ہے...... ویسے آپ سمیت تمام مخلص قارئین کے لیے بے شمار دعاؤں اور نیک تمناؤں کا تحفہ ہے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ اقصیٰ انشراح......کراچی

سوال: نئے سال کا آغاز تڑتڑاتی گولیوں سے کیوں ہوتا ہے؟

جواب: گولیوں کو چھوڑیں آپ بھر بھر منہ دعاؤں سے آغاز کریں۔

☆ عفت مسعود......کمالیہ

سوال: فلم میں شادی ہو جائے تو فلم ختم ہو جاتی ہے۔ حقیقی زندگی میں شادی ہو جائے تو فلم شروع ہو جاتی ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟

جواب: یہی تو فرق ہے......بس تم فلم انجوائے کرو۔

سوال: سرتاج محتاج کب بنتے ہیں؟

جواب: تمہاری بے جا فرمائشوں سے۔

☆ سائرہ ارم ڈوگر......کمالیہ

سوال: میں کامیابی کی سیڑھی پر جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چڑھنا چاہتی ہوں، کیا کروں؟

ج: جیسے چاہے چڑھو...... پھر شکایت نہ کرنا۔

سوال: بجلی کے کرنٹ اور زبان کے کرنٹ میں کیا فرق ہے؟

جواب: اوّل الذکر میں دنیا سے چلا جاتا ہے جبکہ مؤخر الذکر میں بار، بار جا کے واپس آتا ہے۔

☆ ساجدہ ظفر......کمالیہ

سوال: سخت بنو تو بندوں کا دل دکھتا ہے اور نہ بنو تو اپنا......کیا، کیا جائے؟

جواب: اعتدال بھی کسی شے کا نام ہے۔

سوال: خواتین کے پاؤں تلے سے زمین کب نکلتی ہے؟

جواب: اکثر و بیشتر۔

سوال: نئے سال میں کیا نیا گل کھل رہا ہے؟

جواب: فی الحال تو چینی کا ہی گل کھولیں گے۔

☆ اریشہ سعید......فیصل آباد

سوال: میں اپنی قسمت بدلنا چاہتی ہوں مگر عادتیں نہیں بدل سکتی۔ کوئی آسان طریقہ بتا دیں؟

جواب: عادتیں بدل لو قسمت کو اللہ پر چھوڑ دو۔

سوال: تنہائی اور شادی شدہ زندگی میں کیا فرق ہے؟

جواب: اکثر بیچارے شادی شدہ ہی تنہائی محسوس کرتے ہیں۔

سوال: نئے سال میں وہ...... مجھے کون سا نیا لارا لگائیں گے؟

جواب: ورلڈ ٹور کا۔

☆ حمنیٰ طلحہ......فیصل آباد

سوال: پراتوں، پلیٹوں کی کھڑکھڑاہٹ، چمچوں کی چھنچھناہٹ اور شرکا کی چپ چپاہٹ پر جنگی ہتھیاروں کی آوازوں کا گمان ہوتا ہے، بھلا کس میدان میں......؟

جواب: دعوتِ ولیمہ میں۔

سوال: شادی کے کھانے کا جب اعلان ہوتا ہے

''کھانا کھل گیا'' تو کھانا کھلتا ہے یا بندے کھلتے ہیں؟
جواب: سسرال والوں سے نہ کہہ دینا یہ بات۔

☆ فریال اکرام......فیصل آباد
سوال: میری ماں مجھے عقل مند سمجھتی ہے اور ساس مجھے بیوقوف خیال کرتی ہے......آپ کی نظر میں، میں کیا ہوں؟
جواب: تھوڑی ماں درست ہے تھوڑی ساس، دونوں کو خوش رکھا ہوا ہے۔
سوال: شادی سے پہلے کے عشق اور شادی کے بعد کے عشق میں کیا فرق ہے؟
جواب: اگر تم نے کیا ہے تو سمجھ جاؤ نا، ہمیں کیا معلوم۔

☆ تسنیم کوثر......ایف بی ایریا، کراچی
سوال: نیا سال مبارک ہو آپ کو، نئے سال کی خوشی میں دعائیں بھیجیں یا کوئی گفٹ پارسل کریں جلدی سے بتائیے؟
جواب: پُرخلوص دعاؤں سے بڑا بھلا کیا تحفہ ہوگا۔
سوال: کہتے ہیں کہ ڈوب مرنے کا مقام ہے یا پھر چلو بھر پانی میں ڈوب مرو ایسا مشورہ کیوں دیا جاتا ہے؟
جواب: جب آنکھوں کا پانی ختم ہو جائے تو ایسے مشورے دیے جاتے ہیں۔
سوال: یہ سوال بار، بار ہم نے کیا ہے، اگر آپ کو مقابلۂ حسن کی جج بنا دیا جائے تو آپ اپنے اور ہمارے علاوہ کس کو ملکۂ حسن کا خطاب دیں گی، اب بتا بھی دیں؟
جواب: ایک ہی کو تو دیتے ہیں بس خود کو...... ہا......ہا......ہا۔
سوال: اکثر لوگ اچھی بات بھی نہ سمجھتے ہیں نہ مانتے لیکن اللہ توبہ بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر ہوتے ہیں لفظ بتنگڑ کیا ہے؟
جواب: اتنا بڑا سوال کیا ہے تو ذرا لغت بھی اٹھا لیا کرو۔

☆ عرشیہ جنید......کراچی
سوال: مجھے دو اور دو پانچ کرنے ہیں......طریقہ بتا دیں؟
جواب: تم زیادہ کے چکر میں ہو ایسا کرو 2 اور 2 بائیس کرلو فائدے میں رہوگی۔

☆ نسرین یاسین......لطیف آباد
سوال: دنیا کے دو ایسے ہتھیار جو ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہیں؟
جواب: معلوم تو ہے تمہیں، دو چھٹانک کا گوشت کا لوتھڑا جسے بیچارے دانتوں کے بیچ رہنا پڑتا ہے......اور سب کچھ کہتی آنکھیں جو قیامت سی قیامت ڈھاتی ہیں۔

☆ ماہ نور خاں......بہارہ کہو
سوال: دل کی سنو مگر کرو دماغ کی......کا کیا مطلب ہوتا ہے؟
جواب: بہن یہ ان سے کہا جاتا ہے جن کا دماغ بھی ہوتا ہے......تم کیا کرو گی جان کر۔
سوال: لوگ جل کر کباب ہونے کے بجائے کھل کر گلاب کیوں نہیں ہوتے؟
جواب: یہ تو اپنی، اپنی جگہ کی بات ہے وہ چولہے پر بیٹھے ہیں یا باغ میں کھڑے ہیں۔

☆ شبانہ ندیم......لائنز ایریا، کراچی
سوال: ایک کی غلطی دوسروں کے لیے کس چیز کا باعث بنتی ہے؟
جواب: عقل والوں کے لیے عبرت کا اور بیوقوفوں کے لیے لطف کا۔

☆ نصرت حسین......بہارہ کہو
سوال: شدید سردی میں برف باری سے لطف اٹھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟
جواب: کیا آپ شدید گرمی میں بھی برف باری کا لطف اٹھانا چاہتی ہیں تو فریزر کی برف سے لطف اٹھالیں۔

☆ اقصیٰ انشراح......کراچی
سوال: سردی میں سردی نہ لگے کچھ ایسا بتائیے؟
جواب: شدید گرمی اور تپتی دھوپ کا تصور کرلیجیے۔

☆ ثمینہ روداد علی......گوجر خان
سوال: میں ڈرتے، ڈرتے اس بزم میں آئی ہوں کیا باقاعدگی سے حاضری دیتی رہوں؟
جواب: ارے آپ تو آچکی ہیں اور بھئی ڈرنے کی کیا بات ہے اگلی مرتبہ دلچسپ سوال لے کر آئیں۔

روحانی مشورے

ادارہ



نئے سال کا خوب صورت تحفہ آپ سب کے لیے

قارئین کرام! ایک خوب صورت تحفہ میں آپ کو دے رہی ہوں اور میری یہ دلی خواہش ہے کہ اسے آپ آگے تک پہنچائیں...... یعنی آپ جس سے ملیں اس تک یہ بات پہنچائیں۔

اس کے لیے ایک چھوٹی سی کاپی اور پنسل آپ کو اپنے سرہانے رکھنی ہوگی یا اگر آپ زیادہ تر سفر میں رہتے ہیں تو بیگ میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ روزانہ اپنی کاپی میں تاریخ ڈال کر لکھیں کہ آج آپ نے کتنی بار درود شریف پڑھا ہے۔ سب سے مختصر درود شریف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اگر آپ دس تسبیح روزانہ پڑھ لیتے ہیں کاپی پر لکھیں آج ایک ہزار بار درود پڑھ لیا ہے۔ یعنی ہر روز کا درود شریف کا مجموعہ گزشتہ دن کے درود شریف میں جمع کر کے لکھنا ہوگا۔ روزانہ دس تسبیح پڑھنا تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں...... بہت سی خواتین آرام سے درود شریف پڑھ رہی ہیں اور بعض بچیاں تو روزانہ بیس ہزار تک پڑھ لیتی ہیں۔ جب بہت تیزی سے درود شریف پڑھا جانے لگے تو آپ سمجھ جایئے گا کہ آپ کے ساتھ فرشتے بھی شریک ہوگئے ہیں۔ (سبحان اللہ) کاپی میں درج کرنے سے پڑھنے کی تحریک زیادہ ہوتی ہے اور جب یہ تعداد لاکھوں میں ہونے لگے تو ان شاء اللہ آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بھی ضرور نصیب ہوگی اور آپ کی پریشانیوں کے بادل چھٹ جائیں گے اور آپ کو دلی طمانیت اور سکون حاصل ہوگا۔ تو آئیں اس نیک کام میں میرے شریک بن جائیں...... اللہ تعالیٰ درود شریف کی برکت سے ہم سب کو دونوں جہان میں عزت وتوقیر عطا فرمائے، آمین۔

آفتوں اور مصیبتوں سے حفاظت کی دعا

حل: کسی قسم کی آفت و مصیبت میں گرفتار آدمی کو دیکھیے تو یہ دعا پڑھیں۔

اَلحمدللہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلاً

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بچایا مجھ کو اس چیز سے کہ گرفتار کیا سامنے والے کو اس کے ساتھ اور بزرگی دی۔ مجھ کو اپنی مخلوق میں سے بہت سی مخلوق پر بزرگی دینا۔ (مشکوۃ)

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے مثلاً اندھا، جزامی، برص والا، مفلوج، اعضا بریدہ وغیرہ اور یہ مذکورہ دعا پڑھے تو اس دیکھنے والے کو وہ مصیبت نہیں پہنچے گی۔

چار بیماریوں سے تحفظ

حل: آج کل بے شمار بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جس قدر دواخانے، شفا خانے اور اسپتال بن رہے ہیں، بیماریاں ان سے زیادہ بڑھ رہی ہیں چنانچہ جن بیماریوں کا کبھی نام تک نہیں سنا تھا، آج وہ عام پائی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار خطرناک بیماریوں سے تحفظ کا بہت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے۔

ملاحظہ کیجیے اور آپ سب عمل کیجیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اے قیصر) جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو نماز فجر کے بعد تین مرتبہ (یہ کلمات) کہہ لیا کرو۔

سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اللہ تعالیٰ چار بلاؤں سے محفوظ رکھیں گے۔ جزام، جنون، اندھاپن اور فالج سے۔ (عمل الیوم ولیلتہ)

ہر جائز تمنا پوری ہونے کے لیے

ہر نماز کے بعد ایک تسبیح یہ دعا پڑھنے سے آپ کی ہر جائز تمنا پوری ہوگی۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

ترجمہ: اور میں اپنے تمام کام اللہ پر چھوڑتا ہوں بے شک اللہ سب بندوں کا نگہبان ہے۔

غصے سے نجات کیسے حاصل ہو

آپ کے شوہر بیٹا، بھائی یا گھر میں کسی کو بھی غصہ بے حد آتا ہو...... یا ذرا، ذرا سی بات پر وہ بدزبانی کے لیے تیار ہوجاتے ہوں، اپنے تمام افراد کے لیے پانی پر ایک مرتبہ کلمہ طیبہ اور ایک مرتبہ یا ودود پڑھ کر دم کریں اور تین سانس میں وہ یہ پانی پی لیں۔ گھر کے دوسرے افراد بھی یہ پانی پی سکتے ہیں...... گھر میں اگر بحث و مباحثہ کرنے کی عادتیں ہیں تو وہ بھی ختم ہوجائیں گی۔

بہترین رشتے کے لیے

جس لڑکی، لڑکا کا نکاح نہ ہوتا ہو، وہ روزانہ کسی بھی وقت ایک مرتبہ ''سورۂ طٰہٰ'' اکیس دن تک پڑھے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی کسی صالح فرد سے شادی ہوجائے گی اور نمازوں کی پابندی رکھیں، ساتھ ہی روزانہ کسی بھی وقت 195 مرتبہ یا لطیفُ، یا اللہُ کا ورد کرلیا کریں۔

نماز جمعہ کا خطبہ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول عربیؐ نے فرمایا۔ ''جو شخص جمعہ کے دن اس وقت کلام کرے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ اس گدھے کے مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوں اور جو اس سے کہے۔ ''چپ ہوجا۔'' اس کا جمعہ نہیں۔''

(مسند امام احمد بن حنبل: جلد ا، ص: 230، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

امام احمد رضا قادری سے دوران خطبۂ جمعہ بات کرنے یا کوئی عمل کرنے سے متعلق سوال ہوا تو آپ نے جواب میں لکھا۔

''کتب مذہب میں صاف تصریح ہے کہ جو فعل نماز میں حرام ہے، خطبہ ہونے کی حالت میں بھی حرام ہے۔

شرح نقایہ علامہ محمد قہستانی میں ہے، جس طرح (دوران خطبہ کلام منع ہے) اسی طرح کھانا پینا عبث کام، کسی اور طرف متوجہ ہونا ارد گرد پھلانگنا جو کہ نماز میں ممنوع ہیں جیسا کہ جلابی میں ہے۔

متن و شرح علامہ حسن میں ہے۔ (خطبے میں حاضر شخص کے لیے کھانا پینا مکروہ ہے) کمال نے کہا حرام ہے (بے فائدہ کام اور کسی اور طرف متوجہ ہونا) پس ہر شے سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے نماز میں اجتناب کیا جاتا ہے۔

ہر نیک عمل صدقہ ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''ہر مسلمان کے لیے صدقہ لازم ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا اگر وہ کچھ دے نہ پائے؟ فرمایا۔ ''اپنے ہاتھوں سے کام لے، اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا، اگر اس کی طاقت نہ رکھے یا ایسا نہ کرسکے تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''کسی ضرورت مند، غمگین شخص کی اعانت کرے۔'' صحابہؓ نے عرض کیا اگر وہ ایسا بھی نہ کرسکے، تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''نیکی کا حکم دے۔'' پھر پوچھا گیا کہ اگر وہ ایسا بھی نہ کرسکے، تو؟ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''وہ خود برائی سے رکا رہے، یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔'' (بخاری و مسلم)

☆☆☆



حسن نکھاریے

م۔ جبیں

ہاتھ پیروں کی دیکھ بھال

سردیوں کے موسم میں لیموں کا رس اور عرقِ گلاب ملا کر لگانے سے ہاتھ ملائم ہوجاتے ہیں۔ رات کو سونے سے قبل ناریل کے تیل میں پگھلا موم ملا کر ہاتھ پیروں پر لگائیں۔ صبح نیم گرم پانی سے دھوڈالیں۔ چند دنوں میں فرق نظر آنے لگے گا۔ موسمِ سرما میں شہد، گلیسرین اور لیموں کا رس ملا کر ہاتھ پیروں پر لگانے سے بہت افاقہ ہوتا ہے۔ ہاتھوں کو نرم اور ملائم کرنے کے لیے لیموں کا رس یا سرکہ ملیں۔ عرق لیموں میں عرق کی مقدار کے برابر گلیسرین ملائیں اور اس میں ایک چھوٹا چمچ بورک ایسڈ ڈال کر تینوں کو یکجا کریں اور ایک شیشی میں بھر کر رکھ لیں۔ ہاتھ دھونے کے بعد دن میں تین چار بار اس کا استعمال کریں۔ ہاتھ نرم اور رنگت صاف ہوگی۔ رات سوتے وقت روغنِ بادام کی مالش کریں۔ اس کے علاوہ مہینے میں ایک مرتبہ مینی کیور کریں۔

یہ بات تو بے شمار بار کہی جا چکی ہے کہ خواتین اپنے چہرے کے مقابلے میں ہاتھوں اور پیروں کو زیادہ توجہ نہیں دیتی ہیں۔ بہت کم خواتین ایسی ہیں کہ جن کے چہرے کے ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی خوب صورت اور دلکش ہوتے ہیں۔ ایڑیاں پھٹنے اور پاؤں خشک ہونے سے بچانے کا آسان اور کارآمد حل یہ ہے کہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے پیروں پر بکری کا کچا دودھ مل لیں۔ صبح پاؤں اچھی طرح دھو کر کولڈ کریم لگائیں۔ اس کے علاوہ نیم گرم پانی میں نمک اور پیپرمنٹ آئل کے چند قطرے ملائیں اور پیروں کو اس محلول میں پندرہ سے بیس منٹ تک بھگوئیں۔ اس کے بعد پیروں کو پانی سے نکال کر انہیں خشک کرلیں پھر کریم لگا کر پیروں کو ہاتھوں سے ہلکا ہلکا رگڑیں، اس سے بھی پیر نرم ہوں گے۔ پندرہ دن میں ایک مرتبہ لازمی پیڈی کیور کریں۔ اگر سردیوں میں پیروں کی انگلیاں سوج جاتی ہیں تو دیسی شلجم ابالیں۔ اب اس ابلے ہوئے شلجم کے پانی میں نمک اور سرسوں کا تیل ملا کر آہستگی سے مالش کریں اور کپڑا لپیٹ کر سو جائیں تاکہ ہوا نہ لگے۔ پاؤں کی جلد کو نرم و ملائم کرنے کے لیے انڈے کی سفیدی سے مالش کریں۔ ناریل کے نیم گرم تیل سے پیروں کی ایڑیوں سمیت مالش کریں۔ اس کے بعد نرم تولیے سے صاف کرلیں، پاؤں نرم ہوجائیں گے۔

بالوں کی خشکی کے لیے

چنبیلی کے تیل میں ایک لیموں کا رس نچوڑ کر سر میں خوب مالش کریں، آدھے گھنٹا بعد سر دھوئیں، خشکی ختم ہوجائے گی۔

لیموں کے رس میں چینی ملا کر اور تیل میں ڈال کر مکس کر کے سر پر خوب ملیں۔ ایک گھنٹا بعد سر دھوئیں۔

سردیوں میں ہونٹ پھٹ جائیں

سردیوں کے موسم میں ہونٹ پھٹنے لگتے ہیں۔ آپ ان پر پیٹرولیم جیلی لگا سکتی ہیں لیکن ایک مؤثر اور گھریلو علاج ہے جو یقیناً آپ کے ہونٹوں کو نرم اور گلابی رکھے گا۔

گلاب کی پتیاں تھوڑے سے مکھن میں مسلیں رات کو سوتے وقت ہونٹوں پر اچھی طرح ملیں۔ اس عمل سے آپ کے ہونٹ ملائم رہیں گے۔

پھٹے ہوئے ہونٹوں پر لپ اسٹک نہ لگائیں بلکہ پہلے موئسچرائزر لگا کر تھوڑا نرم کرلیں۔

بالائی میں چٹکی بھر زعفران ملا کر ہونٹوں پر لگائیں۔

☆☆☆

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

60

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

قد چھوٹا ہونا

دانیہ...... فیصل آباد

میری عمر 15 سال ہے اور قد 5 فٹ ہے۔ مینز گیارہ سال کی عمر سے ہو رہے ہیں، بالکل Regular اور ٹھیک ہیں، کوئی مسئلہ نہیں۔ جسامت درمیانی ہے نہ بہت پتلی نہ بہت موٹی۔ برائے مہربانی یہ بتائیں کہ قد کتنی عمر تک بڑھ سکتا ہے۔ کیا اب میرا قد بڑھ سکتا ہے اگر جواب ہاں ہے تو پلیز کوئی دوا تجویز کر دیں۔ یہ بھی بتائیں کہ دوا کتنے عرصے تک لینی ہے۔

جواب: بی بی خاندانی پس منظر نہیں لکھا کہ آپ کے خاندان میں ماں باپ کی طرف سے لوگوں کا قد کتنا ہے؟ بہرحال آپ اپنی غذا کا خیال رکھیں۔ متوازن غذا لیں، چکنی اور میٹھی چیزیں زیادہ نہ لیں، ورزش یا کھیل کو ضرور کریں۔ بھاری وزن نہ اُٹھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Baryta Carb 200 کے 4 قطرے ہر صبح میں اور اسی کمپنی کی Ferum PentarkanPtk45 کی دو گولیاں تھوڑے سے پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ لیں اور تین ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

لیکوریا

کومل...... مانسہرہ

میں پاکیزہ کی مستقل قاریہ ہوں۔ عرصہ 5 یا 6 سال سے مجھے لیکوریا کی شکایت ہے۔ جسمانی کمزوری بھی ہے، بہت دُبلی پتلی ہوں اور ذرا سا کام کرنے سے

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

فروری 2026ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________________

پتا: ____________________

____

کمزوری اور نقاہت محسوس ہوتی ہے۔ چہرے پر جھائیاں بھی ہیں اور بال بھی اُگ رہے ہیں۔ اسٹوڈنٹ ہوں۔ میری کمر میں بھی درد رہتا ہے اور سر اور پٹھوں میں بھی۔ آپ برائے مہربانی مجھے دوا تجویز کر دیں۔ آپ کی مشکور رہوں گی۔

جواب: ذہنی ٹینشن سے بچیں۔ اس کے لیے صبر، شکر اور قناعت کریں۔ نماز کی پابندی کریں۔ صبح کی چہل قدمی کریں۔ متوازن غذا لیں۔ آپ لیکوریا کی تفصیل لکھیں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات لیں۔ Alfalfa Q کے 15 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ کھانے کے بعد۔ Kali.Phos30, Calc. Carb30, Rhustox30 کے 7،7 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ کسی بھی وقت لیں۔ 3 ماہ بعد دوبارہ کیفیت سے آگاہ کریں۔

بدبودار پسینا اور رنگت

مسز ولید...... واہ کینٹ

میرے بیٹے کی عمر 15 سال ہے، اس کا رنگ بہت صاف تھا۔ جب وہ 3 سال کا ہوا تو اس کا رنگ سانولا ہوتا گیا اب کافی ڈارک ہو گیا ہے چہرہ تو سانولا ہے لیکن جسم کا رنگ بہت ڈارک ہو گیا ہے۔ میں اسے دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہوں۔ اس کا A.L.T بھی بڑھ جاتا اور ٹرائی گلیسرائیڈ بھی۔ چکنائی کا استعمال کم کرتا ہے پھر بھی۔ ناشتے میں سادہ بریڈ لیتا ہے، ہفتہ اتوار کو پراٹھا۔ سینے میں جلن بھی کبھی ہوتی ہے۔ قد، جسم ماشاء اللہ اچھا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اسے پسینا بہت آتا ہے۔ 2 سے 3 بار نہاتا ہے۔ پسینے میں بُو ہے۔ جسم کی رنگت اور پسینے کی بدبو کے لیے کوئی دوا بتا دیں۔ کھانے میں اسے میٹھا بہت پسند ہے۔ پیاس بھی بہت لگتی ہے۔ کھانے پینے کا بہت شوقین ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا 7 سال کا دوسرا بیٹا ہے اُسے ابھی بدبودار پسینا آتا ہے اس کے لیے بھی دوا تجویز کر دیں۔



جواب: دونوں بیٹوں کو ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Sulphur200 کی ایک خوراک ہفتہ میں ایک بار، ایک ہفتہ چھوڑ کر دیں۔ بڑے بیٹے کو Lycopodium30, Arsenic30, Graphites30 کے 5،5 قطرے دن میں 3 مرتبہ دیں لیکن جس دن Sulphur دی ہو اس سے پہلے اور بعد میں کوئی دوا نہ دیں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

نسوانی حُسن

ولیجہ...... نیو کھاریاں

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا نسوانی حُسن بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ ماہواری بالکل درست ہے، لیکوریا بھی نہیں ہے۔ برائے مہربانی ایسی دوا بتائیں کہ بالکل ٹھیک ہو جاؤں۔

جواب: بی بی آپ کو کوئی اور بیماری تو نہیں، ہارمونز چیک کرائیں Serum Prolectin, T3, T4, TSH یہ مسئلہ شروع سے ہے یا بعد میں کسی وجہ سے ایسے ہو گئے۔ تفصیل ضرور لکھیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Onosmodium CM کی ایک خوراک 5 قطرے آدھا کپ پانی میں صرف ایک بار لیں اس کے 3 دن بعد Iodium30 کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد حال بتائیں۔

معدے کی تیزابیت

انس...... منڈی بہاؤالدین

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے شدید قسم کی تیزابیت، سینے میں جلن اور معدے میں جلن محسوس ہوتی ہے جو کہ عرصہ 15 سال سے ہے۔ مختلف دیسی ادویات استعمال کیں مگر افاقہ نہیں ہوا۔ دودھ اور پھلوں کا بکثرت استعمال کرتا ہوں، پانی بھی پیتا ہوں۔ قبض کی بھی

بچے جیسے سوجا ہوا ہو۔ سر میں درد اور چکر بھی آتے ہیں۔ کبھی کبھی تو ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں بھی مڑ جاتی ہیں۔ بال بھی باریک اور پتلے ہیں۔ بڑھتے بھی نہیں ہیں۔ سر کی جلد بالوں سے صاف نظر آتی ہے۔ گنجا پن صاف ظاہر ہوتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے... کمر میں بے حد تکلیف ہوتی ہے اور گردن تھوڑی دیر جھکنے پر ہی تھک جاتی ہے۔ تھوڑا سا کام کرتی ہوں تو تھکن محسوس ہونے لگتی ہے۔ آج کل کندھوں میں بھی درد رہنے لگا ہے۔ حساس طبیعت کی مالک ہوں۔

جواب: وزن زیادہ ہے۔ صبح یا شام کو باغ کی سیر کیا کریں۔ پہلے چہل قدمی کریں پھر جاگنگ کریں۔ CBC Profile کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Rhustox30, Pulsatilla30, Ferr.Met30, Calc.Phos30 کے 5،5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

جلدی بیماری اور کمزوری

مسز ذیشان......لاہور

میں جو مسئلہ لکھ کر بھیج رہی ہوں وہ میری بیٹی کا ہے۔ میری بیٹی کی عمر 12 سال ہے، پانچویں میں پڑھتی ہے۔ بہت کمزور ہے صحت سے بھی اور پڑھائی میں بھی۔ اس کے قد میں بھی اضافہ نہیں ہو رہا، گھر میں ہم سب کا قد ٹھیک ہے۔ چڑچڑاہٹ بھی ہے۔ اس کی ٹانگوں پر کالے کالے داغ ہیں اور ان پر خارش بھی ہوتی ہے۔ سر میں جگہ جگہ سے بال اترے ہوئے ہیں، لمبے بہت ہیں۔ دائرے کی شکل میں اور چہرے پر بھی سفید داغ ہیں۔ ایک ماہ سے لیکوریا کی شکایت ہو رہی ہے نہ کھانا کھاتی ہے اور نہ دودھ پیتی ہے اور پھل بھی نہیں کھاتی۔ میں بہت پریشان ہوں۔ آپ مہربانی فرما کر میری مدد کریں پلیز۔ بستر پر بہت پیشاب کرتی ہے اور دن میں زیادہ کرتی ہے۔ چھ سال سے اس کی یہی حالت ہے۔ میں نے



بہت سے علاج کروائے لیکن میری بیٹی ٹھیک نہیں ہو رہی۔ میں بہت پریشان ہوں۔

جواب: LFT, Urine D/R, CBC Profile کرائیں اور بچی کو پہلے ایک خوراک یعنی 5 قطرے آدھے کپ پانی میں Sulphur200 دیں اس کے ایک دن بعد Acidcrysophanic 6 Ferr.Met30, Graphites 30 کے 5،5 قطرے آدھے کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں، ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

وزن کی زیادتی اور چہرے پر بال

نعیمہ......کوٹ ادو

میری بیٹی میں خون کی کمی ہے۔ پہلے رنگ سرخ اور سفید تھا اب رنگ بھی خراب ہو گیا ہے۔ سر کے بال بھی کم ہو گئے ہیں۔ 3 ماہ پہلے جو آپ نے دوائیں دی تھیں اس سے کوئی افاقہ نہیں ہوا اور وزن مزید زیادہ ہو گیا ہے۔ پیٹ مزید پھول گیا ہے۔ سانس بھی پھول جاتا ہے۔ میں بہت پریشانی کے عالم میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔

جواب: آپ کی بیٹی میں ہارمونز بہت زیادہ ڈسٹرب ہیں، چکنائی اور میٹھی ہر قسم کی چیزوں سے پرہیز کروائیں۔ ورزش بھی کرائیں کم از کم ایک گھنٹا روزانہ، دوائیاں اسی طرح استعمال کریں جس طرح بتائی جا رہی ہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk 45 کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ 3 مرتبہ دیں۔ Magnesium Phos Pentarkan Ptk60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ Phytolaca-e-BaccusQ کے 15 قطرے آدھے گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ Oleum Jecoris 30 کے 7 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

لیٹ ماہواری اور چہرے پر بال

ماریہ......لاہور

میری شادی ہونے والی ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ ماہواری 10 سال سے ایک مہینے آتی ہے اور 2 مہینے نہیں آتی جس کی وجہ سے میرے جسم خاص طور پر چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں جب نکالوں تو خون نکلتا ہے اور جگہ کالی ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے کسی پارٹی میں نہیں جاسکتی، مہربانی کر کے کوئی اچھی دوائی بتادیں جس سے یہ مسئلہ حل ہوجائے۔ آپ کی دکھی بہن کی فریاد ہے۔ میرا مسئلہ ضرور شائع کریں۔

جواب: اللہ آپ کو صحت دے آمین۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc Carb 200 کے 5 قطرے ہفتے میں ایک دفعہ لیں جبکہ روزانہ Pulsatilla 30 کے 5,5 قطرے دن میں تین مرتبہ اور Oleum Jec30 کے بھی 5 قطرے دن میں تین مرتبہ لیں ایک گھونٹ پانی میں۔ 2 ماہ بعد دوبارہ کیفیت سے مطلع کریں۔

قد اور جسم پر بال

ارصل......اسلام آباد

مسئلہ میری بچی کا ہے۔ میری بچی کے پورے جسم پر بال ہیں پیدائش کے وقت رُواں تھا جوں جوں بڑی ہوتی گئی کالے بال بن گئے۔ ٹانگوں پر رانوں تک کمر پر بھی ہیں لیکن ذرا چھوٹے۔ بازوؤں پر کلائی سے کاندھے تک آدھا آدھا انچ لمبے بال ہیں، زیادہ بازو پر ہیں اور گھنے بھی جو کہ بچی بھی اب محسوس کرتی ہے۔ میری بچی کا دوسرا مسئلہ قد کا ہے۔

جواب: آپ اپنی بچی کی غذا کا خیال رکھیں اس کو متوازن غذا دیں ورزش کرائیں یا کھیل کود کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc Carb 200 کے 4 قطرے تھوڑے سے پانی میں ایک دن چھوڑ کر دیں اور اسی کمپنی کی Acid Phos 30 کے 5 قطرے تھوڑے سے پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں۔ 3 ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

ریڑھ کی ہڈی ٹیڑھی

راحیلہ......مانسہرہ

ڈاکٹر صاحب میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے کہ آپ کی دوا سے مریض جلد ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ میری عمر 20 سال ہونے والی ہے۔ میری ریڑھ کی ہڈی ٹیڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے میرا ایک کندھا دوسرے سے نیچے ہے اور کمر میں بھی کبھی کبھی درد ہوتا ہے۔ نسوانی حُسن کی بھی بہت زیادہ کمی ہے۔ پلیز اس کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

جواب: یہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے جو کسی کو ٹھیک کرسکتی ہے۔ 20 سال کی عمر میں قد نہیں بڑھتا۔ کمر کے مسئلے میں کسی سے کوئی علاج کیا ہے؟ ٹین ایج اور اس سے پہلے جسمانی نشوونما ہوتی ہے قد بھی بڑھتا ہے۔ اگر اس وقت توجہ دی جائے تو صحت کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔ بہرحال متوازن خوراک جس میں پروٹین زیادہ ہو اور لٹکنے اور اچھل کود والی ورزش کریں۔ 6 سے 8 گھنٹے کی نیند لیں۔ سوتے وقت سر کے نیچے تکیہ نہ لیں اور ٹانگیں سیدھی کر کے لیٹیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ Calc.Carb 30, Theridion 30 کے 5،5 قطرے 1/2 گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔

☆☆☆